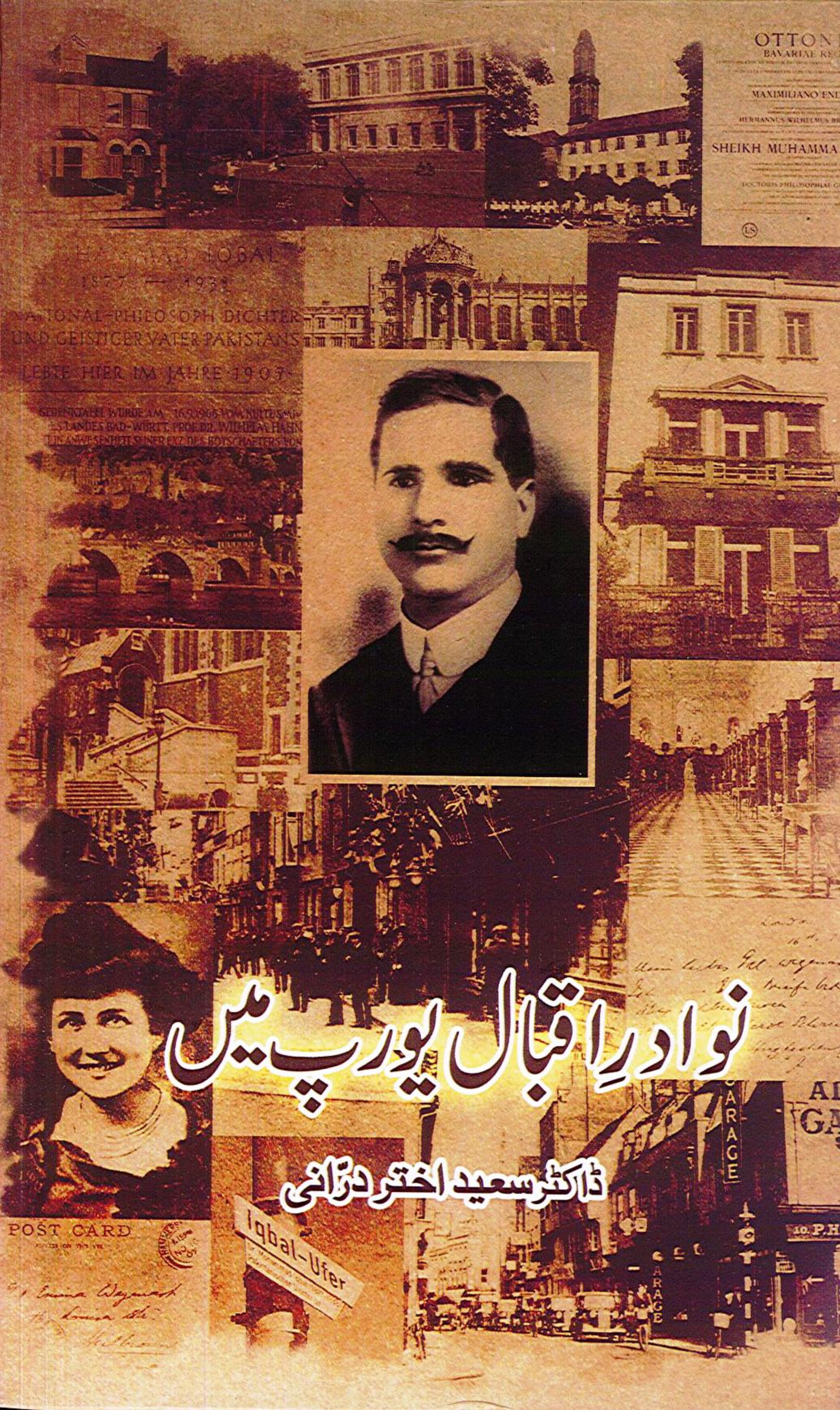

نوادرِ اقبال یورپ میں

ڈاکٹر سعید اختر درّانی

نوادرِ اقبالؒ یورپ میں

سعید اختر درّانی

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

ناشر
محمد سہیل عمر
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
(حکومتِ پاکستان، وزارت ثقافت)
چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور
Tel: [+92-42] 36314-510
Fax: [+92-42] 3631-4496
Email: director@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN: 969-416-220-3

طبع اوّل	:	۱۹۹۵ء
طبع دوم	:	۲۰۰۳ء (نئی دہلی)
طبع سوم	:	۲۰۱۰ء
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	۳۰۰ روپے
مطبع	:	شرکت پریس، لاہور
ٹائیٹل ڈیزائن	:	خالد فیصل

محل فروخت: ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور فون نمبر: ۳۷۳۵۷۲۱۴

انتساب

میں یہ کتاب بکمال مسرت اپنے دیرینہ دوست ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
کے نام منسوب کرتا ہوں۔
میری پہلی کتاب اقبال یورپ میں ہی کی طرح زیرِ نظر کتاب کی اشاعت میں بھی
انھوں نے بہت کمک پہنچائی۔ اس کا عنوان بھی اُنھی کا تجویز کردہ ہے۔

ویگے ناسٹ خاندان ۵۶
شجرۂ نسب ۵۹
ڈارم شٹاٹ، فرینکفرٹ، برمنگھم ۶۱
ایلسا ویگے ناسٹ سے ایک اور ملاقات ۶۲
ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر ۶۶
حواشی ۶۸
باب سوم: میونخ (علامہ اقبال کی پی ایچ ڈی کے مراحل) ۷۱۔۹۷
میونخ یونی ورسٹی لائبریری میں ۷۴
بعض اہم کاغذات کی دستیابی ۷۵
اقبال فائل کے بعض اندراجات ۸۲
ڈاکٹر بوزاش سے ملاقات ۸۳
آرنلڈ کے نام اقبال کے تین غیر مطبوعہ خطوط ۸۷
چند نئے حقائق بہ سلسلۂ تاریخِ ولادتِ اقبال ۹۰
میونخ میں اقبال کی قیام گاہ: مزید معلومات ۹۲
علامہ اقبال کی ایک نئی تاریخِ ولادت ۹۴
حواشی ۹۶
باب چہارم: کیمبرج ۹۹۔۱۱۲
کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری ۱۰۱
اقبال کا تحقیقی مقالہ: بعض اندراجات، دستاویزات ۱۰۲
حواشی ۱۱۱
ضمیمے ۱۱۳۔۱۳۴
(۱) محمد اقبال کی تاریخِ ولادت ۱۱۵
یان ماریک: ترجمہ سعید اختر دُرّانی
حواشی ۱۲۰

فہرست

حرفِ آغاز	خلیق انجم	ix
دیباچہ (طبع اوّل)	مصنف	xii
حروفِ اضافی (طبع ثالث)	مصنف	xvi
باب اوّل: ہائیڈل برگ		۱۔۴۰
مسز ایلسا ویگے ناسٹ		۱
پروفیسر ہیلا کرش ہوف سے ملاقات		۵
ایما ویگے ناسٹ اور ان کا خاندان		۶
خطوطِ اقبال بنام ایما		۹
کیا ایما اقبال کی اتالیق تھیں؟		۱۲
ایما کی تصویریں		۱۳
ایما اور صوفی کی قدیم قیام گاہیں		۱۸
چند لمحے دریائے نیکر کے کنارے		۱۹
سوئسلر صاحب کی شکایات		۲۱
بعض متفرق اور اہم معلومات		۲۴
اقبال یادگاری تختی کی تنصیب		۲۷
حواشی		۳۸
باب دوم: ہائیل برون		۴۱۔۷۰
مسز ایلسا ویگے ناسٹ کے یہاں		۴۶
ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر		۴۸
لوئزن شٹراسے میں ایما کا مکان		۵۴

(۲) (دریائے) نیکر کو سلام ۱۲۳
تتمہ ۱۲۸
(۳) کوائفِ حیات، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان ۱۳۰

اشاریہ ۱۳۵
دستاویزات ۱۴۳
تصاویر ۱۹۳

فلسفے سے دلچسپی رہی ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ انھیں علامہ اقبال سے جنون کی حد تک عشق ہے۔ اُنھوں نے اقبال پر ایسا بنیادی کام کیا ہے کہ ایسے لوگ بھی شاید کوئی اتنا اہم کام نہ کر پائیں جن کی زندگی کا بڑا حصہ علامہ اقبال پر تحقیق و تنقید کرتے ہوئے گذرا ہے۔

ملازمت کے سلسلے میں ڈاکٹر سعید اختر درّانی کا قیام انگلینڈ میں رہا ہے۔ اگرچہ کیمبرج اور لندن میں اقبال کی تعلیمی، علمی اور تخلیقی سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن تحقیق میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ اگر محقق اپنی کوششیں جاری رکھے تو اس کا پورا امکان رہتا ہے کہ اسے کچھ ایسا مواد دستیاب ہو جائے جو دوسرے محققوں اور نقادوں کی دسترس میں نہیں تھا۔ میرے اس دعوے کا ثبوت ڈاکٹر درّانی کی اقبال پر دو کتابیں اقبال یورپ میں اور نوادرِ اقبال یورپ میں ہیں۔ ڈاکٹر درّانی کو جب اقبال پر تحقیق کا خیال آیا تو وہ اُس وقت انگلستان میں تھے۔ انھوں نے یورپ میں اقبال کے قیام کو اپنا موضوع بنایا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کیمبرج، لندن، جرمنی، ہائیڈل برگ، میونخ یونی ورسٹیوں اور ہسپانیہ کا دورہ کیا اور شہروں، ملکوں اور یونی ورسٹیوں میں اقبال کی علمی، ادبی اور تعلیمی سرگرمیوں پر تحقیق کر کے بہت ہی نادر مواد تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

دُرّانی صاحب کی پہلی کتاب اقبال یورپ میں کو نہ صرف غیر معمولی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی بلکہ اسے اقبالیات میں ایک اہم اضافہ کہا گیا۔ اس کتاب کی زبردست پذیرائی ہوئی، جس سے ڈاکٹر درّانی کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اُنھوں نے نوادرِ اقبال یورپ میں کے نام سے ایک اور کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اقبال کے سوانح اور شخصیت کے بارے میں بہت اہم اور تاریخی مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا مضمون ہے جرمنی کا شہر۔ ہائیڈل برگ'۔ ستمبر ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر درّانی کو دو سائنسی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے جرمنی کے میونخ اور ورمز (Worms) نامی دوشہروں میں جانے کا اتفاق ہوا، جہاں اُنھوں نے علامہ اقبال کی دوست اور استاد ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کی۔ اور مِس ویگے ناسٹ کے کئی رشتے داروں سے ملاقات کر کے مرحومہ کے بارے میں ایسی معلومات حاصل کیں جن سے عام قارئین تو کیا خود ماہرینِ اقبال بھی ابھی تک ناواقف تھے۔

علامہ اقبال کیمبرج یونی ورسٹی کے طالب علم رہے تھے۔ ڈاکٹر درّانی کیمبرج گئے اور وہاں اُنھوں نے اقبال کے بارے میں بہت اہم تحقیق کی۔ علامہ اقبال نے اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں ایڈوانسڈ طالبِ علم کی حیثیت سے داخلہ لیا تھا، جہاں اُنھوں نے بی۔اے کے لیے تحقیق

حرفِ آغاز

غالبؔ اور اقبالؔ کا شمار اُردو کے اُن ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے جن کے سوانح، شخصیت اور فن پر ہمارے محققین اور نقاد طویل عرصے سے مسلسل کام کرتے رہے ہیں، اور یہ سلسلہ ابھی تک بدستور جاری ہے۔ جب بھی غالب یا اقبال پر کوئی ایسی تحقیقی کتاب شائع ہوتی ہے جس میں ان حضرات کے سوانح کے بارے میں کچھ نئی معلومات فراہم کی گئی ہوتی ہیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم پر اقبال یا غالب کا جو قرض تھا وہ ہم نے چُکا دیا۔ اب ان حضرات پر کوئی نیا مواد ملنا مشکل ہے۔ ان حضرات کے فن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ لیکن کچھ ہی دن بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں پر ابھی تو بہت مواد دستیاب ہے، اور ان دونوں کی شخصیت اور فن کے بارے میں مختلف پہلوؤں پر ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ قابلِ مبارک باد ہیں وہ لوگ جو محنت، دیدہ ریزی اور جستجو سے ان عظیم شاعروں کے بارے میں نیا مواد تلاش کر کے بہت سلیقے سے پیش کرتے ہیں۔ اُردو والے اس محنت کا بدلہ اس طرح دیتے ہیں کہ ان حضرات کو ماہرینِ غالب یا ماہرینِ اقبال کی فہرست میں شامل کرلیتے ہیں، جو ایک محقق یا نقاد کے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

ڈاکٹر سعید اختر درّانی بھی ایسے ہی ایک محقق ہیں۔ وہ بنیادی طور پر سائنس دان ہیں۔ سائنس میں اُن کی تحقیق کا میدان ہے "Radiation Physics"۔ لیکن اُنھوں نے اپنی سائنسی صلاحیتوں سے کام لے کر اقبال پر دو معرکہ آرا کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتابیں ہیں اقبال یورپ میں اور نوادرِ اقبال یورپ میں۔

اقبال پر تحقیقی مضامین اور کتابوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو اُردو میں سب سے زیادہ اقبال پر لکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہر سال اقبال پر بے شمار ایسے مضامین یا کتابیں شائع ہوتی ہیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل نئی ہوتی ہیں۔ اسی انداز کی کتاب اقبال یورپ میں، ہے، جس کے مصنف ڈاکٹر سعید اختر درّانی ہیں۔ دُرّانی صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ سائنس کے میدان میں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں گذرا ہے۔ اس کے باوجود انھیں شعر و ادب اور

دیباچہ (طبع اوّل)

علامہ اقبال کے آثار، باقیات اور نوادرات، دنیا کے کونے کونے میں بکھرے ہوئے ہیں، اور یہ ایک صحرائے بسیط ہے۔ دس پندرہ سال ہوئے، راقم الحروف کے سر میں بھی یہ سودا سمایا کہ اس صحرا کی کچھ بادیہ پیمائی کی جائے۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۸۵ء میں اس کی کتاب اقبال یورپ میں شائع ہوئی۔ جس کے بعد بھی تحقیق و تجسّس کا سلسلہ جاری رہا اور اس کا ماحصل، زیرِنظر کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

موجودہ کتاب میں اقبال کے قیامِ یورپ سے متعلق بعض اہم اُمور زیرِ بحث آئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اقبال نے اپنے تحقیقی مقالے *The Development of Metaphysics in Persia* پر جون ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی-اے کی ڈگری حاصل کی تو کم و بیش اسی مقالے پر انھیں میونخ یونی ورسٹی سے پی-ایچ-ڈی کی ڈگری کیسے مل گئی؟ اور وہ بھی اس صورت میں کہ جرمنی میں ان کی مدتِ قیام محض ساڑھے تین ماہ تھی! (یعنی ۲۰ رجولائی ۱۹۰۷ء تا ۵ رنومبر ۱۹۰۷ء)۔ اس سوال کا جواب حاصل کرنے میں جو دلچسپ حقائق بے حجاب ہوئے وہ اس کتاب میں منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔ مزید برآں اس کتاب کا ایک حصہ علامہ کے قیامِ جرمنی سے متعلق حالات و واقعات اور دستاویزات پر مشتمل ہے۔ وہ ہائیڈل برگ میں آخرِ جولائی ۱۹۰۷ء سے وسط اکتوبر ۱۹۰۷ء تک مقیم رہے۔ شاید یہ علامہ کی زندگی کے مسرور ترین دو تین ماہ تھے۔ یہی مختصر مدت تھی جس کے دوران علامہ کے دل و دماغ پر جرمنی کے آدرشوں، اُس کے شاعروں، اُس کے لوگوں اور اُس ملک کے حسنِ فطرت نے ایسا اثر کیا کہ وہ تمام عمر اس کے گیت گاتے رہے۔ ہائیڈل برگ کے بارے میں جرمنی میں مشہور ہے کہ یہ شہر یہاں آنے والوں کا دل لوٹ لیتا ہے اور اس موضوع پر کئی گیت زبان زدِ عام ہیں مثلاً:

Ich hab mein Herz in Heidelberg verloren

(میں نے اپنا دِل ہائیڈل برگ میں کھو دیا ہے)...... ہائیڈل برگ کے تذکرے کے علاوہ زیرِنظر کتاب میں اُن کی جرمن زبان کی ٹیوٹر ایما ویگے ناسٹ اور ان کے خاندان کے بارے میں کئی

مقالہ *The Development of Metaphysics in Persia* لکھا۔ اور پھر کچھ اضافوں کے ساتھ ۴ر نومبر ۱۹۰۷ء کو یہ مقالہ میونخ یونی ورسٹی میں پی-ایچ-ڈی کی ڈگری کے لیے بھیجا، جس پر اُنھیں پی-ایچ-ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔

علامہ اقبال کا یہ تحقیقی مقالہ لندن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر درّانی نے اس مقالے کے بارے میں بہت اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یورپ میں اقبال کے قیام کے دوران بہت سے واقعات پر تحقیقی مواد فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب اقبال اکادمی پاکستان سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب ڈاکٹر سعید اختر درّانی کی تحریری اجازت سے انجمن اس کا نیا اڈیشن شائع کر رہی ہے۔ ڈاکٹر درّانی کی دوسری کتاب اقبال یورپ میں بھی انجمن سے بہت جلد شائع ہو جائے گی۔

نئی دہلی، فروری ۲۰۰۳ء

خلیق انجم

آر پار سیاہ پٹیاں سی پڑ گئی تھیں، جن کو اس احتیاط کے ساتھ صاف کرنا کہ کوئی لفظ مسخ نہ ہو جائے، بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا۔ یہ سب دستاویزیں آپ زیرِ نظر کتاب کے ضمیموں کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ مزید برآں یہاں اس بات کا اضافہ کرنا شاید بے محل نہ ہو کہ مذکورہ عجلت کی بنا پر مجھے یہ مہلت بھی نہ مل سکی کہ وہ دو باب بھی شاملِ کتاب کر سکوں جو تختیں فہرستِ مطالب میں تو موجود تھے، لیکن ابھی حیطۂ تحریر میں نہ آئے تھے۔ یعنی ہسپانیہ اور اٹلی میں علامہ کے چند باقیات جو میں نے ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء کے دوران جمع کیے تھے، اور جن میں کچھ نوادر بھی شامل تھے۔ ان کے حذف ہونے کا مجھے افسوس ہی رہا، لیکن بہر طور شاید ایک روز یہ چیزیں بھی اِسی سلسلے کی تیسری کتاب کا حصہ بن سکیں☆ کہ بقول غالب:

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو

آخر میں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ جب ڈاکٹر وحید قریشی نے میری کتاب کا مسودہ دیکھا، کہ مجموعہ تھا میرے مختلف اوقات میں لکھے ہوئے اور مختلف رسالوں میں شائع کیے گئے مضامین کا، اور عکسِ مماثل تھا میری پہلی کتاب کی بے ربطیوں اور طول گفتاریوں کا، تو اُنھوں نے فرمایا کہ اس کی تہذیب و تصحیح بہت ضروری ہے اور یہ کام انھوں نے ہاشمی صاحب کے سپرد کر دیا۔ اس پر میں نے شکر و اطمینان کی سانس لی۔ چنانچہ اگلے چند ماہ میں جناب رفیع الدین ہاشمی نے بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی کے ساتھ اس مسودے پر کام کیا، اس کی بڑے پیمانے پر تہذیب و تصحیح کی، اس کے حشو و زوائد کو یا تو قلم زد کیا یا انھیں حواشی کی صورت میں متن سے الگ کیا، اور یوں تحریر کے تانے بانے کو کس دیا۔ ایک بہت بڑی Improvement جو انھوں نے کی، وہ یہ تھی کہ میری مسلسل اور یک لخت تحریروں میں انھوں نے وقفے وقفے سے جلی اور ذیلی سرخیاں لگائیں، کہ پڑھنے والوں کی دلچسپی برقرار رہے اور ان کی نگاہوں کو قیام گاہیں میسر آئیں۔ اور ہاں بڑی مشکل اور پس و پیش کے بعد جناب ڈاکٹر وحید قریشی نے حال ہی میں مجھے بھی ایک ہفتے کے اندر اندر ایک آخری پروف ریڈنگ کرنے کی اجازت دے دی، جس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔ اور یہ تصحیحات میں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ کر بھی ڈالی ہیں۔ نیز بڑی رواروی میں یہ دیباچہ بھی سپردِ قرطاس کر دیا ہے ——— اور یوں یہ بے تحاشا طوالت سے بھی بچ گیا ہے!

☆ علامہ کے سفرِ اطالیہ (نومبر ۱۹۳۱ء) پر میرا مضمون مجلہ حکیم الامت میں ۲۰۰۸ء کے دوران بالاقساط شائع ہو چکا ہے (دُرّانی۔ ۲۷ر ستمبر ۲۰۰۹ء)

ایک نئی معلومات شامل ہیں۔ اسی طرح اقبال کی پی-ایچ-ڈی سے متعلق بہت سی نئی باتیں پہلی بار منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ مزید برآں متعدد نادر تصاویر، تحریریں اور دستاویزات بھی شاملِ کتاب ہیں۔ اُمید ہے یہ ساری چیزیں اقبالیات کے سوانحی ادب میں ایک دلچسپ اضافہ ثابت ہوں گی۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مَیں ممتاز دانش وَر، اقبال شناس، نقاد اور محقق جناب ڈاکٹر وحید قریشی کے علاوہ اپنے بے لوث اور پُرخلوص دوست ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا (جو شمعِ اقبال کے ایک پروانۂ دل سوز و جاں گداز ہیں) ممنون ہوں۔

دراصل پہلے پہل میں نے اس مسوّدے کا بیشتر حصّہ آج سے قریب تین سال قبل اقبال اکادمی پاکستان، لاہور میں داخلِ دفتر کیا تھا۔ لیکن اُن دنوں اکادمی کی مالی حالت بڑی پتلی تھی۔ چنانچہ یہ مسوّدہ ایک طویل عرصے تک وہاں خاک چاٹتا رہا۔ پھر دسمبر ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر وحید قریشی نے، جو اُن دنوں بزمِ اقبال لاہور کے ناظم تھے، مجھ سے یہ مسوّدہ مانگ لیا کہ انھیں اس کتاب کے چھاپنے کا شوق بھی تھا اور ان کے زیرِ تصرف پیسے بھی تھے۔ لیکن پھر اس ادارے کے حالات بھی کچھ دگرگوں ہو گئے، اور کافی عرصے تک کتاب کی اشاعت میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہوئی۔ تا آنکہ جنوری ۱۹۹۳ء میں مجھے برمنگھم میں یکا یک ڈاکٹر ہاشمی کا ایک خط ملا کہ جناب وحید قریشی نے بے حد گرم رفتاری کے ساتھ "بزمِ اقبال" کی نئی کتابیں شائع کرنی شروع کر دی ہیں اور مجھے فی الفور چاہیے کہ کتاب کا باقی ماندہ مواد بھی انھیں بھیج دوں۔ جناب ڈاکٹر وحید قریشی بالقابہٗ میں ایک "جنّاتی قوت" ہے کہ جو ایک دفعہ کارفرما ہو جائے تو کسی کے روکے نہیں رُک سکتی۔ اسی قوت کا ایک ثبوت اُن کا یہ بیان ہے کہ انھوں نے بزمِ اقبال کی شش سالہ نظامت کے دوران، بزم کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد دگنی سے زیادہ کر دی ہے، بہ نسبت ان کے جو اِس سے پیش تر، قریب پینتالیس برس میں اس ادارے نے چھاپی تھیں۔

بہرحال مَیں نے ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب کو پے در پے تین خطوط لکھے اور درخواست کی کہ وہ ذرا توقف کریں تا کہ میں اپنے مضامین کی نوک پلک سنوار لوں۔ دوسری طرف میں نے ان مضامین پر نظرِ ثانی شروع کی اور بہ عجلت ان میں ترمیم و تصحیح اور ان پر کچھ اضافے کر کے انھیں روانہ کر دیا۔ اور سب سے زیادہ محنت جو مجھے کرنی پڑی، وہ میونخ یونی ورسٹی کی ان دستاویزوں پر ہوئی جو اکتوبر ۱۹۸۷ء میں مَیں نے وہاں سے برآمد کی تھیں۔ وہ یوں کہ میونخ یونی ورسٹی کے محافظ خانے (Archives) کی فوٹو کاپی مشین اُن دنوں بڑی بُری حالت میں تھی، اور کئی نقول کے درمیانی حصّے کے

اور ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ چند ہفتے پیشتر میں یہ سارا پلندہ اُٹھا کر پھر اقبال اکادمی پاکستان کے پاس لے آیا۔ کہ

پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا!

اب میری دِلی آرزو ہے کہ یہ شب نصیب کتاب جلد از جلد (انگریزی محاورے کے مطابق) دن کا اُجالا دیکھ پائے اور میری تمام محنت سوارت ہو۔ واللہ المستعان

طالبِ نور
دُرّانی

اسلام آباد-۱۲ر نومبر ۱۹۹۴ء

حروفِ اِضافی

(طبع ثالث)

کتاب زیرنظر کا دوسرا اڈیشن انجمن ترقی اردو (ہند) کے یہاں سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔ اب اس کتاب کا تیسرا اڈیشن اقبال اکادمی پاکستان کی جانب سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ موجودہ اڈیشن میں بہت سی نئی تصاویر کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ تمام دستاویزات بھی زیادہ اُجاگر طریقے سے طبع ہو رہی ہیں۔ اور قارئین کی سہولت کی خاطر متن کا اشاریہ بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

بندہ فانی
سعید اختر دُرّانی

برمنگھم
یومِ اقبال: ۹ر نومبر ۲۰۰۹ء

قارئینِ کرام، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، کتابِ زیرِنظر کو میری ''تمنا کا دوسرا قدم'' سمجھیے۔ پہلی کتاب دشتِ امکاں میں ایک حقیر سا نقشِ پا تھا۔ اور شاید آپ اسے شاعرانہ تعلّی تو سمجھیں، مگر یکایک مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا ہے، جہاں میں نے عرض کیا تھا:

تھی مرے خونِ کفِ پا میں گلوں کی شوخی
رنگِ صحرا نکھر آیا ، مَیں جہاں سے گذرا

اُمید ہے کہ آپ کو بھی اس صحرائے جستجو میں کہیں کہیں شوخ رنگ کے کچھ نقوش نظر آئیں گے، جو جاذبِ نگاہ ہوں گے۔ فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

اسلام آباد، لندن (مطار) — بندۂ فانی

تمّت بالخیر، ۲۱ ردسمبر ۱۹۹۳ء — سعید اختر دُرّانی

پس تحریر

جب اوپر بیان کیے گئے تمام مرحلے طے ہو گئے۔ اور میں اواخرِ دسمبر ۱۹۹۳ء میں تصحیح شدہ مسودہ بزمِ اقبال کے حوالے کر آیا، اور برمنگھم پہنچ کر اس خوابِ خوش میں مست ہو گیا کہ اب کتاب جلد ہی چھپ جائے گی، تو یکایک خبر ملی کہ اس کے ناظم جناب وحید قریشی وہاں سے بدل کر دوبارہ اقبال اکادمی پاکستان کے سربراہ مقرر ہو گئے ہیں۔ بزمِ اقبال کے نئے ناظم ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب کی ترجیحات کچھ مختلف ثابت ہوئیں اور میری کتاب دوبارہ طاقِ نسیاں کی زینت بن گئی۔ آخرِ کار اکتوبر ۱۹۹۴ء میں جب میں جہانِ سوم کی سربراہ کانفرنس برائے سائنس (COMSAT)، جس کی تاسیس میں مَیں Nobel Laureate پروفیسر عبدالسلام☆ کی مدد کر رہا تھا، اور نیز اقوامِ متحدہ کے ایک سائنسی مشن کے سلسلے میں پاکستان آیا ہوا تھا، میرا لاہور جانا ہوا تو میں نے مذکورہ بالا دونوں حضرات سے بات چیت کی۔ ڈاکٹر ذوالفقار صاحب نے فرمایا کہ یہ دونوں ادارے تو ہمشیر (Sister Organizations) ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اسے اقبال اکادمی سے چھپوا لیں کہ آج کل ان کے مالی وسائل بہتر حالت میں ہیں،

☆ افسوس کہ یہ نابغۂ روزگار پاکستانی سائنس دان، جو کیمبرج یونی ورسٹی سے میری پی ایچ ڈی کے لیے میرے ممتحن بھی تھے، بروز ۲۱ رنومبر ۱۹۹۶ء لندن میں رحلت فرما گئے۔ (دُرّانی۔ ۲۷ رستمبر ۲۰۰۹ء)

باب اوّل

ہائیڈل برگ

ستمبر ۱۹۸۴ء میں مجھے دو سائنسی کانفرنسوں کے سلسلے میں جرمنی جانے کا موقع ملا۔ پہلی کانفرنس میونخ میں تھی اور دوسری ورمز (Worms) میں، جو سولھویں صدی کے عیسائی پادری مارٹن لُوتھر کی نسبت سے ایک معروف مقام ہے۔ میں نے سوچا اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے وہاں کی مہم جُوئی کی پہلے سے تیاری کر لی اور ہر ایک کانفرنس کے خاتمے پر میونخ اور ہائیڈل برگ میں دو دو روز کے لیے علامہ اقبال پر ریسرچ کا پروگرام بنایا اور دوستوں کو خط وغیرہ لکھ دیے۔

اس مہم (Expedition) کے دوران جو نئی دریافتیں ظہور پذیر ہوئیں وہ بے حد دلچسپ اور نتیجہ خیز تھیں۔ میں ان واقعات کو چار حصوں میں تقسیم کر کے بیان کروں گا۔ حصہٗ اوّل صرف ہائیڈل برگ کی تحقیقات سے متعلق ہے۔ حصہٗ دوم ہائیل برون کے حالات پر مشتمل ہے، جہاں میں نے مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کی اور ان کے قرابت داروں سے ملاقات کی۔ میونخ کے واقعات و واردات کا تیسرے، اور کیمبرج کا ذکر چوتھے حصے میں ہوگا۔

مسز ایلسا ویگے ناسٹ

تو آیئے اب ۲۳ تا ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء کے ان واقعات کی تفصیل ملاحظہ فرمایے۔

Worms کی کانفرنس سے ایک شب پہلے (اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء کی رات کو) میں ہائیڈل برگ میں اپنے ایک ہندوستانی سائنس دان دوست ڈاکٹر اشوک کمار سنگھوی کے دولت خانے میں قیام پذیر ہوا جو احمد آباد سے ایک سال کے لیے فیلوشپ پر ہائیڈل برگ کی Max-Planck Institute for Nuclear Physics میں ریسرچ کے لیے آئے ہوئے تھے اور ورمز والی کانفرنس میں شرکت کرنے والے تھے۔ آنے سے پہلے میں نے خط کے ذریعے ان سے درخواست کر رکھی تھی کہ براہِ کرم اس بات کا کھوج لگائیں کہ آیا ہائیل برون میں مس ایما ویگے ناسٹ (Miss Emma Wegenast) کے کوئی

عزیز اب بھی آباد ہیں؟ مس ویگے ناسٹ، ہائیل برون (Heilbronn) کی رہنے والی تھیں اور علامہ کا خط مؤرخہ ۲۳ راکتوبر ۱۹۰۷ء اسی شہر کے پتے پر تحریر کیا گیا تھا اور ان کے دوسرے کئی خطوں میں بھی اس شہر کا ذکر تھا۔

جب اس شام مَیں سنگھوی صاحب کے یہاں وارد ہوا تو انھوں نے بتایا کہ میرے خط مؤرخہ ۲۴ راگست ۱۹۸۴ء کے نتیجے میں ان کی انسٹی ٹیوٹ کی لائبریرین خاتون Frua Maria Schütze نے اس اثنا میں ہائیل برون میں مقیم تین ایسے افراد کے پتوں اور ٹیلی فون نمبروں کا کھوج لگا لیا تھا جن کے نام ویگے ناسٹ تھے۔ یہ نام اور پتے یوں تھے۔

1- Elsa Wegenast, Blücher Strasse, 26
2- Hans Wegenast, Blücher Strasse 26/I
3- Richard Wegenast, Charlotten Strasse

(یہ غنیمت ہوا کہ شہر میں چند ہی ویگے ناسٹ نکلے اور جیسا کہ بعد کو عیاں ہوا، یہ سب لوگ ایک ہی خانوادے کے ارکان تھے۔) چنانچہ میں نے فوراً پہلے پتے پر ہائیڈل برگ سے ٹیلی فون کیا۔ جس کے جواب میں مسز ایلسا ویگے ناسٹ گویا ہوئیں۔ میں نے اولاً ان سے کچھ عرصہ جرمن زبان میں گفتگو کی، لیکن بعد میں وہ انگریزی میں باتیں کرنے لگیں جو وہ بڑی روانی کے ساتھ بولتی تھیں۔ انھوں نے اپنا مفصّل تعارف کرایا۔

میں نے علامہ اقبال اور مس ایما ویگے ناسٹ کے تعلقات کا ذکر کیا۔ کہنے لگیں کہ وہ میرے مرحوم شوہر (خدا اسے جنت نصیب کرے) کے والد کی چچا زاد بہن تھیں۔ میرے شوہر کا دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے جلد بعد ایک فرانسیسی جنگی قید خانے میں ۱۹۴۶ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۴۵ برس کی تھی۔ میں نے ایما کی بہن صوفی (Sophie) کے متعلق پوچھا۔ بولیں کہ ہاں وہ بھی تھیں، لیکن میں دراصل ان دونوں بہنوں کے متعلق بہت کم جانتی ہوں کیوں کہ میں ولادۃً ویگے ناسٹ نہیں ہوں۔ شاید میرے بیٹے ہنس کو کچھ زیادہ علم ہو۔ ہاں، کچھ مہینے ہوئے ایک بدیسی صاحب یہاں تشریف لائے تھے جنھوں نے مجھے ایک مضمون اور ایک اخبار دکھایا تھا، جس میں ایما کی تصویر تھی۔ (دراصل یہ صاحب ہائیڈل برگ یونی ورسٹی میں اقبال فیلو جناب ڈاکٹر صدیق شبلی تھے۔ جنھوں نے افکار کراچی بابت مئی ۱۹۸۳ء میں مس ویگے ناسٹ کے بارے میں میرا مضمون پڑھ کر مجھے خط لکھا تھا اور اسی مضمون کے زیر اثر وہ جنوری یا فروری ۱۹۸۴ء میں ہائیل برون گئے تھے)۔ یہ اطلاع

انھوں نے میرے اس جواب میں دی کہ آیا ان کے پاس ایما ویگے ناسٹ کی کوئی تصویر موجود ہے۔ کہنے لگیں خود ان کے پاس ایما کی کوئی تصویر نہ تھی۔ نہ ویگے ناسٹ خاندان کی پرانی تصویروں کا کوئی البم ہی۔ میں نے ان سے مس ایما کے مکان Luisen Strasse 16 کے بارے میں پوچھا (جس کا ذکر اقبال نے کیا تھا)۔ کہنے لگیں کہ یہ مکان جہاں تک میرا خیال ہے جنگ کے دوران تباہ ہوگیا تھا۔ پھر خود ہی فرمانے لگیں، تم کیوں ان تمام اُمور کے بارے میں مزید اطلاع میری قرابت دار پروفیسر کرش ہوف (Kirchhoff) سے حاصل نہیں کر لیتے؟ وہ خاتون پیدائشی لحاظ سے ویگے ناسٹ تھیں اور ان کے والد ایما ویگے ناسٹ کے عم زاد بھائی تھے۔ وہ خود ہائیڈل برگ ہی میں رہتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں مجھے دوبارہ ٹیلی فون کرو تو میں تم کو ان کا ٹیلی فون نمبر دے دوں گی۔ میں نے کہا: بہت خوب۔

قریب آدھے گھنٹے بعد میں نے فراؤ (بیگم) ویگے ناسٹ کو دوبارہ فون کیا۔ اب کے وہ فر فر انگریزی بول رہی تھیں (مندرجہ بالا تمام گفتگو جرمن زبان میں ہوئی تھی)۔ انھوں نے مجھے پروفیسر کرش ہوف کا (جنھیں وہ اب ڈاکٹر ہیلا (Hella) کہہ کر پکار رہی تھیں) ہائیڈل برگ کا پتا Ziegelhäuser Landstrasse 17 A اور فون نمبر دے دیا اور پھر دوبارہ میرے ساتھ کافی عرصہ گپ شپ کرتی رہیں (محترمہ باتیں کرنے کی کافی شوقین نکلیں۔ یہ امر میرے لیے بڑا حوصلہ افزا تھا!) اور مجھے اپنے بیٹوں اور اپنے مرحوم شوہر (خدا انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) اور ایما اور ان کی بہن صوفی کے بارے میں انھوں نے کافی معلومات مہیا کیں (اگرچہ دونوں مؤخر الذکر خواتین کے بارے میں ان کی تمام اطلاعات شنیدہ تھیں، نہ کہ دیدہ۔)

کوئی ایک گھنٹے بعد (قریب ۷ بجے شام، اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء) میں نے پروفیسر کرش ہوف صاحبہ کے یہاں ٹیلی فون کھڑکایا۔ میں نے عرض کیا کہ میری جرمن زبان خاصی سست اور زنگ آلود ہے۔ کیا وہ انگریزی میں بات چیت کر سکتی ہیں؟ انھوں نے فرمایا، ضرور اور بڑی صفائی کے ساتھ بے تکان انگریزی بولنے لگیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس مس ایما ویگے ناسٹ کی (جو میری پھوپھی تھیں) کوئی تصویر باقی نہیں بچی، آج سے کوئی بیس پچیس برس پہلے، پچاس کی دہائی میں ایک شخص ہمارے پاس ایک سرکاری سطح پر آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں، یا اس نے ایسا کرنے کا دعویٰ کیا:

That he was writing a book, or pretended to write one.

اور ہم نے اس کو تمام کی تمام تصویریں اور سارے خطوط دے ڈالے۔ کہنے لگیں کہ ان دنوں میری پھوپھی ایما کی صحت بہت کمزور تھی (وہ اسّی کے پیٹے میں تھیں) اور وہ انگریزی بھی نہیں بول سکتی تھیں، چنانچہ میں ترجمانی کا فریضہ ادا کررہی تھی۔ اس شخص (یا ان اشخاص) نے ایما کو پاکستان آنے کی دعوت دی، لیکن اپنی صحت کی کمزوری (اور انگریزی زبان سے ناواقفیت) کی بنا پر وہ یہ دعوت قبول نہ کرسکیں۔ چنانچہ میں نے (یعنی بیگم کرش ہوف نے) وہاں جانے کی آمادگی ظاہر کی، لیکن کچھ ہوا، ہوا یا نہیں۔

پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ میں ایما اور ان کی بہن صوفی (Sophie یا Sofie) کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ میرے والد اِن خواتین کے کزن تھے اور یوں وہ میری رشتے کی پھوپھیاں تھیں۔ میں بچپن میں اٹلی میں رہتی تھی اور ۱۹۳۸ء میں ہائیڈل برگ کی یونی ورسٹی میں پہنچی۔ میں یہاں جرمنی میں کسی کو نہیں جانتی تھی، چنانچہ میں یہاں ایما اور صوفی کے یہاں رہنے لگی (دراصل وہ وقتاً فوقتاً ان کے یہاں آنے جانے اور کبھی کبھار مقیم ہونے لگیں)۔ ایما ۱۹۵۰ء کے عشرے میں فوت ہوگئیں۔ میں نے کہا: کیا ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں نہیں؟ کہنے لگیں: ہوسکتا ہے تمہاری بات صحیح ہو (یاد رہے کہ ایما ویگے ناسٹ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں فوت ہوئیں) اور صوفی اس کے چند سال بعد۔ میرے پُر اصرار استفسار پر انھوں نے کہا کہ صوفی ۱۰۲ سال کی عمر میں ۱۹۷۸ء میں فوت ہوئیں (یعنی اقبال صدی کی تقریبات کے دوران وہ زندہ تھیں۔ کاش ہم لوگوں کو معلوم ہوتا!) فرمانے لگیں کہ صوفی کی بہت سی تصویریں میرے پاس موجود ہیں اور یہ میں بخوشی تم کو دے دوں گی۔ ہاں تم اگلے ہفتے کے روز بے شک میرے یہاں آجاؤ، یعنی شنبہ ۲۹ ر ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز، لیکن آنے سے پہلے مجھے ٹیلی فون کرلینا۔ میں نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا اور یہ گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔

اس گفتگو سے اگلی صبح یعنی بروز پیر ۲۴ ر ستمبر ۱۹۸۴ء ڈاکٹر سنگھوی اور میں ریل گاڑی سے Worms روانہ ہوگئے۔ جہاں ہماری کانفرنس منعقد ہورہی تھی۔ وہاں تمام ہفتہ بڑی گہما گہمی میں گزرا۔ کانفرنس بڑے المانوی طریقے کے ساتھ آراستہ کی گئی تھی اور دن بھر کے سائنسی مقالوں کے بعد ہر شام کوئی دلچسپ ثقافتی پروگرام ہوتا تھا۔ کانفرنس کا بڑا پر تکلف ڈنر (Banquet) ورمز سے کوئی پچاس میل کے فاصلے پر ایک پرشکوہ محل (Schloss) میں منعقد ہوا، جس کا حسن و جمال، جو ایک مرقع کمال تھا، آج تک میرے دل پر نقش ہے۔ کانفرنس سے فارغ ہوکر ہم جمعہ ۲۸ ر ستمبر ۱۹۸۴ء کی شام کو واپس ہائیڈل برگ میں ڈاکٹر سنگھوی صاحب کے یہاں پہنچے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر میں نے دوبارہ

پروفیسر کرش ہوف کو فون کیا کہ اگلے روز میں ان کے دولت خانے پر حاضر ہونے والا ہوں۔ انھوں نے کہا بصد شوق۔ اور اپنے گھر پہنچنے کے بارے میں ہدایات دیں کہ یہ مکان دریائے نیکر کے کنارے پر واقع ہے اور اس کے سامنے ہائیڈل برگ کا مشہور قلعہ (جواب کھنڈر ہو چکا ہے) فرازِ کوہ پر نظر آتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ تم دو بجے میرے یہاں پہنچ جاؤ، میں فارغ ہوں۔

پروفیسر ہیلا کرش ہوف سے ملاقات

اگلے روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کوئی ساڑھے بارہ بجے (بروز شنبہ ۲۹؍ ستمبر ۱۹۸۴ء) میں گھر سے نکلا اور بذریعہ بس پروفیسر موصوفہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ بس دریائے نیکر کے کنارے کنارے رواں دواں تھی۔ کنارِ دریا پر بوقلموں درخت، خوش رنگ گُل بوٹے اور سبزۂ بیگانہ بہار دکھا رہے تھے۔ سورج کی نقرئی کرنیں درختوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھیں۔ دریا پر وقفے وقفے سے قدیم پُل بنے تھے۔ فرازِ کوہ پر قلعے کے پُرشکوہ کھنڈر جلوہ آرا تھے، اور دریا کے اُس پار حسین حویلیاں اور پرانے بُرج اور گرجے آپس میں گڈمڈ تھے، جب کہ اِس پار درختوں اور جھاڑیوں میں گھرے ہوئے قدیم مکان ایستادہ تھے۔

میں غلطی سے پروفیسر کرش ہوف کے مکان سے کوئی نصف میل پہلے ہی بس سے اُتر گیا، لیکن اس خوبصورت رہگذار پر (کہ علامہ اقبال کا پرانا مکان بھی اسی سڑک کے اولین حصے میں واقع ہے) پیدل چلنا باعثِ فرحت تھا۔ جب میں پروفیسر صاحبہ کے مکان پر وارد ہوا تو ابھی پونے دو بجے تھے۔ اس لیے میں چند منٹ اس روح پرور نظارے سے محظوظ ہوتا رہا اور اس خوبصورت گرد و نواح کی چند تصویریں کھینچنے میں مصروف رہا۔ ٹھیک دو بجے میں نے پروفیسر صاحبہ کے درِ دولت کی گھنٹی بجائی۔ چند ثانیوں بعد وہ دروازے پر تشریف لائیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ چھیاسٹھ سڑسٹھ برس کی ایک خوش قامت اور خوش وضع خاتون ہیں۔ انھوں نے مجھے خوش آمدید کہی، اور کہا کہ اوپر تشریف لایے۔ میں اس وقت ڈرائنگ روم میں اپنے نواسے اور نواسی کے ساتھ بیٹھی ہوں۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ ان کا مکان بڑا سجا سجایا ہے اور اطاقِ نشست میں خوبصورت ایرانی قالین، خوشنما صوفے کرسیاں اور کچھ پرانی تصاویرِ ہنر (Paintings) صاحبۂ خانہ کی خوش ذوقی کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔

اولاً میں نے Professor Dr Hella Kirchhoff, ne'e Wegenast کو ان کے مکان

(Ziegelhäuser Landstr 17 A) کے خوبصورت گردونواح پر مبارک باد پیش کی۔ وہ کہنے لگیں: ہاں یہ علاقہ ہائیڈل برگ کے خوب صورت ترین مضافات میں سے ہے۔ پروفیسر صاحبہ کی نواسی اور نواسا (قریب ساڑھے تین اور دو سال کی عمر کے) اسی کمرے میں ان کے سامنے بڑی خاموشی اور خوش تربیتی کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھے۔

پروفیسر صاحبہ میرے ساتھ بڑی خوش خلقی سے پیش آئیں اور انھوں نے مجھے بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ وہ ہائیڈل برگ یونی ورسٹی میں اطالوی زبان وادب کی استادرہ چکی ہیں اور بڑی شستہ انگریزی بولتی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے خود ان کے بارے میں کچھ باتیں پوچھیں۔ کہنے لگیں کہ میں بڑی خوش قسمت تھی کہ جب میں نے ہائیڈل برگ یونی ورسٹی میں (١٩٤٠ء کے لگ بھگ) لیکچرر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی تو اس وقت جنگ کی وجہ سے مرد لیکچرر بہت کم تھے۔ چنانچہ نہ صرف مجھے آسانی سے یہ اسامی مل گئی بلکہ ترقی کرتے کرتے میں بعدازاں پروفیسر شپ کے مرتبے تک پہنچ گئی۔ اگرچہ میں Full Professor تو نہیں تھی (یعنی Ordinarius یا C-4 کے رتبے کی) بلکہ میرا رتبہ C-3 کا تھا (یعنی اسے Associate Professor کہہ لیجیے)، لیکن میرا عہدہ مستقل تھا (with Tenure)۔ انھوں نے کہا چونکہ تم خود یونی ورسٹی کے معلم ہو اس لیے مجھے Frau Professor کے بجائے صرف Frau Kirchhoff (یعنی مسز کرش ہوف) کہہ کر پکارو۔ یہ اندازِ تخاطب زیادہ بے تکلف (informal) ہوگا۔ میں نے کہا: بہت خوب!

ایما ویگے ناسٹ اور ان کا خاندان

انھوں نے بتایا کہ میرے والدین اٹلی میں Trieste* کے مقام پر رہتے تھے جہاں میرے والد کا کافی (Coffee) کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ میرے والد ماجد، ایما اور صوفی ویگے ناسٹ اور ان کے چار بھائیوں کے کزن (عم زاد بھائی) تھے۔ ١٩٣٢ء میں جب میں سولہ سترہ برس کی تھی تو میں ہائیڈل برگ میں ایک طالبِ علم کی حیثیت سے پہنچی (واضح رہے کہ ان کا تمام خاندان، یعنی خانوادۂ ویگے ناسٹ، جرمنی سے تعلق رکھتا تھا)۔ اور چونکہ میں اخراجات کے لحاظ سے خاصی تنگ دست تھی اس لیے میں نے

* پروفیسر عبدالسلام کا قائم کیا ہوا ''بین الاقوامی مرکز برائے طبیعیاتِ نظری'' بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ (دُرّانی۔ ٢٦ر اکتوبر ٢٠٠٦ء)

کافی وقت اپنی پھوپھیوں ایما Emma اور صوفی Sofie کے گھر پر بسر کرنا شروع کیا جو میری خوب خاطر تواضع کرتی رہتی تھیں۔ یوں بھی میں جرمنی میں کسی اور کو جانتی نہیں تھی۔ ایما ان دو میں سے چھوٹی بہن تھی (اولاً انھوں نے کہا کہ وہ بڑی بہن تھیں۔ لیکن بعد کو ان کی ڈسل ڈورف والی کزن، ایڈتھ نے تصحیح کی کہ نہیں ایما چھوٹی بہن تھیں اور یہی درست ہے۔) دراصل ایما اس گھرانے کا دماغ (The Brain) تھیں۔ بڑی ذہین خاتون تھیں اور اخراجاتِ خانہ کا انحصار بھی انھی کی کمائی پر تھا، جب کہ گھر بار چلانے کا کام صوفی کے ذمے تھا۔ ایما بڑی خوب صورت اور خوش وضع (انیق یا Elegant) عورت تھیں۔ سیاہ بال، گہری نیلی آنکھیں اور بڑے ترشے ہوئے خدوخال (Chiselled features)۔ ان کی صورت اپنے سب سے بڑے بھائی کارل (Karl) کے ساتھ بہت ملتی تھی (جس کی تصویر انھوں نے مجھے دکھائی۔) ایما ایک دراز قد لڑکی تھی (قریب 170 cm یعنی پانچ فٹ سات انچ)۔ وہ اُن دنوں یونی ورسٹی کلینک میں بطور Pharmacist (دواساز) کام کرتی تھیں۔ (اخبار *Heidelberger Tageblatt* مورخہ بدھ ۲۹/جون ۱۹۶۶ء میں ایما کا پیشہ ریڈکراس نرس Rot-Kreutz- Schwester درج ہے اور جناب محمد اکرام چغتائی کے مضمون مطبوعہ نوائے وقت بابت ۹/نومبر ۱۹۸۴ء میں ایما کی وفات کے جس سرٹیفکیٹ کی نقل شائع ہوئی ہے وہاں یونی ورسٹی کلینک میں ایما کا پیشہ ٹیکنیکل اسسٹنٹ Technische Assistentin بیان کیا گیا ہے)۔

مسز کرش ہوف نے کہا کہ جب میں اپنی پھوپھیوں سے پہلے پہل ملی تو وہ Steuben Strasse میں قیام پذیر تھیں (نہ کہ Stauben Str. (نمبر ۱۴) جیسا کہ علامہ اقبال نے ایما کے نام اپنے خط مورخہ ۱۲/دسمبر ۱۹۳۲ء میں تحریر کیا ہے)۔ لیکن بعد ازاں وہ 5- Mozart Str. میں اُٹھ آئیں، جہاں وہ کئی برس تک مقیم رہیں۔

میں نے پروفیسر کرش ہوف کو ایما کے نام علامہ اقبال کے خطوط دکھائے۔ انھوں نے کہا یہ تو بے حد عمدہ جرمن زبان (Excellent German) میں لکھے گئے ہیں، بلکہ خاصی روزمرہ کی (Colloquial) بولی ٹھولی ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اقبال نے یہ زبان صرف دو تین ماہ میں سیکھ لی تھی، جیسا کہ تم نے مجھے ابھی بتایا ہے۔ میں نے خیال ظاہر کیا کہ شاید انھوں نے جرمنی آنے سے پہلے لندن میں یہ زبان سیکھنی شروع کردی ہو (جیسا کہ عطیہ بیگم کی کتاب اقبال یعنی *Iqbal's Letters to Atiya Begum* سے گمان کیا جاسکتا ہے)۔ پروفیسر صاحبہ کہنے لگیں کہ لسانیات کی ایک طالبۂ علم کی

حیثیت سے میرے لیے یہ خطوط خاص طور سے دلچسپ ہیں۔ کیا اقبال نے ان خطوط میں کہیں کہیں اُردو نما طرزِ بیان (Urdu-like Expressions) اختیار کیا ہے یا تمہارے خیال میں یہ انگریزی طرزِ خیال کا مرقع ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میرا قیاس ہے کہ اقبال نے سوچا انگریزی زبان میں ہوگا اور اظہار جرمن زبان میں کیا ہوگا۔ انھوں نے میرے ساتھ اس بات پر بھی اتفاق ظاہر کیا کہ یہ خط لکھنے کے دوران اقبال نے اکثر لغت کی کتابوں کا سہارا بھی لیا ہوگا...... اولاً انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی زبان دان نے اقبال کو ان خطوط کی تحریر میں مدد دی ہو، لیکن میں نے کہا کہ مجھے یہ باور نہیں آتا، کیوں کہ علامہ اقبال نے ان خطوط کے سلسلے میں خاصے اِخفا سے کام لیا تھا (دیکھیے ایما کے نام ان کا انگریزی میں لکھا ہوا خط مورخہ ۱۷/جنوری ۱۹۳۲ء از لاہور۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''میں ہمیشہ آپ کے خطوط کو جرمن لغت کی مدد سے پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہوں، بجائے اس کے کہ کسی اور سے ان کا ترجمہ کرواؤں۔ اپنے خطوط کسی اور کو دکھانا اچھا نہیں ہوتا۔ آپ کا خط ختم کرنے میں خواہ تین دن لگیں پھر بھی میں اپنے طور پر انھیں ایک لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ کسی اور کو دکھاؤں اور میں نے ہمیشہ یہ پیرایۂ عمل اختیار کیا ہے'')۔ پروفیسر صاحبہ نے کہا کہ تمہاری بات صحیح ہوگی کیوں کہ مثلاً اپنے ایک خط میں اقبال نے لکھا ہے (مورخہ لندن ۱۶/نومبر ۱۹۰۷ء) کہ "Ich bin noch nicht angesiedelt" جس سے انھوں نے یہ مراد لی ہے کہ "I have not yet settled down" اگرچہ یہ لفظ جرمن میں ''جم کر بیٹھنے'' کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوتا بلکہ نو آباد کاروں (Colonists/Migrants/Pioneers) کے کسی بستی کو بسانے یا ان کے کہیں ''آباد ہونے'' کے معنی رکھتا ہے۔

پروفیسر کرش ہوف نے اگلے چند منٹ تک اقبال کے کئی ایک خطوط کو سرسری نظر سے لیکن بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ ایک خط میں اقبال تحریر کرتے ہیں (مورخہ لندن ۲۱/جنوری ۱۹۰۸ء) کہ ''آپ (یعنی ایما) نے لکھا تھا کہ آپ نے بڑے طوفان سے گذرنے کے بعد اپنی طمانیتِ قلب (Friede=Peace) دوبارہ حاصل کرلی...... آپ جو جی میں آئے کیجیے میں بالکل کچھ نہ کہوں گا اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا۔'' اس پر پروفیسر صاحبہ نے فرمایا انھیں یاد پڑتا ہے کہ ان کے خاندان میں اس بات کا کچھ تذکرہ تھا کہ ایک زمانے میں (شاید ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ) ایما ہندوستان جانا چاہتی تھیں، لیکن ان کے بڑے بھائی کارل نے (جو خاندان کی سربراہی کرتے تھے) ان کو اس دور دراز

ملک میں تنِ تنہا جانے سے منع کردیا تھا۔ بقول پروفیسر کرش ہوف، کارل اپنے بھائیوں میں عمر میں دوسرے نمبر پر تھے۔لیکن سب سے بڑے بھائی امریکا میں آباد ہوگئے تھے۔ چنانچہ کارل، جن کا اٹلی میں ویسٹ انڈیز (West Indies) سے نیشکر اور چقندر (Beetroot) کی چینی درآمد کرنے کا بہت بڑا کاروبار تھا، یورپ میں خاندان کے سربراہ سمجھے جاتے تھے (ہوسکتا ہے کہ مجھے پروفیسر صاحبہ کا بیان سمجھنے میں غلطی لگی ہو یا ۷/اکتوبر ۱۹۸۴ء کے روز تحریر کیے گئے نوٹوں کے لکھنے تک میری یادداشت دھوکا کھا گئی ہو، کیوں کہ ویگے ناسٹ خاندان کے شجرۂ نسب* کے مطابق کارل سب سے بڑے بھائی تھے اور اٹلی میں ٹری اسٹے (Trieste) کے مقام پر آباد ہوگئے تھے، جہاں وہ شکر کا کاروبار کرتے تھے اور بہت دولت مند تھے۔ دراصل جو بھائی امریکا میں جا کر آباد ہوگئے تھے ان کا نام ارنسٹ البرٹ تھا اور وہ اپنے بھائی بہنوں میں پانچویں نمبر پر تھے، یعنی ایما کے فوراً بعد (۱۸۸۲ء میں) پیدا ہوئے تھے اور شکاگو میں بس گئے تھے۔ ہاں، بقول پروفیسر صاحبہ کارل اور ایما ہی دراصل اس خانوادے کا ''دماغ'' (Brains) تھے۔ بہرحال، پروفیسر کرش ہوف کی یادداشت کے مطابق ایما کے بڑے بھائی کارل نے ۱۹۰۸ء کے قریب ایما کو ہندوستان جانے سے روک دیا تھا۔ یہ بات ایک عظیم اچنبھے کو جنم دیتی ہے کہ اگر ایما ویگے ناسٹ اس زمانے میں واقعی ہندوستان پہنچ جاتیں تو اس کا علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن پر کیا اثر ہوتا؟ اس پر مجھے اقبال کا وہ شعر یاد آرہا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں ؎

نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی، میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

(''نالۂ فراق'' آرنلڈ کی یاد میں)

خطوطِ اقبال بنام ایما

پھر پروفیسر ہیلا کرش ہوف نے دوبارہ وہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جس کا انھوں نے ایک ہفتہ پیشتر مجھ سے ٹیلی فون پر ذکر کیا تھا۔ کہنے لگیں کہ ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ ایک پاکستانی شخص جو کوئی سرکاری نمایندہ تھا (پاکستانی سفارت خانہ بون Bonn کا کوئی عہدہ دار؟) ہم سے ملنے آیا۔ چونکہ ایما انگریزی نہ جانتی تھیں، اس لیے میں ترجمانی اور مددگاری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ ایما کو پاکستان

* کتاب کے موجودہ ایڈیشن میں میں نے یہ شجرۂ نسب، بہرۂ دستاویزات میں درج کر دیا ہے۔ (دُرّانی۔ ۷ار ستمبر ۲۰۰۹ء)

آنے کی دعوت دی گئی، لیکن ایک تو وہ کافی ضعیف ہوگئی تھیں (۱۹۶۰ء میں ان کی عمر قریب اکیاسی سال ہوگی) دوسرے وہ انگریزی نہ جانتی تھیں، اس لیے انھوں نے یہ دعوت قبول نہیں کی۔ ہاں میں نے جانے کی کچھ آمادگی ظاہر کی (غالباً ان صاحب نے تکلفاً پروفیسر کرش ہوف سے کہا ہوگا کہ پھر آپ ہی کیوں تشریف نہیں لے آتیں؟) لیکن اس کے بعد مزید کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہم لوگوں نے ایما ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے تمام خطوط اس شخص یا ان اشخاص کو (وہ گاہے بگاہے یوں اشارہ کرتی تھیں گویا یہ ایک نہیں دو آدمی تھے) دے دیے۔ اور مزید برآں ایما کی تمام کی تمام تصویریں بھی ان کے حوالے کردیں (جن میں خود ایما کی تصاویر کے علاوہ علامہ اقبال کی وہ تصویر بھی شامل تھی جو انھوں نے خاص طور سے ایما کے لیے کھنچوا کر بھیجی تھی۔ دیکھیے ان کا خط بنام ایما ویگے ناسٹ مورخہ لندن ۲۰ رجنوری ۱۹۰۸ء)۔ ایما نے بھی ان کو اپنی دو تصویریں بھیجی تھیں جن کا اسی خط میں ذکر ہے۔[۱] اور یہ سب چیزیں اس کے بعد مکمل طور سے غائب ہوگئیں!

میں نے انھیں بتایا کہ خوش قسمتی سے یہ خطوط اس تمام عرصے میں دبے تو رہے ہیں، لیکن ضائع نہیں ہوئے۔ اس کے بعد میں نے ان خطوط کی بازیابی کا سارا قصہ تفصیل سے بیان کیا اور کہا کہ اگرچہ ان خطوط کا اصل متن ابھی تک شائع نہیں ہوا، تاہم کم از کم ان کا ترجمہ میں نے پاکستان کے ایک ادبی رسالے* میں ضرور شائع کردیا ہے۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ اس تمام واقعے سے خاصی آزردہ بلکہ ناراض معلوم ہوتی تھیں، کیوں کہ جیسا کہ جناب ہوبوہم نے اپنے مضمون ''محمد اقبال اور جرمنی-نامہ و پیام دل کا'' میں بیان کیا ہے۔ یہ خطوط دیتے وقت مس ایما ویگے ناسٹ نے بالخصوص درخواست کی تھی کہ ''یہ مجموعہ کسی ایسے تاریخی حفاظت خانے (Archives) میں رکھ دیا جائے جہاں علامہ اقبال کی زندگی اور ان کے کام پر تحقیقات کرنے والے دانش ور ان سے بہرہ یاب ہوسکیں۔'' اس پر میں نے یہ کہا کیا ان کے خیال میں مَیں حق بجانب ہوں گا کہ اصل خطوط کا اصل متن بھی (جو جرمن اور انگریزی زبانوں میں ہے) اپنی کتاب میں شامل کرلوں جو قریب الاشاعت ہے۔ بالخصوص اِن حالات میں کہ جناب امان اللہ ہوبوہم** اب المانوی سفارت خانہ لندن سے تبدیل ہوکر سعودی عرب جاچکے ہیں اور لندن یونی ورسٹی کے School of Oriental & African Studies کی جانب

---

* یعنی ماہنامہ افکار کراچی (دُرّانی، ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

** موصوف کا صحیح نام محمد امان ہوبوم Muhammad Aman Hobohm ہے۔ (دُرّانی۔ ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

سے ان خطوط کے متن پر مشتمل اس کتاب کے چھپنے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے جس کا ہوبوہم صاحب ارادہ کررہے تھے۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے کہا کہ میرے خیال میں تو ایسا کرنا بالکل مناسب ہوگا جب کہ پچھلے پچیّس سال سے یہ خطوط کسی محافظ خانے میں پہنچنے کے بجائے کہیں غائب ہو چکے ہیں، اورتم ان کا ترجمہ شائع کر چکے ہو۔

تو یہ ہے پس منظر میرے اس فیصلے کا کہ میری کتاب اقبال یورپ میں کے اندر ان ستائیس خطوط کے اصل متون بھی بطور ضمیمہ شامل کرلیے جائیں۔ اگرچہ پیشتر ازیں میرا ارادہ صرف خطوط کے تراجم اُس کتاب میں شائع کرنے کا تھا۔ مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے متذکرہ بالا کتاب کا دیباچہ، جس میں مَیں نے لکھا ہے کہ ''چنانچہ پروفیسر کرش ہوف کی اس اجازت کے پیشِ نظر (جو ایک طرح سے Ex Cathedra فرمان ہے۔ یعنی ان خطوط کی مالکۂ اوّل کی قرابت دار خاتون کی اجازت ہے جو اس مجموعے کی Release (عطا) کے وقت موجود تھیں، میں نے مزید غور کے بعد فیصلہ کیا کہ اب ان خطوط کے اصل متون کی اشاعت میرے لیے جائز ہوگی اور ہوبوہم صاحب اب بھی ان کے اصل مخطوطوں یعنی Handwritten Manuscripts کے عکس شائع کرنے کے مجاز و مختار ہیں کہ ان کی الگ اور عظیم تر قدر و قیمت ہے۔ اور سب مداحین اقبال کی آرزو اور ان سے پُرزور درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد ایسا کریں'' (اقتباس از اضافہ جات مورخہ ۳۰، ۳۱/ مارچ ۱۹۸۵ء در دیباچۂ کتاب، مورخہ ۸/ جولائی ۱۹۸۴ء)۔ بطور تذکرہ یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ افسوس کہ مداحینِ اقبال کی یہ آرزو تا حال تشنۂ تکمیل ہی ہے۔ *

ہاں، تو بات میری پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے گفتگو بروز ۲۹/ ستمبر ۱۹۸۴ء کی ہورہی تھی۔ پروفیسر صاحبہ نے کہا کہ ایما کے نام اقبال کے ان خطوط کے پڑھنے کا یہ ان کے لیے پہلا موقع تھا۔ یہ خطوط ذاتی نوعیت کے تھے اور ایما نے اس سے پہلے یہ انھیں نہیں دکھائے تھے۔ میں نے انھیں اس مجموعے کی ایک نقل اشاعت کے بعد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پھر پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں کچھ مزید باتیں بتائیں۔ کہنے لگیں کہ ایما کے جو بھائی اٹلی میں ٹری ایسٹے ** Trieste کے مقام پر رہتے تھے (یعنی کارل) اور جو میرے رشتے کے چچا تھے (یعنی ان کے والد کے عم زاد

---

* اقبال یورپ میں کی طبع ثانی (فیروز سنز لاہور ۱۹۹۹ء) میں مَیں نے ایما کے نام اقبال کے تمام دست نوشتہ خطوط کے عکوس بھی شائع کردیے ہیں۔ (دُرّانی، ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

** انگریزی میں اس شہر کو ''ٹری ایسٹ'' اور اطالوی میں ''ٹری ایسٹے'' بھی پکارتے ہیں۔ (دُرّانی، ۲۶/ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

بھائی) وہ کافی امیر تھے۔ اور مجھے کافی روپیہ پیسہ دیتے رہتے تھے کہ اسے اٹلی میں خرچ کر ڈالو جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی، کیوں کہ جنگ کے دوران اسے ملک سے باہر لے جانا ممکن نہ تھا۔ جرمنی میں میرے پاس پیسہ کم تھا اسی لیے میں ہائیڈل برگ میں ایما اور صوفی کے ساتھ کافی وقت گذارا کرتی تھی، اور یوں بھی جرمنی میں وہ میری قریب ترین رشتے دار تھیں۔ میں ہفتے میں ایک دو بار ضرور ان سے ملنے جاتی تھی۔ میں نے یہاں یونی ورسٹی میں اطالوی اور دیگر جدید زبانوں کی تعلیم حاصل کی (اور شاید لسانیات یعنی Linguistics کی بھی؟) پھر ۱۹۴۰-۴۱ء میں مجھے لیکچر شپ مل گئی اور کوئی دس بارہ سال بعد اپنے مطبوعہ مضامین اور رسائل کی بنیاد پر (On the basis of published work) جسے جرمن زبان میں Habilitation کہتے ہیں، میں نے پی-ایچ-ڈی کی ڈگری حاصل کر لی، جو آخر کار میری پروفیسر شپ پر منتج ہوئی۔

کیا ایما اقبال کی اتالیق تھیں؟

یہاں سے پروفیسر کرش ہوف نے گفتگو جناب ڈاکٹر صدیق شبلی کی طرف موڑی جو چند ماہ قبل ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کے جنوب ایشیائی علوم کے مرکز میں اقبال فیلوشپ کی مدتِ معینہ ختم کر کے واپس پاکستان لوٹے تھے۔ وہ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے اوائل ۱۹۸۴ء (غالباً جنوری) میں ملنے آئے تھے۔ کہنے لگیں کہ شبلی صاحب مُصر تھے کہ ایما ویگے ناسٹ نے اقبال کو لاطینی اور یونانی زبانیں (Latin and Greek) پڑھائی تھیں۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ یہ ناممکن ہے، لیکن وہ نہ مانے۔ بھئی، ایما ایک اچھے پڑھے لکھے خاندان کی رکن ضرور تھی، لیکن اس نے یونی ورسٹی کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ جرمنی میں پہلے پہل لڑکیوں کو یونی ورسٹی میں داخلہ ۱۹۱۰ء کے بعد ملا۔ میں نے کہا، شاید پہلی جنگ عظیم کے بعد؟ کہ انگلستان میں بھی عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا حال کچھ ایسا ہی تھا۔ کہنے لگیں، ہاں یہ تاریخ Check کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایما کے، اقبال کو گریک وغیرہ پڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایما ایک بڑی ذہین لڑکی تھی، سو اس کا اقبال کو گوئٹے اور ہائنے وغیرہ اور جرمن زبان و ادب کا پڑھانا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، لیکن وہ صاحب میری بات ہی نہ سنتے تھے۔ میں نے صدیق شبلی صاحب کی صفائی میں عرض کیا کہ اس سلسلے میں وہ بے چارے غالباً محترمہ عطیہ فیضی کے بیانات کے دھوکے میں آگئے کیوں کہ انھوں نے اپنی کتاب *Iqbal* (by Atiya Begum) میں اسی طرح تحریر کیا

ہے (اور چند مزید بے پر کی ہوائیاں بھی اڑائی ہیں)۔ پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ میں نے اقبال اور مس ویگے ناسٹ کے تعلقِ خاطر کا بھی ان سے ذکر کیا۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ شبلی صاحب اور کئی اور پاکستانی ان چیزوں کو شاید تسلیم نہیں کرنا چاہتے، بلکہ ان کا برا مانتے ہیں اور ایسے حقائق کو مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگیں کہ کیا یہ رویہ مشرقی معاشرے کی اقدار کی نہج پرستی (Conformity to oriental values) پر مبنی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہمارے معاشرے میں عظیم انسانوں کو فرشتہ بنانے کا رجحان ضرور ہے، لیکن خود میں نے پاکستان اور ہندوستان کے حالیہ دورے میں کئی بار یہی کہا ہے کہ ہمیں اقبال کو ایک جیتا جاگتا انسان ہی سمجھنا چاہیے جس کے سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے، نہ کہ اسے ایک فرشتہ یا پتھر کا بے جان مجسمہ تصور کرنا چاہیے (خود علامہ اقبال نے کہا ہے ع

ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

کیا ایک سرد دل انسان دنیا بھر کو تڑپا دینے والی شاعری کر سکتا تھا؟)

پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے کہا کہ شبلی صاحب کے جانے کے بعد میں نے اپنے ایک جاننے والے دانش ور جناب پروفیسر Vermeer صاحب سے بات کی (جو اسی جنوب ایشیائی مرکزِ علوم میں پڑھاتے ہیں اور جن کی بیوی ایک ہندوستانی خاتون ہیں)، اور انھوں نے بھی کہا کہ مشرقی معاشرہ اور اس کی اقدار انسانوں کو جذبات و خواہشات سے عاری ہونے پر اصرار نہیں کرتیں اور نہ ایسی چیزوں کو خارق العادۃ (Extraordinary) قرار دیتی ہیں۔ پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ ایما اور صوفی دونوں نے تمام عمر شادی نہیں کی اور یوں تا دمِ آخر ویگے ناسٹ ہی رہیں۔ ہاں خود میں نے ایک Textile Engineer سے شادی کر لی، جن کا نام Wolfgang Kirchhoff تھا۔ لیکن ان کا ۱۹۵۲ء میں انتقال ہو گیا۔ ہمارے ایک بیٹی پیدا ہوئی (Bettina) جو ایک میڈیکل ڈاکٹر سے بیاہی ہیں (ان کے شوہر کا نام بھی Wolfgang ہے) اور جن کے یہ ننھے بچے Georg اور Regina تم دیکھ رہے ہو (اس مرحلے پر میں نے بچوں کی اور پروفیسر صاحبہ کی کیمرے کے ذریعے تصویریں اُتاریں۔)

ایما کی تصویریں

پھر پروفیسر صاحبہ فرمانے لگیں کہ ۱۹۷۶ء میں جب صوفی ویگے ناسٹ ایک سو سال کی ہوئیں تو

ایک بہت بڑی تقریب منعقد ہوئی۔ ہائیڈل برگ شہر کے میئر بھی اس میں شریک ہوئے اور ہمارے خاندان کے بہت سارے لوگ بھی۔ اس موقع پر میں نے بہت سی تصویریں کھینچیں، جن میں اس تمام گہما گہمی کی اور ہمارے خاندان کے سب لوگوں کی اور بالخصوص صوفی ویگے ناسٹ کی تصویریں شامل ہیں۔ چونکہ یہ ایک بڑی یادگار تقریب تھی اس لیے میرے ہونے والے داماد Wolfgang نے ان تمام تصاویر کو جمع کر کے ان کا ایک البم بنالیا اور اسے اپنی منگیتر (یعنی میری بیٹی) کو تحفے کے طور پر پیش کیا۔ پروفیسر صاحبہ نے بکمال تلطف اس البم میں سے، جسے میں بڑے شوق سے دیکھ رہا تھا، تین عدد تصاویر مجھے عطا کیں۔ ان میں سے دو میں صوفی ویگے ناسٹ مع Birthday cake کے اور ایک میں صوفی اور پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نظر آ رہی ہیں۔ اس تقریب کا حال اور کچھ تصویریں مقامی اخبار میں بھی شائع ہوئی تھیں جو انھوں نے مجھے دکھائیں۔

میں نے دوبارہ ایما ویگے ناسٹ کی تصویر کے بارے میں استفسار کیا کہ بہت سے لوگ ایما کی تصویر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ انھوں نے کہا افسوس تو یہی ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا وہ تمام تصویریں ہم نے پاکستان کے اس سرکاری آدمی کو دے ڈالی تھیں اور اب ہمارے پاس ایما کی کوئی تصویر باقی نہیں ہے۔ لیکن ٹھہرو میں اپنی کزن ایڈتھ (Edith) سے، جو ڈُوسل ڈورف میں رہتی ہیں، فون کر کے پوچھتی ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے ایڈتھ کے پاس ایک پرانی گروپ فوٹو (Family Picture) ضرور ہے، جس میں تمام بھائی بہن یک جا ہیں۔ یہ تصویر ۱۹۴۸ء یا ۱۹۵۰ء میں لی گئی تھی اور اس میں امریکہ والے بھائی سمیت تین بھائی (جو اُس وقت زندہ تھے) اور دونوں بہنیں یعنی ایما اور صوفی موجود ہیں۔ شاید اس تصویر کی ایک کاپی ایڈتھ تمھیں دینے پر تیار ہو جائیں۔ ہاں، ایک اور تصویر ہوا کرتی تھی جس میں ایما اور چند ایک ہندوستانی نوجوان ایک باغ میں یک جا نظر آتے تھے، لیکن ۱۹۷۸ء کے بعد کسی نے ہم سے وہ مجموعہ لے لیا۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس اس وقت صرف ایما کے سب سے بڑے بھائی کارل کی ایک تصویر موجود ہے جو انھوں نے مجھے دکھائی۔ بھورے رنگ کی ایک پرانی سی تصویر جس میں قریب پچاس برس کے ایک صاحب چشمہ لگائے نظر آ رہے تھے جو عنفوانِ شباب میں تو شاید بڑے خوش شکل رہے ہوں لیکن اس تصویر میں ان کے چہرے کے خدوخال کچھ بھرے بھرے اور غیر متاثر کُن سے نظر آ رہے تھے۔

بہر حال باتوں کے دوران ہی پروفیسر کرش صاحبہ نے اپنی ڈُسل ڈورف والی کزن کو ٹیلی فون

کیا۔ یہ ایما کے دوسرے نمبر کے بھائی یعنی ایڈولف وگّے ناسٹ کی بیٹی ہیں (جو کارل سے قریب سوا سال چھوٹے تھے)۔ ان صاحب کا ڈُسل ڈورف میں دھات وغیرہ کی چیزیں بنانے کا بہت بڑا صنعتی کاروبار تھا (یعنی وہ "Industrial Baron" تھے)۔ ان خاتون کا نام ایڈتھ ہے۔ خوش قسمتی سے ایڈتھ گھر پر موجود تھیں۔ پروفیسر کرش ہوف نے کہا "ایڈتھ سنو۔ اس وقت میرے پاس ایک پاکستانی پروفیسر تشریف فرما ہیں۔ یہ بڑے خوش مزاج شخص ہیں۔ یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس اپنی پھوپھی ایما کی کوئی تصویر موجود ہے؟ مثلاً وہ پرانی تصویر جس میں سارا خاندان مجتمع ہے (Family Reunion Photograph)۔ ایڈتھ نے کہا، ہاں وہ تو میرے پاس محفوظ ہے۔ ہیلا کرش ہوف نے کہا تو پھر تم ایسا کرو کہ پروفیسر درّانی کے لیے اس تصویر کی ایک کاپی نکلوا لو۔ اب کہ اقبال اس قدر شہرۂ آفاق اور قابلِ تعظیم (Respected) ہستی بن گئے ہیں، بہت سے لوگ ایما کی تصویر دیکھنے کے خواہش مند ہیں"۔ ایڈتھ نے کہا: اچھی بات ہے۔ میں بخوشی ایسا کرنے پر تیار ہوں۔ ہیلا نے کہا اس صورت میں مَیں درّانی صاحب سے کہوں گی کہ وہ براہِ راست تمھیں خط لکھ کر درخواست کریں اور تمھیں اپنا صحیح پتا وغیرہ لکھ دیں تاکہ تم اس تصویر کی ایک کاپی انھیں ڈاک سے بھیج دو۔ ایڈتھ نے کہا: بہت خوب۔[۲]

ہائیڈل برگ میں مسز کرش ہوف کے ساتھ میری گفتگو تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔ میں نے ان سے ذکر کیا کہ ہفتۂ گذشتہ کے دوران میں نے میونخ میں علامہ اقبال کے اس مکان کی زیارت بھی کی تھی، جہاں وہ ۱۹۰۷ء میں مقیم تھے (یعنی 41 Schelling Strasse)۔ میں نے انھیں بتایا کہ کیسے جون ۱۹۸۲ء میں میں نے علامہ کے اس تحقیقی مقالے کا کیمبرج یونی ورسٹی میں سراغ لگایا تھا جو انھوں نے مارچ ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی-اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخل کیا تھا اور جس کی بنیاد پر چند ماہ بعد (نومبر ۱۹۰۷ء میں) انھیں میونخ یونی ورسٹی سے پی-ایچ-ڈی کی ڈگری بھی عطا ہوئی تھی۔ اس وقت میرے پاس اس مقالے کے مطبوعہ Version کا وہ نسخہ موجود تھا جو میں نے ماربرگ یونی ورسٹی جرمنی سے حاصل کیا تھا۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے اسے بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھا اور کہنے لگیں کہ مجھے فلسفے اور تمدنیات کے ساتھ بڑا لگاؤ ہے۔ اگرچہ میرا خاص میدان ادبیات اور لسانیات اور ان کی ساخت یعنی Linguistics ہے۔ پھر میں نے پروفیسر کرش ہوف کو عطیہ فیضی کی کتاب اقبال *Iqbal's Letters to Atiya Begum* * کا وہ ترجمہ دکھایا جو جناب عبدالعزیز خالد نے کیا ہے اور جو میں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ انھوں نے اس کی بھی ورق گردانی کی اور بہت سے جرمن الفاظ کی تصحیحاتِ

---

* اس کتاب کا صحیح عنوان *IQBAL* (by Atiya Begum) ہے۔ (دُرّانی، ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

املا (Spelling Corrections) اس میں اپنے قلم سے نشان زد کیں جو غالباً عطیہ فیضی سے (جو جرمن زبان نہ جانتی تھیں) سرزد ہوئی تھیں۔ میں نے ان سے استفسار کیا کہ آیا انھیں بعض ایسے اشخاص کے بارے میں کوئی معلومات ہیں، جن کا عطیہ فیضی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے مثلاً Frau Professor Seneschal اور Fräulein Kädernatt یا Herr Metztroth*۔ لیکن انھوں نے کہا کہ وہ ان ناموں سے ناواقف ہیں۔ مگر کہنے لگیں کہ اس زمانے میں کوئی عورت یونی ورسٹی میں پروفیسر نہ ہوتی تھی اس لیے مس یا مسز سینیشال (Seneschal) کو پروفیسر کہنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی طرح اقبال نے اپنے خطوط میں "Frau Professor" (پروفیسر بیگم صاحبہ) کا جو ذکر کیا ہے تو یا تو انھوں نے ہائیڈل برگ میں "Pension Scherrer" کی نگران خاتون کو ازراہِ ادب یہ لقب دیا ہے (وہ وہاں طلبہ کو غالباً جرمن زبان و ادب کی تعلیم بھی دیتی ہوں گی) یا ہوسکتا ہے کہ وہ پروفیسر شیرر صاحب کی بیگم ہوں۔** انھوں نے کہا کہ اس بات کی تصدیق ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کے پرانے ریکارڈ سے کی جاسکتی ہے کہ اس زمانے میں کون پروفیسر کس مضمون کی تعلیم دے رہے تھے اور اقبال نے کن پروفیسروں سے تعلیم پائی تھی۔ میں نے کہا کہ میرے خیال میں اقبال دراصل ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کے طالب علم نہیں تھے، صرف اس شیرر منزل میں، جسے وہ بعض اوقات ''ہائیڈل برگ اسکول'' بھی کہتے تھے، چند ہفتوں کے لیے زبان سیکھنے کے لیے ٹھہرے تھے۔ اس سلسلے میں مَیں نے انھیں جناب محمد امان ہوبوہم کا وہ مضمون بھی دکھایا جس کا (میرا کیا ہوا) ترجمہ بعنوان ''محمد اقبال اور جرمنی...... نامہ و پیامِ دل کا'' چھپا ہے۔*** پروفیسر کرش ہوف کہنے لگیں اس سلسلے میں کچھ مزید تحقیق کر کے میں تمھیں اطلاع دوں گی۔

گفتگو کافی طویل ہو رہی تھی، اس لیے میں نے ان کا بے حد شکریہ ادا کر کے اجازت چاہی۔ فرمانے لگیں: ''چائے یا کافی تو پی کر جاؤ''۔ لیکن میں نے کہا کہ میں ان کا مزید وقت لینا نہیں چاہتا، چنانچہ ان کی اور ان کے دختر زادوں (Grandchildren) کی تصویریں کھینچنے کے بعد ان سے رخصت چاہی، تو کہنے لگیں کہ میں اب ان بچوں کو ان کی ماں کے یہاں چھوڑنے جا رہی ہوں اور اگر تم چاہو تو میرے

* ان صاحب کے نام کے صحیح ہجے Metzroth ہیں۔ (دُرّانی، ۲۶ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

** جرمنی میں پروفیسر کی بیوی کو تعظیماً ''فراوٗ پروفیسر'' پکارتے ہیں۔ اگر کوئی خاتون خود پروفیسر ہوں اور شادی شدہ بھی ہوں تو وہ (مثلاً) ''پروفیسر فراوٗ شیرر'' کہلائیں گی۔ (دُرّانی، ۲۶ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

*** دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں (اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۵ء) کا مضمون نمبر ۸ (دُرّانی، ۲۱ر اپریل ۲۰۰۷ء)

ساتھ کار میں آجاؤ اور میں راستے میں تمھیں ایما اور صوفی کے وہ دونوں مکانات دکھا دوں گی جہاں وہ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے عشروں میں مقیم تھیں۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، چنانچہ میں نے بصد امتنان ان کے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کی۔

جب ہم مکان سے باہر نکلے تو پروفیسر کرش ہوف نے کہا جب میں ۱۹۳۸ء میں ہائیڈل برگ میں تعلیم حاصل کرنے آئی تو دراصل میں اپنے اس موجودہ مکان کے ساتھ والے مکان ہی میں یعنی 17 Ziegelhäuser Landstrasse میں بطور طالب علم مقیم تھی اور اب بھی یہ ساتھ والا مکان امریکی اور دوسرے غیر ملکی طلبہ کی اقامت گاہ ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ کئی ایک طالب علم اس مکان کے چھجوں اور Balconies پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ یہ سب مکانات بالکل لب دریا سڑک کے اِس پار واقع تھے۔ اور ان کے روبرو خوب صورت درخت، بوقلموں جھاڑیاں، دریا کے پُرسکون پانی کی جھلملاتی سطح اور اس پر رواں دواں بجرے، اُس کے آر پار قدیمی پل، دریا کے دوسری جانب سیکڑوں سال پرانے مکانات، گرجے اور ان کے دلکش سبز تانبے کے کلس، دریا کے پچھواڑے فرازِ کوہ پر محوِ خواب حویلیاں اور ان کے عقب میں ہائیڈل برگ کے قدیم قلعے (Schloss) کے دلکش کھنڈرات...... یہ سب مل جل کر ایک ناقابلِ فراموش نظارہ پیش کررہے تھے اور ان مکانوں میں مقیم خوش قسمت طلبہ ایک طلسمی منظر کا حصہ نظر آتے تھے جس کی مثال دنیا کی کم ہی یونی ورسٹیوں میں ہوگی۔

نوجوان اقبال جس مکان میں رہتے تھے (اور جو اس جگہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے) وہاں سے یہی دلکشا منظر ان کے لیے بہجتِ روح کا باعث ہوا کرتا ہوگا۔ اور یہ انھی مناظر کے تاثر کا فیضان تھا جس کے ماتحت انھوں نے اپنی وہ بے حد حسین و جمیل نظم لکھی جو بالکل گوئٹے کے انداز میں ہے یعنی ''ایک شام'' (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ، کے کنارے پر)۔ اور یہ انھی حسین مناظر کی یاد تھی جن کے بارے میں انھوں نے ایما ویگے ناسٹ کو اپنے ایک خط (مورخہ لندن ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں سال ہا سال کے بعد لکھا تھا کہ ''میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کرسکوں گا، جب آپ نے مجھے گوئٹے کا ''فاوسٹ'' پڑھایا...... وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے!...... میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ میں ہائیڈل برگ آؤں اور آپ سے اِسی پرانے مقام پر ملاقات کروں۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے۔''

ایما اور صوفی کی قدیم قیام گاہیں

معاف کیجیے میں اپنے موضوع سے کچھ بھٹک گیا ہوں۔ بات ۲۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کی ہو رہی تھی نہ کہ اگست، ستمبر ۱۹۰۷ء کی۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے مجھے اور اپنے نواسے نواسی کو کار میں بٹھایا (جو فوراً سو گئے) اور وہ اپنی صاحبزادی Bettina کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں، لیکن ہماری پہلی منزلِ مقصود ایما اور صوفی ویگے ناسٹ کی قدیم قیام گاہوں کی زیارت تھی۔ ہم پہلے Mozart Strasse 5 کے بالمقابل رُکے جہاں یہ دونوں بہنیں ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ منتقل ہوئیں۔ یہ ایک بڑا خوب صورت مکان ہے جو بوقلموں اشجار میں گھرا ہوا بڑے ہی پرسکون و دلکشا گرد و نواح کے درمیان پرانی یادوں میں کھویا ہوا سا نظر آتا تھا۔ میں نے اس کی چند تصویریں اُتاریں۔ اسی مکان میں ایما ویگے ناسٹ نے اکتوبر ۱۹۶۴ء میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ پھر ہم Steuben Strasse پہنچے جو پہلے مکان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔ یہاں ۱۴ نمبر کے مکان میں ایما اور صوفی ایک عرصے تک مقیم رہی تھیں۔* اقبال نے اپنے ایک خط (مورخہ لندن ۱۲؍ دسمبر ۱۹۳۲ء) میں ایما سے یہی پوچھا کہ آیا آپ اب تک Stauben Str. 14 ہی میں مقیم ہیں۔ یہ مکان دوسری جنگ عظیم میں تباہ ہوگیا تھا اور اب ازسرِ نو تعمیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے برابر میں دونوں طرف کے مکانات (یعنی نمبر ۱۶، ۱۲) کسی قدر پرانے نظر آتے ہیں۔ اس گلی میں بھی خوب صورت درخت جلوہ افروز تھے۔ میں نے یہاں بھی ایک دو تصویریں کھینچیں۔

ان مکانات کی زیارت کے بعد پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ میں تمھیں کسی ٹریم اسٹاپ کے پاس اُتار دیتی ہوں تاکہ تم واپس اپنے مکان (یعنی سنگھوی صاحب کی قیام گاہ) کو جا سکو۔ راستے میں وہ میرے ساتھ سائنس کے بارے میں بات کرتی رہیں۔ انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ میں نیوکلیر فزیسسٹ (Neuclear Physicist) ہونے کے باوصف ادب اور تاریخِ تمدنیات میں اس قدر دلچسپی رکھتا ہوں۔ میں نے ''گرم تابکاری'' (Thermoluminescence) اور اس کے اطلاقات (Applications) پر کچھ روشنی ڈالی، مثلاً اس کے ذریعے قدیم اشیا کی عمر معلوم کرنا اور مٹی کے برتنوں، مجسموں Terracotta Figurines اور عجائب خانوں میں رکھے ہوئے Porcelain وغیرہ کے نمونہ ہائے

---

* اب جیسا کہ اقبال یورپ میں کی طبع ثانی (فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۹ء) میں مَیں نے لکھا ہے، ایما کے نام خطوطِ اقبال کے لفافوں سے معلوم ہوا ہے کہ صحیح پتا دراصل Steuben Str. 12 تھا۔ (دُرّانی، ۱۹؍ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

ہنر (Objets d'art) کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ آیا وہ واقعی ازمنۂ قدیمہ کے باقیات ہیں یا جعلی نقلیں ہیں۔ انھوں نے یہ تمام ماجرا بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا۔ اس دوران میں ہم ایک ٹریم اسٹیشن کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے ان کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اس قدر وقت میرے لیے وقف کیا اور اتنی اہم اور نادر معلومات مجھے مہیا کیں۔ میں نے کہا میں گھر پہنچ کر انھیں اور مسز ایڈتھ شمٹ وِیگے ناسٹ کو انگلستان سے بالضرور خط لکھوں گا (اور میں نے اس وعدے کو ایفا کیا)۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں اگلے روز مسز ایلسا وِیگے ناسٹ سے ملنے والا ہوں جنھوں نے دراصل مجھے ان کا (یعنی پروفیسر کرش ہوف کا) پتا دیا تھا۔

چند لمحے، دریائے نیکر کے کنارے

جب پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے مجھے ایک ٹریم اسٹیشن پر اُتارا تو میں انھیں خدا حافظ کہہ کر ٹریم کے ذریعے شہر کے مرکزی حصے میں اُترا جہاں بسمارک چوک (Bismarck Platz) میں بسوں اور ٹریموں کا اڈہ ہے۔ وہاں چائے وائے پی کر اور کچھ نان کباب نما چیزیں کھا کے تازہ دم ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ ابھی تو سہ پہر کے ساڑھے تین چار بجے ہیں۔ گھر جانے کے بجائے کیوں نہ دریائے نیکر کے ''اقبال کنارے'' (Iqbal-Ufer) اور ان کی پرانی قیام گاہ کا نظارہ کیا جائے۔ چنانچہ میں بس لے کر دوبارہ Neuenheimer Landstrasse کی شاہراہ پر پہنچ گیا۔ یہ لبِ دریا پر واقع بہت کافی لمبی سڑک ہے۔ میں اس پُر بہار درختوں سے گھرے ہوئے خیابان میں قریب ایک میل کی مسافت طے کرنے کے بعد نمبر ۵۸ تک پہنچا جہاں علامہ ۱۹۰۷ء میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ یہ ایک بہت دلکش مکان ہے۔ میں نے اس مکان کی چند ایک تصویریں کھینچیں، جس میں ایک بڑے پر تپاک نوجوان المانوی جوڑے نے میری مدد کی جو عین اس مکان کے سامنے، جس پر علامہ اقبال کی انتسابی تختی نصب ہے، ایک کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں ایک پُل کے ذریعے دریا کو پار کر کے دوسرے کنارے پہنچا اور خراماں خراماں (لیکن کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد) درختوں، جھاڑیوں اور گُل بوٹوں سے آراستہ اس حسین خطے تک پہنچا جو اب ''اقبال کنارہ'' کہلاتا ہے۔ (اس کنارے کی ''رسمِ تسمیہ'' کی تفصیلات میں اس مضمون میں آگے چل کر پیش کروں گا۔) بہرحال، اقبال کنارے پر دیر تک چہل قدمی کرنے اور اس خوش منظر خطے کے حسن سے آنکھیں منور کرنے کے بعد

میں تھکا ہارا شام کے ساڑھے سات بجے جناب سنگھوی صاحب کے دولت خانے پر پہنچا جہاں میں مقیم تھا اور یوں ایک یادگار دن ختم ہوا۔

اگلے روز (اتوار ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء) میری ممیری بہن شہناز درّانی اور ان کے المانوی شوہر کارل ہائنز برن ہارٹ (Karlheinz Bernhardt) ڈارم شٹاٹ (Darmstadt) کے شہر سے اپنی کار کے ذریعے ہائیڈل برگ میں ہمارے یہاں پہنچے۔[۳] جناب سوئسلر سے صبح کے گیارہ بجے ملاقات کا وقت مقرر ہوا تھا۔ انھوں نے اس سے ایک روز پیشتر جب میں نے انھیں ٹیلی فون کیا تو یہ کہا تھا کہ وہ مصروفیات کی بنا پر صرف چند منٹ ہی ہمیں دے سکیں گے۔ ہم وقت مقررہ پر ان کے مکان یعنی 58 Neuenheimer Landstrasse پر پہنچے تو جناب سوئسلر (Herr Hans Hellumth Zwissler) نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا۔ یہ حضرت ایک خوش رُو، سرخ و سفید، ہنس مکھ انسان نکلے جو قریب اڑسٹھ سال کی عمر کے تھے۔ کہنے لگے کہ میری بیگم (جن کا نام Gisela ہے) ان دنوں میونخ میں ہیں، جہاں وہ رہنمایانِ سیاحت (Tourist Guides) کی تربیت پر مامور ہیں۔ دراصل ایک روز قبل جب ان سے میری (جرمن زبان میں) ہاتفی گفتگو (Telephonic conversation) ہوئی تھی تو میں غلطی سے سمجھا تھا کہ ان کی بیگم علیل رہی تھیں (حالانکہ وہ خود علیل تھے۔) اور اس سے اگلے روز یعنی اتوار کو گھر واپس آنے والی تھیں۔ چنانچہ مجھے کچھ مایوسی ہوئی کہ بیگم سوئسلر وہاں موجود نہ تھیں۔

بہرحال جناب سوئسلر نے ہمیں اپنے دارالمطالعہ میں بیٹھنے کی دعوت دی، جو کتابوں سے معمور تھا۔ یہ کمرہ ان کے بڑے مزیّن ڈرائنگ روم سے ملحق تھا اور یہ دونوں کمرے صاحبانِ خانہ کی خوش مذاقی اور زیورِ تعلیم سے آراستگی کی شہادت دے رہے تھے۔ جناب سوئسلر ایک ریٹائرڈ ٹیکسٹائل افسر تھے جو ایک عرصے تک صنعتی تجارت میں ملازم رہ چکے تھے (ان کے پاس Diplom Volkwirt یعنی ایم اے اقتصادیات کی ڈگری تھی)۔ میں نے انھیں ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ مکس پلانک انسٹی ٹیوٹ (Max-Planck-Institut) کی لائبریرین خاتون، بیگم Schütze نے کچھ عرصہ پیشتر ان سے میری ملاقات کی خواہش کی اطلاع انھیں دے رکھی تھی۔ میرے برادرِ نسبتی نے اب میرا تعارف ان سے یوں کیا کہ یہ پروفیسر دُرّانی ہیں جو اقبال اکیڈمی (یو۔کے) کے چیئرمین ہیں (جو دراصل صحیح نہ تھا لیکن کافی کارگر ثابت ہوا)[۴] زیادہ تر گفت و شنید جرمن زبان ہی میں ہوئی اور کارل ہائنز صاحب نے مترجم کے فرائض ادا کیے۔

اوّل اوّل سوئسلر صاحب نے فرمایا کہ وہ علامہ اقبال اور اس مکان کے تاریخی پس منظر سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں، لیکن بتدریج وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ ان موضوعات پر گفتگو کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ یہ مکان پہلے پروفیسر Scherrer کی ملکیت میں تھا (واضح رہے کہ اسی لیے اقبال نے اپنے خطوط بنام مس ویگے ناسٹ میں کئی مرتبہ اس مکان کو ''شیرر منزل'' Pension Scherrer کے نام سے پکارا ہے۔[۵] جب ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ پروفیسر صاحب کا انتقال ہوا تو میری بیوی کے والدِ محترم نے یہ مکان ان کے ورثا سے خرید لیا۔ اُس وقت یہ مکان بڑی خستہ حالت میں تھا اور میرے خسر نے اس کی مرمت اور تعمیر پر بہت کافی روپیہ خرچ کیا۔ پھر جب ۱۹۵۳ء کے لگ بھگ میرے خسر کا انتقال ہوا تو آدھا مکان میری بیوی کے نام آیا اور میں نے اپنی جیب سے مزید رقم صرف کر کے مکان کا باقی حصّہ بھی خرید لیا اور یوں اب یہ مکان تمام و کمال ہماری ملکیت میں ہے۔ اس وقت سے ہم نے اس مکان کی مرمت اور تزئین و تہذیب پر بہت کافی روپیہ خرچ کیا ہے۔ یہ مکان تین منزلہ ہے۔ پہلے زمانے میں اس کی بالائی منزل پر طلبہ قیام رکھا کرتے تھے۔

سوئسلر صاحب نے کہا کہ شروع میں یہ معلوم نہ تھا کہ اقبال ہائیڈل برگ میں کب اور کہاں ٹھہرے تھے (اگرچہ عطیہ فیضی کی کتاب اور اب مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط سے اس مدت کا تعین قریب ۲۰؍جولائی ۱۹۰۷ء سے قریب ۱۲؍اکتوبر ۱۹۰۷ء تک کیا جاسکتا ہے*) لیکن بقول سوئسلر صاحب، یہ ایما کی ہمشیرہ صوفی (Sofie) تھیں جنھوں نے آج سے کوئی بیس برس پہلے اس سڑک پر گزرتے ہوئے یہ مکان دیکھ کر کہا کہ ''یہ ہے وہ گھر جس میں اقبال رہا کرتے تھے!''

سوئسلر صاحب کی شکایات

پھر سوئسلر صاحب مزید یوں گویا ہوئے کہ اب تو بہت سے لوگ، بالخصوص پاکستانی طالب علم، اس مکان کی زیارت کو آتے ہیں اور مجھ سے علامہ اقبال اور ان کی اس مکان سے وابستگی کے بارے میں پوچھتے ہیں، لیکن میں اقبال کے بارے میں بالکل کچھ نہیں جانتا۔ ایک مرتبہ جناب سفیرِ کبیر پاکستان یہاں تشریف لائے تھے اور ان کے ساتھ ان کا بہت سا سرکاری عملہ بھی تھا۔ ان سب اصحاب

* لیکن، چوں کہ اقبال نے پی-ایچ-ڈی کی ڈگری کے لیے اپنی درخواست مورخہ ۲۱؍جولائی ۱۹۰۷ء کو داخلِ دفتر کر دی تھی (رک- دستاویز ۱، ص ۱۵۵) اس لیے اب میرا یہ خیال ہے کہ وہ لندن سے اولاً مورخہ اور اُس کے چند روز بعد ہائیڈل برگ، پہنچے ہوں گے۔ (دُرّانی، ۲۰؍اکتوبر ۲۰۰۲ء)

نے وعدہ کیا اور اس کے بعد اوروں نے بھی وعدے کیے کہ وہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال کے بارے میں پوری معلومات بھیجیں گے لیکن آج تک کسی نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ صرف ایک چیز آج تک میرے ہاتھ آئی ہے اور وہ پروفیسر این میری شمل کے ایک مضمون کی نقل (Reprint) ہے جو ایک پاکستانی طالب علم نے مجھے بھیجا تھا (اور جواب ان کی فائل میں محفوظ تھا)۔

ایک مرتبہ میں پی آئی اے کے ذریعے ماسکو سے فرینکفرٹ کا سفر کر رہا تھا (جن دونوں روس کو صرف یہی ہوائی لائن جایا کرتی تھی) کہ ان کے ایک رسالے میں علامہ اقبال پر ایک مضمون میری نظر سے گزرا۔ میں نے ایر ہوسٹس سے پوچھا کہ کیا میں یہ رسالہ ساتھ لے جا سکتا ہوں؟ کہنے لگی: نہیں، اس کی اجازت نہیں ہے (میری حکومت پاکستان سے اور بالخصوص بون کے پاکستانی سفارت خانے سے پُر زور استدعا ہے کہ وہ اس کمی کو فی الفور پورا کرے تا کہ بے چارے سوئسلر صاحب کا یہ گلہ دُور ہو۔ وہ ہماری قوم کی خاطر بہت کام کر رہے ہیں۔)

کہنے لگے کئی مرتبہ پاکستانی طلبہ یہاں آتے ہیں اور میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں (یا ٹیلی فون پر بحث کرتے ہیں) کہ دیکھیے صاحب اس انتسابی پتھر کا نچلا حصّہ باد و باراں کی بدولت گھستا چلا جا رہا ہے، تحریر دھیمی پڑتی جا رہی ہے۔ آپ اس کی مرمت کیوں نہیں کراتے؟ لیکن میں ان سے کہتا ہوں کہ ان باتوں میں میری ہرگز کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ آپ اپنی حکومت سے کہیے۔ پھر فرمانے لگے کہ دراصل بلدیۂ ہائیڈل برگ کے شعبۂ تعمیر (City Architect's Office) نے گھٹیا ترین پتھر اس تختی کے لیے استعمال کیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ دراصل ہمیں اس انتسابی تختی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم یہ پتھر صرف اس لیے نصب کر رہے ہیں کہ بون (Bonn) کی وفاقی حکومت نے ہمیں ایسا کرنے کی ہدایت کی ہے۔ (سوئسلر صاحب کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جب ستمبر ۱۹۷۹ء میں مَیں نے یہ تختی دیکھی تھی اور اس کی تصویر کھینچی تھی تو اس وقت ساری تحریر بڑی واضح تھی* لیکن اب ستمبر ۱۹۸۴ء میں تحریر کافی دھندلی ہو چکی تھی اور کہیں کہیں سے پتھر کی سطح اور اس پر منقش لکھائی جھڑ چکی تھی اور جھڑ رہی تھی۔)

سوئسلر صاحب نے اپنا شکوہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ چند برس ہوئے ایک معمار نما شخص ایک

---

* دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۵ء) کے مضمون میں اس تختی کی تصویر (دُرّانی، ۲۱/اپریل ۲۰۰۷ء)

دھاتی پلیٹ میرے مکان کی دیوار پر آویزاں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے کہا، میاں یہ کیا کر رہے ہو اور آخر کس لیے؟ اس نے جواب دیا کہ کچھ پاکستانی طالب علموں نے مجھے رقم دی ہے کہ دھات کی ایک یادگاری تختی تیار کروں اور یہاں آ کر لگا دوں۔ میں نے اسے قطعاً منع کر دیا۔ پھر کچھ عرصے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی میرے مکان کی دیوار سے ایک بڑا سا پتھر اکھاڑ کر لیے جا رہا ہے۔ میں نے کہا۔ ارے بھائی کیا تم اس مکان میں کوئی گیراج تعمیر کرنے کی کوشش کر رہے ہو یا کچھ اور ارادہ ہے؟ کہنے لگا: نہیں جناب مجھے حکم ملا ہے کہ علامہ اقبال کی ایک 'پتھریلی' یادگار (A Stone Memorial to Iqbal) یہاں قائم کروں۔ میں نے کہا: جنابِ والا! ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریے، میں ایسی کسی یادگار کی اجازت نہیں دینے کا۔

پھر سوئسلر صاحب نے اس مکان کے بارے میں کچھ مزید تفصیلات بیان کیں۔ کہنے لگے یہ ایک بہت بڑا مکان ہے۔ پہلے پہل اس کے اندر ایک بہت بڑا زینہ (Staircase) تھا جو، اب موجود نہیں ہے (یا اس کے بجائے اب اور سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں)۔ یہ زینہ اوپر کی منزل کو جاتا تھا جہاں پہلے طلبہ رہا کرتے تھے (اور جہاں اب ان کی صاحبزادی قیام پذیر ہیں)۔ نچلی منزل میں بھی ہم نے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں، جہاں اب ایک دندان ساز اپنے خاندان سمیت مقیم ہے۔ اس زیریں منزل (Ground Floor) کا باہر کا دروازہ نقش و نگار سے مزین بڑی خوبصورت لکڑی کا ہے اور اپنی پرانی اور اصل صورت میں (Original) ہے۔ (میں نے بعد ازاں اس خوب صورت دروازے کی تصویر اُتاری۔)

سوئسلر صاحب نے بتایا کہ دو تین سال ہوئے انھوں نے تمام مکان کی اور اس کے بازو میں واقع Dining Annex (یعنی الحاقی یا مستزاد دارالطعام) کی بڑے پیمانے پر مرمت اور تزئینِ نو کی ہے۔ اس طعام خانے میں پرانے زمانے میں طالب علم کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب یہ مرمت ہو رہی تھی اور اس دوران دیوار کے چند شہتیروں پر سے پرانا پلاسٹر اکھاڑا گیا تو پتا چلا کہ اس کے نیچے کئی زبانوں میں مختلف طالب علموں نے اپنے نام کھود رکھے تھے۔ کچھ عربی میں تھے، کچھ جاپانی میں اور کچھ ہندی سنسکرت میں۔ انھی ناموں میں بقول جنابِ سوئسلر، اقبال کا نام بھی تھا۔ پھر ان شہتیروں کے اوپر سوئسلر صاحب نے دوبارہ پلاسٹر چڑھا دیا تھا۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ بڑی دلچسپی کا باعث ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مکان کے ساتھ علامہ اقبال کا تعلق اب بھی قائم اور محفوظ ہے۔

ہماری بات چیت کے بعد سوئسلر صاحب نے ہمیں بڑے مکان کے مختلف حصے دکھانے کے علاوہ بازو

کا طعام خانہ بھی دکھایا۔ اگر مکان کے باہر کھڑے ہو کر آپ مکان پر نظر ڈالیں (جب کہ دریائے نیکر آپ کی پشت پر ہو) تو یہ طعام خانہ مکان کے دائیں ہاتھ پر ہوگا۔ یہ بڑے سائز کا ہے، اگرچہ اس کی ساخت نسبتاً سادہ تھی جیسے کسی دیہاتی Farm House کا دالان (Hall)۔ دیواریں جو شاید اینٹوں اور شہتیروں کی بنی ہوئی تھیں (جیسے Stratford upon Avon میں ٹیوڈر زمانے کی عمارتیں)، ان پر گچ اور چونے کا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ میں نے اس طعام خانے کی کچھ تصویریں بھی لیں اور سوئسلر صاحب نے اشارے سے بتایا کہ کس مقام پر اقبال کے دستخط نظر آتے تھے۔

بعض متفرق اور اہم معلومات

مکان کے مختلف حصوں کا معاینہ کرنے سے پہلے جب اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں تو میں نے سوئسلر صاحب سے پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے اپنی روزِ گذشتہ کی ملاقات کا ذکر کیا، اور علامہ اقبال کے ایما اور صوفی ویگے ناسٹ کے ساتھ تعلقات پر کچھ روشنی ڈالی۔ اور پھر انھیں صوفی ویگے ناسٹ کی سویں (100th) سالگرہ کی وہ تصویریں دکھائیں جو پروفیسر صاحبہ نے مجھے دی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ ان میں جو میئر نظر آرہے ہیں، وہ لارڈ میئر (Lord Mayor) نہیں تھے شاید دوسرے یا تیسرے مرتبہ کے میئر ہوں گے کیوں کہ وہ اس زمانے کے لارڈ میئر صاحب کو جانتے تھے۔ خود ان کے صاحبزادے بلدیہ کے ملازم ہیں اور شہر میں ان دنوں جو میلہ (Carnival) لگا ہوا ہے وہ اس کے سربراہ ہیں (سوئسلر صاحب ہماری ملاقات کے بعد وہیں جانے والے تھے کہ اتوار کے میلے کی بہار دیکھیں)۔ وہ کہنے لگے کہ جب قریب بیس برس پہلے صوفی ویگے ناسٹ نے اس مکان کی نشان دہی کی تو میں نے شہر کے افسرانِ متعلقہ سے رجوع کیا کہ اس صدی کے اوائل میں یہاں کون لوگ رہا کرتے تھے، لیکن کچھ پتا نہ چل سکا (اگرچہ اس سے پہلے سوئسلر صاحب کہہ چکے تھے کہ میں اُن دنوں اقبال کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا)۔ مگر بعد ازآں جب بون (Bonn) والوں نے یہاں انتسابی تختی لگانے کی خواہش ظاہر کی تو شہر کے دستاویز خانے (City Archives) سے پوچھ گچھ کی گئی اور انھوں نے واقعی وہ رجسٹر ڈھونڈ نکالا جس میں یہاں رہنے والے طلبہ کے نام درج تھے، بلکہ کچھ تصویریں بھی مل گئیں جن میں کئی ایک ہندوستانی طلبہ (اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مس ویگے ناسٹ اور چند اور اساتذہ (Tutors) وغیرہ) نظر آتے تھے...... یاد رہے کہ فقیر سیّد وحید الدین کی

کتاب Iqbal in Pictures مطبوعہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھی ایک ایسی تصویر موجود ہے۔ بلکہ وہ لوگ عین اسی طعام خانے کے سامنے کھڑے ہیں جس کا اوپر ذکر آیا اور جس کا فرانسیسی دریچہ نما دروازہ (French Window) میری کھینچی ہوئی تصویر اور سیّد وحید الدین والی تصویر میں ہو بہو یکساں نظر آتا ہے۔ مؤخر الذکر تصویر میں (جس کا عنوان ہے: 1907-Heidelberg: Iqbal with his landlady and fellow Lodgers) ایک عمر رسیدہ خاتون کرسی پر بیٹھی ہیں اور شاید یہ وہی Frau Professor (پروفیسر صاحبہ) ہیں جن کا اقبال نے مس ویگے ناسٹ کے نام خطوط میں بار بار ذکر کیا ہے...... برسبیل تذکرہ میں یہ کہتا چلوں کہ میری برمنگھم واپسی کے بعد نومبر ۱۹۸۴ء میں پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے ازراہِ کرم ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کی موسمِ گرما ۱۹۰۷ء کی ششماہی ٹرم کے ''اعلان نامۂ دروس'' Anzeige der, Vorlesungen (Sommer Halbjahr 15 April) 1907 یعنی Announcement of Lectures For Summer Half Year April 15 1907 کا ایک منتخب حصّہ مجھے ارسال کیا جس کا انھوں نے ۲۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کی ملاقات کے دوران وعدہ کیا تھا (اور یہ تجویز خود انھوں نے کی تھی)۔ اس ''یونی ورسٹی کے کیلنڈر کے کلیۃ الفلسفہ (Philosophische Fakultät = Faculty of Philosophy) کے ماتحت صفحہ ۳۷ پر Nichtetat Mässige Professoren یعنی ''عارضی پروفیسرانِ اضافی'' (Non-Permanent Associate Professors) میں دوسرے نمبر پر یہ اندراج نظر آتا ہے۔ Professor Scherrer: Entwicklungsgeschichte der Menschheit,1 (یعنی تاریخ ارتقائے انسانیت، حصۂ اوّل) اور پھر Wohnungen der Dozenten (=Lodgings of University Teachers) یعنی اساتذہ کے مکانات کے پتے (Sommer-Semester 1907) (سمر سیمسٹر ۱۹۰۷ء) کے عنوان کے تحت صفحہ ۴۳ پر پروفیسر شیرر کا پتا یوں درج ہے:

Scherrer Prof., Neuenh. Landstr. 52

جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر شیرر[۲] خود اس سڑک (Neuenheimer Landstrasse) کے نمبر ۵۲ پر مقیم تھے جب کہ یہ مکان (نمبر ۵۸) جو انھی کی ملکیت میں تھا، غیر ملکی طلبہ کے اقامت خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

ہوسکتا ہے کہ پروفیسر اور بیگم شیرر کی رہائش اور نمبر ۵۸ سے ان کے تعلقات کے بارے میں ہم مزید معلومات پروفیسر شیرر کے ورثا سے حاصل کرسکیں جن میں سے ایک کا پتا سوئسلر صاحب نے مجھے

مہیا کیا تھا۔ (جہاں تک مجھے یاد ہے) وہ پروفیسر شیرر کی شادی شدہ صاحب زادی ہیں جو خود ایک وکیل (Solicitor) ہیں اور جن کا پتا یوں ہے:

Hanneliese Ecker- Scherrer, Breslauer Strasse 37C, 75 Karlsruhe-Waldstadt (W. Germany)

اسی طرح انھی خاتون کی ایک کزن Mrs Elsie W.Hayden ہیں، جو امریکا میں آباد ہیں، ان کا ۱۹۶۷ء کا پتا یوں تھا:

4221 North Kedvale Avenue, Chicago, Illinois- 60641 (U.S.A)

یہ دونوں خواتین مئی ۱۹۶۷ء میں ''شیرر منزل'' کی زیارت کرنے کے لیے گئیں اور وہاں ان کی ملاقات بیگم سوئسلر سے ہوئی۔ یورپ کے پانچ ہفتے کے دورے کے بعد جب مسز ہائیڈن واپس امریکا پہنچیں تو انھوں نے ۱۶ر جولائی ۱۹۶۷ء کے روز مسٹر اور مسز سوئسلر کو شکاگو سے جرمن زبان میں ایک خط لکھا۔ یہ سوئسلر صاحب کی ''اقبال فائل'' میں محفوظ تھا اور اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں وہ لکھتی ہیں کہ ''میں آپ کو دو منسلکہ تصویریں بھیجتی ہوں جو میں نے آپ کے مکان کے پچھواڑے کے باغ میں اُتاری تھیں۔ وہ باغ اس قدر خوب صورت ہے اور آپ نے وہاں ہر چیز اتنی محبت کے ساتھ آراستہ کی ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ اس مکان کی اس درجہ قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اس کی داستان (یا تاریخ) واقعی دلچسپ ہے اور وہ بہت سے طلبہ جو میرے جد امجد (دادا/ نانا، Grossvater) پروفیسر ہنس شیرر (Prof. Hans Scherrer) کے گھر میں رہتے تھے اب دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے اپنے وطن کو لوٹ چکے ہیں۔ میں نے اکثر اس ہندوستانی طالب علم مسٹر پنڈت کے بارے میں سوچا ہے، جس کی بیوی اب بہت مشہور و معروف ہیں،[۱۳] اور جو خود مرضِ دق سے انتقال کر گیا تھا۔ یہ طالب علم کئی مرتبہ انگلستان میں آکسفورڈ یا کیمبرج یونی ورسٹی سے چھٹیاں منانے ہائیڈل برگ آیا کرتا تھا......''۔ اب معلوم نہیں کہ خود یہ خاتون (مسز ہائیڈن) بقیدِ حیات ہیں یا نہیں۔

جناب سوئسلر سے بات چیت کافی طویل ہو گئی تھی اور انھوں نے ازراہِ کرم چند منٹ کے بجائے ہمیں تقریباً ڈیڑھ دو قیمتی گھنٹے عطا کر دیے تھے۔ مکان کے اندر اور باہر کے مختلف حصے دکھانے سے پہلے (جن میں اس مکان کا بے حد خوب صورت، بوقلموں پودوں، جھاڑیوں، پھولوں اور بیل بوٹوں میں گھرا ہوا باغ بھی شامل تھا، جس کا مسز ہائیڈن نے ذکر کیا ہے) جناب سوئسلر نے ہمیں اپنی وہ بے حد بیش قیمت اور معلومات افزا فائل دکھائی جو انھوں نے اس گھر کے ساتھ علامہ اقبال کے تعلقات کی

بابت بڑی خوش نظمی اور مجوزسی کے ساتھ مرتب کر رکھی ہے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آیا میں اس امر کی جسارت کرسکتا ہوں کہ وہ یہ فائل ہمیں عاریتاً عطا کردیں اور میرے کزن اس سے چیدہ چیدہ اجزا کی نقل حاصل کرنے کے بعد یہ فوراً واپس کردیں؟ یہ جناب سوئسلر کی فراخ دلی اور اعتماد کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ انھوں نے بلاتامل میری یہ درخواست قبول کرلی۔ آخرالامر، وقت کی کمی کی وجہ سے میرے کزن برن ہارٹ صاحب درحقیقت میری واپسی سے قبل اس کی فوٹو کاپی نہ کرسکے، چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ برمنگھم لے آیا اور اس کی تمام وکمال عکسی نقل اتارنے کے بعد میں نے بھرپور شکریے کے ساتھ یہ فائل ۱۷؍اکتوبر ۱۹۸۴ء کو رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ان کو لوٹا دی۔

اقبال یادگاری تختی کی تنصیب

سوئسلر صاحب کی فائل کے مختلف کاغذات سے ان کے مکان نمبر ۵۸ نوئین ہائمر لنڈ شٹرا سے (''شاہراہِ خانۂ نو'') پر علامہ اقبال کے اس میں قیام (غالباً قریباً ۲۰؍جولائی ۱۹۰۷ء تا ۱۲؍اکتوبر ۱۹۰۷ء)[۸] سے متعلق یادگاری تختی کی تنصیب کے Chronological Sequence (ترتیب زمانی) کا جہاں تک میں تعین کرسکا ہوں، وہ یوں ہے:

۱- ۲۰؍جون ۱۹۶۶ء کے روز ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کی ''انجمن دانش جویانِ پاکستان'' (Pakistanischer Studentenverein = Pakistan Students Society) کے صدر، جناب M.S.Boikhan (بائی خان؍بوئی خان؍بھائی خان؟* نے) جناب سوئسلر اور ان کی بیگم صاحبہ کو ایک خط لکھا کہ ان کی اطلاع کے مطابق سر محمد اقبال ۱۹۰۷ء میں تین ماہ کے لیے ان کے مکان میں ٹھہرے تھے (اس کے بعد انھوں نے علامہ اقبال کا تعارف کرایا اور میونخ اور برلن میں ان کی یادگاروں Memorials کے قائم ہونے کا ذکر کیا)۔ چنانچہ جناب سفیر پاکستان، جرمن پاکستان فورم، اور پاکستانی انجمنِ طلبہ کی جانب سے انھوں نے استدعا کی کہ سوئسلر صاحب کے مکان پر علامہ اقبال کی یادگاری تختی کی تنصیب کی اجازت دی جائے۔ انھوں نے کہا کہ سفیرِ کبیرِ پاکستان جناب عبدالرحمٰن خان نے Baden-Württemberg کی ریاست کے (جس میں ہائیڈل برگ کا شہر واقع ہے) وزیرِ اعلیٰ

---

* میرے سابق طالب علم، اور اب پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں ڈپٹی چیف سائنٹسٹ ڈاکٹر مطیع اللہ نے پچھلے سال مجھے بتایا کہ صوبۂ سرحد میں مثلاً ٹانک اور لکی مروت کے اطراف، جہاں سے خود اُن کا تعلق ہے، بھائی خان ایک خاصا ہردل عزیز نام ہے۔ (دُرّانی، ۲۷؍اکتوبر ۲۰۰۶ء)

جناب ڈاکٹر کیزنگر (Dr Kiesinger)، بعد ازآں وفاقی جمہوریہ جرمنی کے چانسلر) کے ساتھ اس بارے میں بات چیت کی ہے اور وہ دونوں اصحاب اس تجویز سے پوری طرح متفق ہیں۔ انھوں نے مزید یہ بھی لکھا کہ اس سلسلے میں آپ پر کوئی مالی بوجھ نہیں پڑے گا کیوں کہ بلدیۂ ہائیڈل برگ اور سفارت خانۂ پاکستان، بون، سب اخراجات کے متحمل ہوں گے۔

۲- مورخہ ۲۱ جون ۱۹۶۶ء کو بلدیۂ ہائیڈل برگ کے "اوّل رئیس شہر" (Erster Bürgomeister) جناب کلیم (Klemm) نے سوئسلر صاحب کو تائیدی خط لکھا کہ سفیر پاکستان نے علامہ اقبال کی ہائیڈل برگ کی قیام گاہ پر ایک یادگاری تختی آویزاں کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس دوران میں اس امر کی توثیق ہوگئی ہے کہ سر محمد اقبال آپ کے مکان (58 Neuenheimer Landstrasse) میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ چنانچہ میں یہ خط صدرِ انجمن طلبۂ پاکستان کے خط مورخہ ۲۰ر جون ۱۹۶۶ء کی تائید میں آپ کو تحریر کر رہا ہوں اور ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ اس تختی کی تنصیب کی تجویز سے اتفاق فرمائیں گے۔ ہمارے محکمۂ تعمیرات کو اس تختی کی تنصیب پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

۳- ۲۳ر جون ۱۹۶۶ء کو سوئسلر صاحب نے رئیسِ شہر کو لکھا کہ میری بیگم اور میں بخوشی آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ ہمارے مکان پر سر محمد اقبال کی یادگاری تختی نصب کی جائے۔ ہمارے خیال میں اس کے لیے بہترین جگہ ہمارے باغ کی بیرونی دیوار ہوگی جہاں یہ آسانی سے زائرین کو نظر آسکے گی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تختی ہمیں اس حق سے محروم نہ کرے گی کہ ہم حسبِ ضرورت اس دیوار میں بعد ازآں کوئی ردّوبدل کرسکیں۔

۴- ۲۴ر جون ۱۹۶۶ء کو سوئسلر صاحب نے انجمنِ طلبۂ پاکستان کو جوابی خط لکھا اور ان کے ۲۰ر جون والے مکتوب اور حالیہ ملاقات (Visit) کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا کہ اس اثنا میں انھیں رئیس شہر جناب Klemm کا خط بھی موصول ہو چکا ہے اور وہ باغ کی بیرونی دیوار پر اس یادگاری تختی کے لگانے کی تجویز سے اتفاق کا اظہار کر چکے ہیں۔ "براہِ کرم یہ بتائیے کہ کس روز اور کس شکل (Form) میں یہ تختی آپ نصب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میری بیوی اور میں آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے ازراہِ تلطّف ہمیں اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی ہے جو تیس جون کو علامہ اقبال کے اعزاز میں منعقد ہو رہی ہے۔ ہم اس میں بخوشی شامل ہوں گے۔"

یہ آخری سطور اس دعوت نامے کے جواب میں تھیں جو انجمنِ طلبۂ پاکستان کے صدر

(Mr. M.S.Boikhan) اور معتمد (جناب ایس-اے-رضوی) نے سفارت خانہ پاکستان، جرمن۔ پاکستان فورم، اور اپنی انجمن کی جانب سے جمعرات ۳۰/ جون ۱۹۶۶ء کی شام کے سات بجے منعقد ہونے والی ''شامِ اقبال'' (Iqbal Abend) میں شمولیت کے لیے انھیں بھیجا تھا۔ سوئسلر صاحب کی فائل میں اس دعوت نامے کی ایک نقل موجود ہے جس میں پاکستانی طعام کے بعد مندرجۂ ذیل پروگرام درج ہے۔ تقاریر از سفیرِ پاکستان۔ رئیس بلدیہ ہائیڈل برگ۔ لیکچر از پروفیسر ڈاکٹر اے۔ شمل بعنوان ''اقبال۔ حکیم الامت اور شاعر''۔ فلمیں۔ پاکستانی نغمہ و رقص۔

۵- ۲۹/ جون ۱۹۶۶ء کے روز ہائیڈل برگ کے اخبار *Heidelberger Tageblatt* (روزنامہ ہائیڈل برگ) میں تقریباً ایک صفحے پر محیط ایک خاص مضمون شائع ہوا جس میں سوئسلر صاحب کے مکان کی تصویر (جہاں ''اقبال ۱۹۰۷ء میں تین ماہ کے لیے فروکش ہوئے تھے'') کے نیچے مس ایما ویگے ناسٹ کی عنفوانِ شباب کی وہ تصویر دی گئی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے (اور جس کی اصل کی ایک کاپی محترمہ Edith Schmidt- Wegenast نے مجھے عطا کی تھی۔ دیکھیے حاشیہ نمبر ۲) اور اس کے پہلو میں علامہ اقبال کی نوجوانی کی ایک تصویر بھی ہے (ان دونوں تصویروں کا ماخذ ''پرائیویٹ'' درج کیا گیا ہے اور ان کے نیچے عنوان یوں تحریر کیا گیا ہے۔ ہائیڈل برگ میں ان کی دوستی کا آغاز ہوا (بائیں) ایما ویگے ناسٹ اور پاکستان کے قومی شاعر اور فلاسفر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال۔

مذکورۂ بالا مضمون میں دو ایک بڑی دلچسپ باتیں ہیں، جن کا یہاں ذکر شاید دلچسپی کا باعث ہو۔ علامہ اقبال کا خاصا مفصل تعارف کرنے کے بعد، ہائیڈل برگ میں ان کی آمد (''جہاں ان کا المانوی فلسفیوں کے ساتھ رابطہ قائم ہوا'') کے تذکرے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل پیراگراف تحریر کیے گئے ہیں۔

۱۴/ مارچ ۱۹۱۶ کے روز اس اخبار (یعنی روزنامہ ہائیڈل برگ) نے محمد اقبال کی (جو اُس وقت بھی شمالی ہندوستان میں قائم ہونے والی ایک آزاد مسلم ریاست کے علم بردار کی حیثیت سے معروف تھے**) ایک نظم شائع کی، جو ہائیڈل برگ کے بارے میں لکھے گئے تمام گیتوں میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ایشیائی اجنبی پر بھی اس شہر کے مناظر نے ویسا ہی گہرا اثر پیدا کیا جیسا کہ انھوں نے المانیہ کے رومانوی شعرا پر کیا تھا۔ آج ہم پچاس سال قبل کے روزنامہ ہائیڈل برگ سے

---

* پہلی جنگ عظیم کے دوران! (دُرّانی، ۲۰/ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

** مضمون نویس کا یہ دعویٰ محلِ نظر ہے۔ (دُرّانی، ۲۷/ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

یہاں اس نظم کے اُردو متن کا وہ "لفظی منظوم ترجمہ" (جیسا کہ وہاں اسے پکارا گیا تھا) نقل کرتے ہیں، جو ہم نے اُس وقت شائع کیا تھا۔

"دریائے نیکر کے کنارے، رات کے دو بجے لکھی گئی۔" (اس کے بعد علامہ اقبال کی مشہور نظم: "ایک شام- دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر" کا جرمن زبان میں ترجمہ درج کیا گیا ہے۔)

پھر یہ تذکرہ یوں جاری رکھا گیا ہے۔

ہائیڈل برگ میں چونتیس سالہ اقبال[۹] نے صرف معدودے چند اشخاص سے تعلق قائم کیا۔ اسے یہاں دریا کے کنارے تنہا گھومنا بہت مرغوب تھا، جہاں فطرت کے حسین مناظر اس کی فکر کو برانگیختہ کرتے تھے۔ صرف ایک عورت کے ساتھ اسے گہرا لگاؤ پیدا ہوا اور یہ تھی اس سے عمر میں چھ سال* چھوٹی مس ایما ویگے ناسٹ، جس کے ساتھ اقبال کا تعارف پروفیسر شیرر (Professor Scherrer) کے مکان میں ہوا۔ اقبال کی اس عینی شاہد کا انتقال چھیاسی سال کی عمر میں گذشتہ سال ہوا ہے (دراصل مس ویگے ناسٹ کا انتقال ۱۶/اکتوبر ۱۹۶۴ء کو پچاسی برس کی عمر میں ہوا تھا۔ پیدائش ۲۶/اگست ۱۸۷۹ء)۔ اس کی بہن صوفی (Sofie) جو اب ہائیڈل برگ کے ایک "بڈھوں کے گھر" (یا "پیراں خانے") (Altersheim = Old People's Home) میں رہتی ہیں، یوں رقم طراز ہیں:

"جناب پروفیسر ڈاکٹر اقبال جو اپنی تعلیم میں ہمہ تن منہمک تھے، ان کے ساتھ ایما کی روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی اور وہ ہمیشہ ان روح پرور باتوں پر خوش ہوا کرتی تھی، جو متواتر ان دونوں کے درمیان گوئٹے کے کلام کے مطالعے کے بارے میں ہوتی تھیں۔ گوئٹے اقبال کا محبوب شاعر تھا اور وہ ہمیشہ اس کے متعلق بات چیت کیا کرتے تھے۔[۱۰] اس بات کا ثبوت کہ میری بہن ایما نے اقبال کے (ذہنی) ارتقا (Entwicklung = Development) پر ایک یقینی اثر پیدا کیا، اس کے (یعنی ایما کے) نام کیمبرج سے ایک قدیمی دوست کے خط سے ملتا ہے جو ہندوستانی تھا۔ اس دوست نے لکھا کہ جناب پروفیسر ڈاکٹر اقبال جو واپس کیمبرج جا بسے تھے (Übersiedelte = Moved to/Emigrated) اس قدر بدل گئے ہیں کہ ان کو پہچاننا مشکل ہوگیا ہے اور اس کا واحد اور تنہا سبب ان پر تمہارا خوش گوار اثر ہے۔[۱۱]

* یعنی صاحب مضمون نے اقبال کی تاریخ ولادت ۱۸۷۳ء تصور کی ہے۔ ورنہ دراصل دو سال چھوٹی۔ (دُرّانی۔ ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

روزنامہ ہائیڈل برگ مورخہ ۲۹؍جون ۱۹۶۶ء کا یہ مضمون مزید بیان کرتا ہے:

ایما ویگے ناسٹ نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ہائیڈل برگ کے فوجی شفاخانے میں صلیب احمر کی نرس (Rotkreuz Schwester(Red Cross Sister کے طور پر کام کیا۔ پھر ۱۹۲۰ء سے لے کر اڑتیس برس تک وہ یونی ورسٹی فارمیسی Universitäts Apotheke میں ٹیکنیکل اسسٹنٹ کے طور پر ملازم رہی۔ اس عرصے میں اس کو محمد اقبال نے ستائیس خط لکھے جواب پاکستان کے دستاویزی محافظ خانے میں رکھ دیے گئے ہیں اور اس طرح حکیم الامت کے حیطۂ فکر کا ایک قیمتی مظہر (Zeugnisse= Evidence) ہیں۔[۱۲]

روزنامہ ہائیڈل برگ (۲۹؍جون ۱۹۶۶ء) کا مضمون ان الفاظ کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

اقبال کے افکار اس کی وفات کے بعد پاکستانی نوجوانوں کے سینوں میں اب تک زندہ و پایندہ ہیں۔ اور اب ہائیڈل برگ میں بھی ایک تختی اس عظیم مفکر کی یاد دلائے گی، جس نے ہمارے اسی شہر میں اپنے فلسفے کے کئی بنیادی پتھر حاصل کیے اور انھیں اپنی جگہ پر جمایا۔ (اس مضمون کے نیچے یہ Attribution یعنی مصنف یا مصنّفین کے نام دیے گئے ہیں...... Boik/Rosch جن میں سے پہلے نام سے مراد شاید Mr Boikhan اور کیا دوسرے نام کے آخری حروف Schimmel کا حصہ ہیں؟)

اس مضمون کے نیچے یہ اعلان بھی درج ہے ''کل جمعرات کو شام کے آٹھ بجے بون (Bonn) سے آنے والی مستشرقہ پروفیسر ڈاکٹر انیماری شمل (Prof. Dr. Annemarie Schimmel) (جنھوں نے "Botschaft des Ostens" پیامِ مشرق کے نام سے اقبال کا جرمن زبان میں ایک ترجمہ شائع کیا ہے)، نئی یونی ورسٹی کے ہال میں ایک جشنیہ مقالہ بعنوان ''اقبال جرمنی میں'' پیش فرمائیں گی۔* علاوہ ازیں پاکستان کے سفیرِ کبیر اور ہائیڈل برگ کے لارڈ میئر (Oberbürgermeister) تقریریں کریں گے اور پاکستانی طلبہ نغمہ و رقص کا ایک پروگرام پیش کریں گے۔

۶- ہفتہ، اتوار ۱۷، ۱۸؍ستمبر ۱۹۶۶ء کے اخبار *Rhein-Neckar-Zeitung* میں ایک مفصّل رپورٹ شائع ہوئی کہ بروز جمعہ (۱۶؍ستمبر ۱۹۶۶ء) پاکستان کے حکیمِ اُمت اور عظیم شاعر محمد اقبال کی یاد میں (جو ۱۹۰۷ء میں ہائیڈل برگ میں قیام پذیر تھے) ایک جلسہ ہوا جس میں پاکستانی اور جرمن طلبہ،

---

* افسوس کہ اس شہرۂ آفاق اقبال شناس کا بروز ۲۶؍جنوری ۲۰۰۳ء بون (Bonn) میں انتقال ہوگیا۔ اب ہماری اقبال اکادمی (یو-کے) نے اُن کے نام سے سالانہ یادگاری لیکچروں کا ایک سلسلہ قائم کردیا ہے۔ (دُرّانی، ۲۷؍اکتوبر ۲۰۰۶ء)

اور شہر اور یونی ورسٹی کے نمایندے جمع ہوئے۔ بادورتمبرک کے وزیرِ ثقافت پروفیسر ہان (Kultur Minister Prof. Wilhelm Hahn) نے Neuenheimer Landstrasse کے مکان نمبر ۵۸ پر نصب یادگاری تختی کی نقاب کشائی کی۔ پاکستان کے سفیرِ کبیر جناب عبدالرحمٰن خان کے شانہ بشانہ یونی ورسٹی کی ریکٹر (رئیسۂ جامعہ) پروفیسر مارگو بیکے (Prof. Margot Becke)، جنوبی ایشیا کی انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر پروفیسر یُوزاتس (Prof. Jusatz) اور بلدیہ کے رئیسِ اوّل کلیم (Klemm) اس جلسے میں شرکت فرما تھے۔

اس کے بعد مختلف مہمانوں نے تقاریر کیں۔ ''سفیرِ پاکستان جناب عبدالرحمٰن خان نے بالخصوص انجمنِ دانش جویانِ پاکستان کے صدر Boikhan کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس قدر سرگرمی کے ساتھ علامہ اقبال کی یادگاری تختی کے نصب کرنے کے خیال کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ اس کے علاوہ سفیرِ پاکستان نے ہائیڈل برگ کی ایک شہری خاتون صوفی ویگے ناسٹ کے لیے کلماتِ تکریم وتوقیر کہے جس کی چھیاسی سالہ بہن ایما ویگے ناسٹ کا پچھلے سال انتقال ہوا ہے*۔ موخر الذکر خاتون کے ساتھ محمد اقبال کو گہرا اُنس تھا اور وہ خطوط جو اس پاکستانی فلسفی نے ایما کو لکھے تھے وہ اس کی فکر وروح کی ایک زندہ نشانی کے طور سے پاکستان کے دستاویزی محافظ خانے (Archives) میں محفوظ ہیں۔**

میرا خیال ہے کہ پاکستانی قوم اور تمام مداحینِ اقبال کو جناب Boikhan کا بے حد ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے خدمتِ اقبال میں یہ عظیم کارنامہ انجام دیا۔ اسی لیے میں نے اس مضمون میں ان کا کئی مرتبہ تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح المانیہ میں اُس وقت کے سفیر جناب عبدالرحمٰن خان کی تمام کوششیں اور ذاتی دلچسپی نہایت قابل قدر ہے۔ ہاں یاد رہے کہ ایما کی ہمشیرہ صوفی ویگے ناسٹ کی عمر ۱۹۶۶ء میں نوے سال کی تھی اور اسی ضعیف العمری کی بنا پر وہ اس یادگاری جلسے اور اس سے تین ماہ قبل منعقد ہونے والی ''شامِ اقبال'' میں شرکت نہ کر سکی تھیں۔ موصوفہ کا انتقال (پروفیسر کرش ہوف کی اطلاع کی مطابق) ۱۰۲ سال کی عمر میں ۱۹۷۸ء میں ہوا، یعنی وہ جشنِ صد سالۂ اقبال (۱۹۷۷ء) کی گہما گہمیوں اور غلغلہ اندازیوں کے دوران زندہ تھیں۔

---

* دراصل پچاسی سالہ ایما ویگے ناسٹ کا انتقال اکتوبر ۱۹۶۴ء میں ہوا تھا۔ (دُرّانی، ۲۷ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

** جیسا کہ میرے کئی مضامین میں ذکر ہوا، یہ مجموعۂ خطوط پاکستان پہنچ کر پُر اسرار طریقے سے کہیں غائب ہو گیا ہے۔ لیکن اب میں نے ان کے عینی عکوس اپنی کتاب اقبال یورپ میں (مطبوعہ فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۹ء اور انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی ۲۰۰۴ء) میں شائع کر دیے ہیں۔ (دُرّانی ۲۱ر اپریل ۲۰۰۷ء)

اسی تاریخ (یعنی ہفتہ، اتوار ۱۷/۱۸ ستمبر ۱۹۶۶ء) کو شائع ہونے والے اخبار روزنامہ ہائیڈل برگ میں بھی اس موضوع پر ایک مفصّل رپورٹ طبع ہوئی، جس میں چند مزید معلومات درج ہیں۔ اس رپورٹ کے آخری دو پیراگرافوں کا ترجمہ قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہے:

جب اس تختی کی نقاب کشائی کی تاریخ کا اعلان ہوا تو بہت کم وقت باقی تھا۔ مگر ویبلنگ کے باسی (Wieblinger) سنگ تراش مسٹر ڈیٹرش وولف (Dietrich Wolf) نے محض چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس بے حد خوبصورت انتسابی تختی کا نہ صرف خاکہ تیار کرلیا بلکہ اس کی سنگ تراشی بھی مکمل کرلی۔ جشنِ نقاب کشائی کا اختتام ایک ضیافت پر ہوا جو دریائے نیکر کے آبِ رواں پر تیرتے ہوئے ایک "ریستورانی بجرے" (Restaurant-Schiff) میں دی گئی۔ اس موقع پر بیگم سوئسلر نے بیان کیا کہ جب بطور مالکۂ مکان انھیں یہ اطلاع ملی کہ ان کے باغ کی بیرونی دیوار، پتھر کی بنی ہوئی ایک یادگاری تختی سے مزیّن کی جائے گی تو انھیں اس پر بہت خوشگوار تعجب ہوا تھا۔ رئیس بلدیہ جناب کلیم نے دعوت کے دوران پاکستانی طلبا کو یہ بھی بتایا کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ ہائیڈل برگ کی ایک سڑک کا نام اقبال کے نام پر رکھا جائے۔

(اس کی تفصیل نیچے دیکھیے)۔

یہاں اس بات کا ذکر شاید مناسب ہو کہ دونوں اخباروں میں اس رسمِ نقاب کشائی کی جو تصویریں چھپی ہیں (اور جن میں سفیر پاکستان کے ساتھ جناب بوئی خان اور وزیر ثقافت پروفیسر ڈاکٹر ولہلم ہان دکھائی دیتے ہیں)، ان میں نظر آنے والی تختی وہ نہیں ہے جو آج کل اس مکان پر نصب ہے بلکہ کافی سادہ اور مختصر ہے، اس پر صرف یہ الفاظ (اُن دنوں) تحریر تھے۔

Mohammad Iqbal 1876-1938

National- Philosoph, Dichter und

Geistiger Vater Pakistans lebte hier

im Jahre 1907

محمد اقبال ۱۸۷۶ء - ۱۹۳۸ء

قومی فلاسفر - شاعر اور روحانی خالقِ پاکستان

یہاں ۱۹۰۷ء میں مقیم تھے

ظاہر ہے کہ ستمبر ۱۹۶۶ء والی تختی کی نسبت سائز میں بہت بڑی، اور مفصّل انتساب کی حامل

موجودہ تختی (جس کی تصویر میری کتاب اقبال یورپ میں میں اور موجودہ کتاب میں بھی دیکھی جا سکتی ہے) بعد ازآں نصب کی گئی تھی، جیسا کہ نکتہ ۷ میں ذکر آتا ہے۔

۷- یکم اپریل ۱۹۶۸ء کے تحریر کردہ ایک خط میں جو جناب سوئسلر کی مذکورہ بالا فائل میں محفوظ ہے، پاکستان کی انجمنِ طلبہ کے (نئے) صدر جناب ایم-اے کے نیازی، جناب سوئسلر اور بیگم سوئسلر صاحبہ سے یوں خطاب کرتے ہیں:

سفیرِ پاکستان عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان اور ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کی انجمنِ طلبہ کی جانب سے میں آپ دونوں کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں اجازت دی کہ اپنے قومی فلسفی و شاعر محمد اقبال کی تکریمی تختی کے نیچے ہم ایک مستزاد تختی نصب کر سکیں۔ (اس کا کوئی جوابی خط سوئسلر صاحب کی فائل میں نہیں ہے۔ نہ مزید معلومات فی الحال دستیاب ہیں۔)

۸- رئیس بلدیہ جناب Klemm نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دکھایا، جس کا ذکر مندرجہ بالا نکتہ ۶ (بابت ستمبر ۱۹۶۶ء) میں آیا ہے۔ سوئسلر صاحب کی فائل مین ایک سبز رنگ کا کارڈ محفوظ ہے جو سفیرِ کبیرِ پاکستان، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خاں اور ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کی انجمنِ دانش جویانِ پاکستان کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس میں جناب سوئسلر اور ان کی بیگم صاحبہ کو ایک جشنیہ اجتماع میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ یہ تقریب جمعہ ۱۴ر فروری ۱۹۶۹ء کے روز دو بجے سہ پہر کو منعقد ہو رہی تھی، جب کہ وفاقی شاہراہ نمبر ۳۷ (Bundesstrasse 37) کے ایک حصے کا نام پاکستان کے حکیم الامت اور شاعر، پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال کے نام پر ''اقبال کنارہ'' (Iqbal-Ufer) رکھا جانے والا تھا۔

کارڈ پر مزید پروگرام یوں درج ہے:

۱- پاکستانی کھانے۔ ساڑھے چھے بجے شام، طلبہ کے ایک طعام خانے میں (Mensa am Klausenpfad, Tiergartenstrasse 104)

۲- کلامِ اقبال کی پیش کش (کلاوزن فاد کے ہال میں)

۳- نغمہ و موسیقی، رقص اور دیگر ثقافتی مظاہرے (Performances)

۹ر فروری ۱۹۶۹ء کو جناب و بیگم سوئسلر نے انجمنِ طلبہ کو ایک جوابی خط لکھا اور معذرت کی کہ وہ اس جشنیہ تقریب میں شامل نہیں ہو سکیں گے کیوں کہ اگلے ہفتے انھیں ایک بڑے ضروری کام سے بیرونِ ملک سفر پر جانا ہوگا۔ انھیں اس جلسے میں شریک نہ ہو سکنے کا بڑا قلق رہے گا، لیکن شاید کسی آیندہ

تقریب میں وہ شرکت کر سکیں گے۔ آخر میں انھوں نے لکھا کہ اگر انجمنِ طلبہ یا سفارت خانۂ پاکستان انھیں اپنے ملک اور علامہ اقبال کی حیات و تصنیفات کے بارے میں کچھ لٹریچر مہیا کر سکیں تو وہ دونوں بہت ممنون ہوں گے۔

(بقول جناب سوئسلر انھیں علامہ کے بارے میں آج تک کسی نے کوئی معلومات یا کتابیں بھیجنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔)

۹- ہفتہ اتوار ۱۵، ۱۶/فروری ۱۹۶۹ء کے رائین- نیکر اخبار کا ایک تراشہ سوئسلر صاحب کی فائل میں موجود ہے۔ اس میں ایک سہ کالمی رپورٹ اس جلی عنوان کے تحت درج ہے:

دریائے نیکر پر پاکستانی جھنڈے لہراتے ہیں۔

رپورٹ کا آغاز یوں ہوتا ہے: ''کارڈ بورڈ کے پیچھے دو ایسے ہی سادہ سے، گلیوں کے نام والے نیلے تختے پوشیدہ تھے، جن پر سفید رنگ کی لکھائی تھی جنھیں آدمی ہائیڈل برگ کے کونے کونے پر دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قریب ایک سو زائرین انتظار میں کھڑے تھے۔ اور دونوں جرمن ٹیلی ویژن کمپنیوں اور اخباری فوٹو گرافروں کے کیمروں کی آنکھیں مشتاقِ دید تھیں کہ اس وقوعے کا نظارہ کریں، یعنی ''اقبال کنارے'' کے نام کی رسمِ رونمائی۔ سفیرِ پاکستان عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان بہ نفسِ نفیس وہاں موجود تھے اور انھوں نے صدرِ حکومت (Regierungs Präsident) جناب ڈاکٹر منزنگر (Munzinger) اور لارڈ میئر سُنڈل (Oberbürgermeister Zündel) کے اشتراک سے دریائے نیکر کے جنوبی کنارے پر وفاقی شاہراہ نمبر ۳۷ کے ۱.۱ کیلومیٹر لمبے اس ٹکڑے کی جو Thibaut- Strasse اور Karl- Metz- Strasse کے درمیان واقع ہے اور اس سے ایک روز پہلے مکمل ہوا تھا، سرکاری رسمِ نام گزارانی یا غسلِ تعمید (Ceremony of Baptism)، سرانجام دی اور اس کو پاکستان کے شاعرِ ملت ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے معنون کیا، جو ایک زمانے میں ہائیڈل برگ میں طالب علم رہ چکے تھے۔

اس کے بعد اس رسمِ تسمیہ یا نام دہی کی کافی تفصیلات درج کی گئی ہیں اور ان کے نیچے ایک بڑی تصویر شائع کی گئی ہے۔ اس تصویر میں ایک کھمبے پر Iqbal-Ufer----Iqbal-Ufer کی تختی نصب نظر آتی ہے۔ اس کے گرد پھولوں کے ہار اور اس کے نیچے پاکستان کا بہت بڑے سائز کا پرچم لہرا رہا ہے۔ تصویر میں صدرِ حکومت ڈاکٹر منسنگر، سفیر پاکستان جناب عبدالرحمٰن خان، رئیس اعظم بلدیہ جناب سُنڈل اور نائب سفیر جناب عطاء الرحمٰن اور ان کی بیگم صاحبہ مع چند اصحاب کے دکھائے گئے ہیں۔

۱۰- رائین نیکر اخبار (*Rhein- Neckar- Zeitung*) بابت ہفتہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۶۹ء کا ایک تراشہ سوئسلر صاحب کی فائل میں محفوظ ہے جہاں ایک سہ کالمی تصویر کے اوپر یہ عنوان دیا گیا ہے۔

''سنگِ یادگارِ اقبال کا جشنِ نقاب کشائی''

تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے: بروز جمعہ (۱۹ر دسمبر ۱۹۶۹ء) بعداز ظہر، دریائے نیکر کے کنارے کے سامنے کی زمین پر پاکستان کے شاعر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال کی شان میں (جن کے نام پر امسال ماہِ فروری میں یہ کنارا موسوم کیا گیا تھا) ایک یادگاری پتھر کی نقاب کشائی کی گئی۔ اس کتبے (میموریل) پر اقبال کی ان تین نظموں (کون سی؟ دُرّانی) میں سے ایک تحریر کی گئی ہے جو انھوں نے ۱۹۰۷ء میں ہائیڈل برگ میں لکھی تھیں۔ وہ مہمان جنھوں نے اس مختصر جشن میں حصہ لیا ان میں مندرجۂ ذیل حضرات شامل ہیں: (تصویر میں دائیں سے بائیں) شمالی بادستان کے صدر حکومت (Nordbadische Regierungs Präsident) ڈاکٹر ورنر منسنگر (Dr. Werner Munzinger)، بون میں جرمن پاکستانی فورم کے صدر اور سابقہ سفیر المانیہ در پاکستان ڈاکٹر فون ٹرچلر (Dr von Trutschler)، سفیر پاکستان در المانیہ جناب عبدالرحمٰن خان اور رئیس بلدیہ ڈاکٹر گرکن (Dr Gerken) اپنی مختصر تقاریر میں ان اصحاب نے اس اہم شاعر، فلسفی اور خالقِ مملکتِ پاکستان کی یاد تازہ کی اور جرمنی اور پاکستان کے درمیان ان انسانی اور ثقافتی رشتوں کی یاددلائی جو بالخصوص اقبال کی شخصیت کی بدولت آج بھی قائم ہیں۔

ڈاکٹر مُنسنگر، ڈاکٹر ٹرچلر، جناب عبدالرحمٰن اور ڈاکٹر گرکن ایک بہت بڑے سنگی تختے کے اردگرد اور اس کے پسِ پشت کھڑے ہیں اور اوّل الذکر تینوں اصحاب کے ہاتھ پتھر کے بالائی کنارے پر رکھے ہوئے ہیں۔ پتھر کا سائز تقریباً ۲/۳ ۳ فٹ × ۱/۳ ۴ فٹ نظر آتا ہے اور یہ زمین میں نصب ہے۔ اس کے اوپر کی سطح ان اشخاص کی کمر کے لگ بھگ پہنچتی ہے اور اس پر ایک بڑے عنوان ''نیکر کو سلام'' (Gruss an den Neckar) '' کے نیچے جلی حروف میں علامہ کی نظم ''ایک شام (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ کے کنارے پر)'' کا وہ جرمن ترجمہ درج ہے جو ۱۹۱۶ء اور پھر ۱۹۶۶ء (بدھ ۲۹ر جون) کے روزنامہ ہائیڈل برگ (*Heidelberger Tageblatt*) میں شائع ہو چکا ہے اور جس کا اس سے پہلے اوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ ۱۲ لائنوں پر مشتمل ہے اور اس کے نیچے شاعر کا نام (محمد اقبال) تحریر ہے (اور شاید عرصۂ حیات یا نظم کی تاریخ بھی، جو تصویر میں صاف نہیں پڑھی جاسکتی*)

---

* مکرر۔ کی موجودہ اڈیشن کی ''مُصفّا'' تصویر نمبر ۱۳، جس کی رو سے یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ (دُرّانی۔ ۱۹ر ستمبر ۲۰۰۹ء)

قارئین کی دلچسپی کے لیے یہ جرمن ترجمہ نیچے درج کیا جاتا ہے:

GRUSS AN DEN NECKAR
STILL IST BERG UND DER FLUSS UND DAS TAL.
ES SCHEINT DIE NATUR IN SINNEN VERSUNKEN.
DIE GEFIEDERTEN SANGER VERSTUMMEN ZUMAL.
UND DER WALD AM HUGEL RUHT SCHLUMMERTRUNKEN.
DIE KARAWANE DER STERNE ZIEHT.
OHNE GLOCKCHENKLINGEN AUF HIMMLISCHEN WEGEN.
STILL LEUCHTET DER MOND, DIE BEWEGUNG IST MUD.
IM SCHOSSE DER NACHT WILL SIE SCHLAFEN SICH LEGEN.
SO STARK IST DER STILLE ZAUBERMACHT,
DASS DER NECKAR RUHT, NICHT WEITERFLIESSEND.
NUN WERDE AUCH DU STILL, MEIN HERZ, IN DER NACHT.
UND SCHLAFE, DAS LEID IN DICH VERSCHLIESSEND.

(یہ علامہ اقبال کی فطری نظموں میں سے ایک بے حد حسین و جمیل اور نغمہ آگین نظم ہے اور اپنے انداز اور محاکات میں گوئٹے کی نظموں کی یاد دلاتی ہے)۔

یہ پتھر دریائے نیکر کے کنارے ایک پارک میں ایستادہ ہے اور ہائیڈل برگ کے رومانوی شہر کے ساتھ اقبال کے تعلق کی یاد تازہ کرتا ہے۔

یوں تو جناب سوئسلر کی ''اقبال فائل'' میں اور بھی بہت سے کاغذات ہیں، اور ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۲ء تک کے واقعات اور مختلف تقریبات کے اخباری تراشے اور تصویریں اس میں محفوظ ہیں، لیکن میرے خیال میں مندرجہ بالا تفصیلات موجودہ مضمون کے لیے کافی ہیں۔

ان سطور کے ساتھ میری اس ملاقات کی روداد ختم ہوتی ہے جو میں نے جناب ہنس ہلموتھ سوئسلر Hans-Hellmuth Zwissler صاحب کے ساتھ اتوار ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء کی صبح کو اپنی ممیری بہن شہناز درّانی اور ان کے شوہر کی معیت میں کی تھی۔ اگرچہ سوئسلر صاحب نے شروع میں ہمیں صرف چند منٹ دینے کا وعدہ کیا تھا، تاہم یہ ملاقات تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ اور اس میں نہ صرف انھوں نے اپنے مکان کے ساتھ اقبال کے تعلقات پر روشنی ڈالی، بلکہ اپنی وہ اہم اور بے حد کارآمد فائل مجھے مستعار دی جس میں سے اوپر کے اقتباسات اخذ کیے گئے ہیں۔ انھیں خدا حافظ کہنے سے پہلے میں

نے ان کے ساتھ ان کے اطاقِ نشست اور دارالمطالعہ کی کچھ تصویریں اُتاریں۔ پھر ازراہِ تلطُّف سوئسلر صاحب نے ہمیں اپنے مکان کی دومنزلوں کے مختلف کمرے دکھائے، بلکہ گھر کے اندر آنے کا بڑا خوب صورت چوبی دروازہ اور اس کے بعد مستزاد مکان (جو اقبال کے زمانے میں دارالطعام ہوا کرتا تھا) دکھایا، اور میں نے ان سب چیزوں کی تصویریں کھینچیں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے مکان کا بے حد دلکش پائیں باغ بھی دکھایا جو بوقلموں جھاڑیوں، درختوں اور پھولوں سے عجب بہار دکھلا رہا تھا۔

ہمیں سوئسلر صاحب سے رخصت ہونے کے بعد ہائیل برون جانا تھا جہاں محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ ہمارا انتظار کر رہی تھیں، بلکہ ہم اپنے وقت موعودہ سے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے لیٹ ہو چکے تھے۔ چنانچہ میں نے جناب سوئسلر صاحب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اس قدر فراخ دلی کے ساتھ ہمیں اپنا وقت عطا کیا تھا اور ان سے رخصت چاہی۔ وہ خود بھی ہائیڈل برگ کے میلے میں جانا چاہ رہے تھے جہاں ان کے صاحبزادے اس کے نظم ونسق میں حصہ لے رہے تھے۔

چنانچہ یوں ایک یادگار ملاقات اختتام کو پہنچی۔ سوئسلر صاحب تیز قدم اُٹھاتے ہوئے دریائے نیکر کے کنارے کنارے پیدل روانہ ہو گئے، اور ہم تینوں کار میں سوار ہو کر ہائیل برون کی جانب پابہ رکاب ہوئے۔

❀❀❀

حواشی

۱- ہوسکتا ہے اقبال نے ایما کی یہ تصویریں اور اس کی طرف سے موصول ہونے والے تمام خطوط آگ کے اس الاؤ کی نذر کر دیے ہوں جو انھوں نے اپنی وفات سے چند روز پہلے روشن کیا تھا، جب کہ منشی طاہر الدین کی مدد سے انھوں نے اپنے بے شمار "غیر ضروری کاغذات" نذرِ آتش کر دیے تھے۔ اور صرف اہم یا کارآمد کاغذات کو محفوظ کر لیا تھا۔ میں نے اس واقعے کا تذکرہ علامہ کی کسی سرگذشت میں پڑھا ہے۔ (دُرّانی)

۲- برمنگھم واپسی پر میں نے ۷/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو مسز ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ Frau Edith Schmidt-

Wegenast کو اپنی بیوی کی مدد سے، جو المانوی نژاد ہیں، بڑی شستہ اور مہذب جرمن زبان میں ایک خط تحریر کیا، جس میں میں نے انھیں پروفیسر ہیلا کرش ہوف کی ٹیلی فون پر گفتگو کی یاد دلائی اور کہا کہ مشہور شاعر و فلسفی ڈاکٹر محمد اقبال (۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء) ملقب بہ شاعرِ مشرق کی زندگی کے بارے میں میری ایک کتاب اقبال یورپ میں عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ اس میں دو ایک مضمون اقبال اور ایما ویگے ناسٹ کے بارے میں بھی ہیں، اس لیے اگر وہ مجھے مس ایما ویگے ناسٹ کی کچھ تصویریں جو ان کے پاس ہوں، کاپی کروا کے بھیج سکیں تو ان کا حد درجہ ممنون ہوں گا اور ان کی اس عطا کی مکمل Acknowledgement کتاب میں شائع کروں گا۔ اس کے چند ہی روز بعد مجھے بیگم شمٹ ویگے ناسٹ کا خط مورخہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۴ء وصول ہوا جس میں ایما کی دو تصاویر تھیں۔ ان میں سے ایک اُن کے عنفوانِ شباب کی تصویر تھی اور دوسری اُن کے بڑھاپے کی، جو ایک بالکل نئی چیز تھی۔ یہ دونوں تصاویر پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے مسز شمٹ ویگے ناسٹ کو فوراً دلی شکریے کا خط لکھ دیا۔ (دُرّانی)

۳- یہ نوبیاہا میاں بیوی (جو پہلے پہل ایک دوسرے سے پیکنگ میں ملے، جہاں یہ دونوں اعلیٰ تعلیم کے لیے مقیم تھے۔ کارل ہائنز مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں) بون یونی ورسٹی میں پی-ایچ-ڈی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، لیکن ان دنوں ڈارم شٹاٹ میں کارل ہائنز کی والدہ کے یہاں چھٹیوں کے لیے آئے ہوئے تھے۔ یہ شہر ہائیڈل برگ سے پچاس کلومیٹر پر واقع ہے۔

۴- کارل ہائنز کی پیشین گوئی کوئی دو سال بعد درست ثابت ہوئی کیوں کہ میں اوائل ۱۹۸۷ء میں واقعی اِس اکادمی کا صدر منتخب ہو گیا۔ (دُرّانی)

۵- اگرچہ ان سے ہجوں میں تسامح ہوا ہے یعنی Scherrer کو ایک (R) کے ساتھ لکھا ہے۔ دیکھیے میرا مضمون مطبوعہ افکار بابت مئی ۱۹۸۳ء، خطوط نمبر ۳ و ۲۱۔

۶- یہاں پروفیسر شیرر کے نام کے ہجے قابلِ غور ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اقبال غلطی سے اس نام کو Scherer (یعنی ایک R کے ساتھ) لکھتے ہیں۔

۷- شاید ان کی مراد پنڈت نہرو کی ہمشیرہ مسز وجے لکشمی پنڈت سے ہے؟

۸- یاد رہے کہ میونخ سے ایما کے نام اقبال کے پہلے خط پر تاریخ تحریر ۱۶/اکتوبر ۱۹۰۷ء درج ہے اور اس کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ ''مجھے (ہائیڈل برگ سے) آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔'' (دُرّانی، ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

۹- دراصل اس وقت اقبال کی عمر تیس، اکتیس برس کی تھی اور مس ویگے ناسٹ ان سے قریب دو تین سال چھوٹی تھیں۔ (دُرّانی)

۱۰- دیکھیے اقبال کا خط (نمبر ۱۸) بنام مس ویگے ناسٹ، مورخہ ۳۰/جولائی ۱۹۱۳ء (از لاہور):

''مجھے وہ وقت بخوبی یاد ہے جب میں نے گوئٹے کی شاعری آپ کے ساتھ پڑھی۔ اور اُمید ہے کہ آپ کو بھی وہ ایامِ خوش یاد ہوں گے جب ہم روحانی طور سے ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے''۔ اور خط نمبر ۲۲، مورخہ

۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء (از لندن): ''میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کرسکوں گا جب آپ نے مجھے گوئٹے کا ''فاؤسٹ'' پڑھایا اور دیگر کئی طرح سے میری مدد کی تھی۔ وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے...... مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے، جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے......''

۱۱- یہ آخری فقرے کافی مبالغہ آمیز نظر آتے ہیں۔ اور جنابِ اقبال ہائیڈل برگ سے واپسی پر لندن میں قیام پذیر ہوئے تھے نہ کہ کیمبرج میں۔ (دُرّانی)

۱۲- دراصل مس ایما ویگے ناسٹ نے ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ یہ خطوط اسی غرض سے پاکستان جرمن فورم کے صدر جناب ممتاز حسن مرحوم اور معتمد جناب محمد امان ہوبوہم کے حوالے کر دیے تھے۔ لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر آج تک یہ اہم خطوط کسی محافظ خانے (Archives) تک نہیں پہنچائے گئے۔ دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں (دُرّانی)۔

پس تحریر: یہاں ۱۹۶۶ء میں تحریر کردہ یہ جملہ کہ اقبال نے ایما کو ستائیس خط لکھے، اطمینان بخش ہے۔ کیوں کہ اقبال یورپ میں میں میں نے جو خطوط شائع کیے ہیں، اُن کی تعداد ۲۷ ہی ہے۔ چنانچہ امان ہوبوم صاحب کا یہ خدشہ کہ شاید شروع میں ان خطوط کی تعداد تقریباً چالیس تھی اور ممکن ہے بعض خط اُن کے تبادلوں کے دوران گم ہو گئے ہوں، غالباً مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ میں نے ایما کے نام اقبال کے لکھے گئے ان تمام دست نوشتہ خطوط کے عکوس اقبال یورپ میں کی طبع ثانی (فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۹ء) میں شائع کر دیے تھے۔ چنانچہ اب یہ اِس کتاب کے نئے اڈیشن (مطبوعہ انجمن ترقیِ اُردو (ہند) نئی دہلی ۲۰۰۴ء) میں بھی چھپ گئے ہیں۔ (دُرّانی ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

باب دوم

ہائیل برون

گذشتہ صفحات میں آپ میرا وہ مفصّل مضمون ملاحظہ کر چکے ہیں جو ستمبر ۱۹۸۴ء میں میرے دورۂ ہائیڈل برگ کا احاطہ کرتا ہے اور جس میں علامہ اقبال کی قدیمی اقامت گاہ (دورانِ تابستان ۱۹۰۷ء) کے مفصّل حالات اور ہائیڈل برگ کے ساتھ علامہ کے تعلقات بیان کیے گئے ہیں۔

موجودہ حصّہ ستمبر ۱۹۸۴ء کے آخری ایّام میں میرے دورۂ ہائیل برون (Heilbronn) پر محیط ہے، جہاں مس ایما ویگے ناسٹ کی آخری آرام گاہ واقع ہے اور جو ان کا آبائی قصبہ تھا۔ یہ حصّہ میں نے دراصل آج سے ایک سال قبل یعنی اگست ۱۹۸۷ء میں جنوبی ہسپانیہ کے ایک گاؤں Bella Orcheta میں تحریر کیا تھا جہاں ہم تین ہفتے کے لیے گرمیوں کی چھٹیاں منانے کے لیے مقیم تھے۔ لیکن ہمارے ورودِ ہسپانیہ کا روزِ اوّل ایک طالعِ نحس کا مثیل ثابت ہوا۔ وہ یوں کہ جونہی میری بیوی اور میں یکم راگست ۱۹۸۷ء کی شام کو Alicante (الیقانتے) کے ہوائی اڈے پر اُترے اور اپنا سامان ٹرالی (Trolley) میں سے اس کار کے بُوٹ میں لادنا شروع کیا جو ہم نے تین ہفتے کے لیے کرائے پر لی تھی، تو معاً چند نوجوان متحرک اُٹھائی گیرے (Mobile thieves) ایک کار میں وہاں وارد ہوئے۔ ایک نوجوان لڑکی کار میں سے اُچھل کر اُتری۔ میرا بریف کیس ٹرالی میں سے دبوچا، متحرک کار میں واپس داخل ہوئی اور کار یہ جا وہ جا ہوگئی۔ شام کے دھندلکے میں میں کار کا نمبر بھی ٹھیک سے نوٹ نہ کر سکا۔ میں چند قدم کار کے پیچھے دوڑا اور اس کے بوٹ پر دستک بھی دی، لیکن اُٹھائی گیرے چشم زدن میں ہوا ہوگئے۔

اس بیگ میں وہ کیا خزانہ تھا جو ان چوروں کے ہاتھ لگا اور جس کا ضیاع میرے لیے سوہانِ روح ثابت ہوا؟ تو سنیے۔ سب سے پہلے تو اس میں پچاس، اکیاون صفحے کا وہ دست نوشتہ مسودہ تھا جو اس مضمون کا حصۂ اوّل ہے۔ پھر میونخ، ہائیڈل برگ اور ہائیل برون کے دورے اور مختلف اشخاص کے ساتھ ملاقاتوں اور Interviews کے بارے میں چوبیس صفحے کے نوٹ اور یادداشتیں اور نقشے تھے جو

میں نے ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۴ء میں بر مقام (In Situ)، اور گھر واپس پہنچتے ہی، تحریر و تیار کیے تھے۔ ایک اہم اور نایاب چیز ویگے ناسٹ خاندان کا شجرۂ نسب تھا جو مجھے مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۴ء کو عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ پروفیسر کرش ہوف کے (جو مس ایما ویگے ناسٹ کے چچازاد بھائی کی بیٹی ہیں) اور مسز ایڈتھ شمٹ۔ ویگے ناسٹ کے (جو ایما کی برادر زادی ہیں) میرے نام خطوط، پروفیسر کرش ہوف کے بھیجے ہوئے ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کے کیلنڈر بابت ۱۹۰۷ء کے صفحات متعلقہ بہ پروفیسر شیرر، پھر جناب ہنس ہیلمتھ سوئسلر (اقبال کے قدیمی مکان واقع ہائیڈل برگ کے موجودہ مالک) کی اقبال فائل کے بعض بے حد اہم حصوں کی فوٹو کاپیاں، جناب ڈاکٹر بوُ زاش (سابق ڈائریکٹر میونخ یونی ورسٹی لائبریری) کے ساتھ انٹرویو کی تفصیلات اور ان کی مہیا کی ہوئی چند اہم دستاویزیں، پروفیسر انماری شمل کا لکھا ہوا میرے نام ایک خط۔ یہ سب مواد اور کئی ایک اور قیمتی کاغذات اس بریف کیس کے اندر بند تھے۔

دراصل اگست ۱۹۸۷ء میں جب میں اور میری بیوی ہسپانیہ، تعطیلات کے لیے گئے تو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنے ساتھ کوئی سائنسی کام کاج اور کاغذات لے کر نہ جاؤں گا بلکہ صرف اقبالی مواد ساتھ رکھوں گا۔ تاکہ وہاں جم کر اس سلسلۂ مضامین کو مکمل کرلوں۔ مزید برآں میرا ارادہ تھا کہ جولائی ۱۹۸۶ء میں مَیں نے کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری میں جو دو اہم مخطوطے دریافت کیے تھے، ان پر بھی کام کرنے کی کوشش کروں گا (ان میں سے پہلا تو ایک بے نظیر نسخہ ہے یعنی پروفیسر نکلسن کے اسرارِ خودی کے مطبوعہ ترجمے پر علامہ اقبال کے ہاتھ کی، کی ہوئی ہزار ہا تصحیحات اور شذرات و توضیحات*، اور دوسرا مخطوطہ پروفیسر آربری کا کیا ہوا گلشنِ راز جدید کا غیر مطبوعہ ترجمہ** ہے۔ خوش قسمتی سے ان دونوں مخطوطوں کی فوٹو کاپیاں میرے بیگ میں نہ تھیں بلکہ میرے صندوق میں بند تھیں اور یوں محفوظ رہیں)۔ میرے بیگ میں جو دیگر چیزیں موجود تھیں اور چوری ہوئیں ان میں سے میرے لیے سب

---

* یہ کتاب (اسرارِ خودی) مع توضیح و تنقیح و تجزیہ میں نے بالآخر فروری ۲۰۰۱ء میں کراچی یونی ورسٹی پریس سے شائع کردی ہے (دُرّانی۔ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)

** یہ مسودہ (آربری) بوقتِ تحریر، طباعت کے لیے تیار ہورہا ہے۔ (ایضاً)۔ (پس تحریر۔ یہ کتاب (گلشنِ رازِ جدید) بعد از خرابیِ بسیار، آخر کار دسمبر ۲۰۰۵ء میں کراچی یونی ورسٹی پریس سے اشاعت پذیر ہوگئی ہے۔
(دُرّانی، ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

سے زیادہ باعثِ قلق ۱۹۸۴ء کے دورے کے دوران کی قریب چار درجن وہ تصویریں تھیں جو میں نے ہائیڈل برگ میں پروفیسر کرش ہوف کی معیت میں مس ایماویگے ناسٹ کی سابقہ قیام گاہوں پر اور پھر ہائیل برون میں مس ایلساویگے ناسٹ کے گھر پر اور بالخصوص اس قبرستان میں کھینچی تھیں جہاں ایما اور صوفی ویگے ناسٹ دفن ہیں۔ علاوہ ازیں میونخ میں علامہ اقبال کی سابقہ قیام گاہ 41 Schelling Strasse اور ان کی یونی ورسٹی کی تصویریں، اور جناب بوزاش کے مکان میں ان کی اور میری ایک ساتھ کی تصاویر، یہ سب چیزیں ضائع ہوگئیں۔ ان تصویروں کے ساتھ ہی ان کے بہت سے Negatives بھی تھے جو چوری ہوگئے۔ (اگرچہ برمنگھم واپسی پر یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اس دورے کی تصاویر کے کئی ایک نیگیٹو میرے گھر پر محفوظ تھے)۔ لیکن اپنے ذاتی کاغذات کے ضیاع کے علاوہ ایک گہرا دکھ جو مجھے ہوا وہ یہ تھا کہ اس بیگ میں کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری سے مستعار لی گئی تین کتابیں بھی بند تھیں جن میں سے اہم ترین اقبال کی اسرارِ خودی کے ترجمہ از پروفیسر نکلسن کے دوسرے اڈیشن کا وہ نسخہ تھا جو جناب پروفیسر آربری کی ملکیت میں رہ چکا تھا اور جس کے حاشیوں پر آربری صاحب کے کئی ایک نوٹ اور نشانات واستفساری علامات ثبت تھیں۔ (کتاب کی جلد کے اندرونی صفحے پر ایک چٹ چسپاں تھی کہ یہ کتاب* پروفیسر اے-جے-آربری کے کتب خانے کا حصہ تھی جو ان کی وفات (۱۹۶۹ء) کے بعد کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری کو عطا کیا گیا تھا۔)

ہیہات، کہ اب یہ نادرۂ روزگار کتاب اور باقی سب تصویریں، اور میرے تین سال کے دوران جمع کیے ہوئے وہ سب کاغذات اور یادداشتیں، الیقانتے کے کسی کوڑے کباڑ کے ڈھیر کے نیچے دفن ہوں گی، جہاں ان بے رحم ڈاکوؤں نے اس تمام مواد کو بے قیمت سمجھ کر پھینک دیا ہوگا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے کہ میں نے کس طرح اس بیگ کی بازیابی کے لیے اپنی سی پوری کوشش کی اور نہ صرف الیقانتے اور ایلچے (Elche) کے پولیس اسٹیشنوں میں اس چوری کی رپورٹیں داخل کیں، بلکہ الیقانتے کے ہسپانوی زبان کے اخبار اطلاعات (*Informacióne*) میں میرا ایک سہ کالمی انٹرویو بھی شائع ہوا جس میں تحریر کیا گیا کہ "خالقِ نظریۂ پاکستان، سرمحمد اقبال پر ایک برطانوی "ماہرِ تاریخ" (Professor of History) (کذا) کی سالہا سال کی جمع کی ہوئی تحقیقات و معلومات الیقانتے کے ہوائی اڈے پر اُٹھائی گیروں کی نذر ہوگئی ہیں، جب کہ پروفیسر دُرّانی کے ہسپانیہ کے قیام کا واحد مقصد ان تحقیقات پر مبنی ایک

---

* میرا خیال ہے کہ اس نسخے کی ایک فوٹو کاپی میرے کاغذات میں اب بھی کہیں محفوظ ہے۔ (دُرّانی، ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

کتاب کا تحریر کرنا تھا۔" اس کے ساتھ میں نے بیگ اور اس کے مشمولات کی وضاحت پر مشتمل ایک اشتہار بھی شائع کیا (جس پر میرے پندرہ سو روپے خرچ ہوئے) اور اس بیگ کا کھوج لگانے والے کو قریب چار ہزار روپے انعام دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اس کے چند روز بعد ایک مقامی انگریزی اخبار (*Post*) میں بھی میری تصویر اور اشتہار کے ساتھ اس ڈاکے کی ایک مفصّل رپورٹ شائع ہوئی۔ پھر پولیس والوں نے اور میں نے ہوائی اڈے کے گرد و نواح میں کافی چھان بین بھی کی، لیکن ان کاغذات کا قطعاً کوئی سراغ نہ ملا۔

اس کے بعد میں سوائے اس کے کہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہہ کر اپنے سینے پر صبر کا بھاری پتھر رکھ لوں اور کیا کر سکتا تھا۔ لیکن بقولِ اقبال ؎ "کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد"۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جو مواد کھو گیا ہے، اسے دوبارہ حاصل کروں۔ چنانچہ اس چوری کے دو ماہ بعد جب اکتوبر ۱۹۸۷ء میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں میرا میونخ جانا ہوا تو میں نے نہ صرف ڈاکٹر بُوزاش سے دوبارہ ملاقات کی اور علامہ اقبال کی قیام گاہ کی تازہ تصاویر حاصل کیں، بلکہ مجھے ایک قطعی نعمتِ غیر مترقبہ وہاں حاصل ہوئی...... یعنی علامہ اقبال کے میونخ یونی ورسٹی سے ۱۹۰۷ء میں پی-ایچ-ڈی کرنے کی مکمل فائل، جو وہاں کے Archives (حفاظت خانے) میں پچھلے اسّی سال سے زمانے کی آنکھوں سے اوجھل محفوظ پڑی تھی (اس کے بارے میں میرا ایک ابتدائی اور تعارفی (Introductory) مضمون نوائے وقت لاہور کے یومِ اقبال نمبر مورخہ ۲۱ر اپریل ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکا ہے)۔ پھر پروفیسر کرش ہوف سے خط و کتابت کے ذریعے اور موجودہ یورپی دورے (اگست ۱۹۸۸ء) کے دوران بیگم ایڈتھ شمٹ ونگے ناسٹ سے ڈُسل ڈورف میں پچھلے ہفتے کئی نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اٹلی اور آسٹریا سے واپسی پر ان شاءاللہ (یعنی اب سے دو ہفتے بعد) ہائیل برون میں مسز ایلسا ونگے ناسٹ سے دوبارہ ملاقات ہوگی اور میں کچھ مزید تصاویر اور شجرۂ نسب کی کاپی وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یعنی "ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں۔" شرط صرف ہمت کا نہ ہارنا ہے۔ ہاں، خوش قسمتی سے موجودہ مضمون کے حصۂ اوّل کی ایک فوٹو کاپی میں مارچ ۱۹۸۷ء میں الجیریا جانے سے پیشتر برمنگھم یونی ورسٹی میں چھوڑ آیا تھا، چنانچہ اسی کی بنا پر وہ حصہ* یہاں شائع ہو رہا ہے۔ اسرارِ خودی کے نسخۂ آربری کی ایک مکمل فوٹو کاپی بھی میں نے احتیاطاً یونی ورسٹی میں محفوظ کر رکھی تھی۔ کچھ تصاویر کے

---

* یعنی موجودہ کتاب کا مضمونِ اوّل: ہائیڈل برگ (دُرّانی، ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

نیگیٹو، اور ''سوئسلر فائل'' اور ''وِیگے ناسٹ فائل'' کے بالکل مکمل تو نہیں، لیکن نوے فی صد کے قریب تمام فوٹو اسٹیٹ بھی محفوظ تھے، ورنہ سوائے، ع: ''گیا ہے سانپ نکل، اب لکیر پیٹا کر'' کہنے کے اور چارۂ کار نہ ہوتا۔ میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ بہت سی چیزوں کا نعم البدل مل گیا بلکہ جو کچھ کھویا اس سے کہیں زیادہ میں نے پایا۔ کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

اس طویل تمہید کے بعد اب میں اس مضمون کے حصۂ دوم کے اس نسخے کی طرف لوٹتا ہوں جو میں نے آج سے ایک سال قبل، بروز ۱۴/اگست ۱۹۸۷ء جنوبی ہسپانیہ کے قصبے Bella Orcheta (باغچۂ حسیں) میں شروع کیا تھا اور اس تعطیل گاہ سے واپسی سے دو روز قبل یعنی ۱۹/اگست ۱۹۸۷ء کو ختم کر لیا تھا۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مَیں نے تفصیلاً ذکر کیا ہے، اتوار ۳۰/ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز ہماری دو مصروفیات متعین تھیں۔ پہلی علامہ اقبال کے قدیمی مکان واقع ہائیڈل برگ میں موجودہ مالکِ مکان جناب سوئسلر کے ساتھ ملاقات، اور دوسری اقبال کی ۱۹۰۷ء میں جرمن زبان کی اتالیقہ مس ایما وِیگے ناسٹ (Miss Emma Wegenast) کے آبائی قصبے ہائیل برون (Heilbronn) کی زیارت، اور وہاں ایما کے قرابت داروں کے ساتھ ملاقات، بالخصوص ایما کی آخری آرام گاہ اور ان کے آبائی مکان کا دیدار۔[1]

جناب سوئسلر کے ساتھ ہماری ملاقات کا مفصّل تذکرہ ہو چکا ہے۔ دراصل سوئسلر صاحب کے ساتھ ملاقات صرف آدھے گھنٹے کے لیے معین ہوئی تھی، لیکن یہ بات چیت اس قدر معلومات افزا ثابت ہوئی اور وہ ہمارے ساتھ اس قدر تلطّف سے پیش آئے کہ جب ہم نے قریب دو گھنٹے بعد ان سے اجازت چاہی اور ان کی بکمالِ عنایت عاریتاً عطا کردہ ''اقبال فائل'' ساتھ لے کر ان کے گھر (یعنی بالفاظِ اقبال ''شیر منزل'') سے نکلے، تو قریب سوا بارہ بج رہے تھے جب کہ مسز ایلسا وِیگے ناسٹ کو ہم نے ملاقات کے لیے بارہ بجے کا وقت دے رکھا تھا۔ اور ہائیل برون، ہائیڈل برگ سے قریب پچاس کلومیٹر پر واقع تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے تو ہم نے ہائیڈل برگ کے مرکزی علاقے میں ایک ٹیلی فون بوتھ سے مسز ایلسا وِیگے ناسٹ کو فون کیا اور معذرت پیش کی کہ بدقسمتی سے ہمیں ہائیل برون پہنچنے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔ شاید ڈیڑھ بجے تک ہم وہاں پہنچ پائیں گے۔ انھوں نے کہا وہ چرچ سے واپس آ چکی ہیں اور اگرچہ پچھلے پہر ایک عزیزہ کے یہاں انھیں چائے پر جانا ہے تاہم وہ ہماری آمد کا انتظار کریں گی۔

اس کے بعد ہم نے سوچا کہ کیوں نہ جلدی سے دوپہر کا کھانا کھا لیا جائے، ورنہ پھر موقع نہ ملے

گا۔ چنانچہ ہم وسطِ شہر (City centre) میں ایک اطالوی ریستوراں میں پہنچے، اور ایک ایک Pizza کا (اطالوی خمیری روٹی، جس پر مچھلی کے قتلے، ٹماٹر، پنیر، بڑی سبز مرچیں وغیرہ پک کر اور پگھل کر چسپاں ہوتی ہیں) آرڈر کیا، کیوں کہ یہ عموماً غذائے سریع (Fast Food) سمجھی جاتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اطالوی خورونوش اس قدر آہستہ خرام ہوتی ہے کہ بار بار کی یاددہانیوں کے باوجود جب اطالوی بیرے نے پکوان ہماری میز پر جمایا تو قریب سواج رہا تھا۔ ہم نے پلک جھپکتے میں کھانے پر ہاتھ صاف کیا اور وہاں سے بھاگے۔ رستے میں مجھے خیال آیا کہ مزید رنگین فلم لے لی جائے تاکہ ہائیل برون میں تصویریں اُتارنے میں رُکاوٹ نہ ہو۔ لیکن اتوار کو سب دکانیں بند نکلیں اور بڑی مشکل سے ریلوے اسٹیشن پر فلم خریدنے میں کامیابی ہوئی۔

ہمیں اس تاخیر سے بڑی اُلجھن ہو رہی تھی۔ لیکن بہرصورت قریب دو بجے ہم ہائیڈل برگ سے نکل کر شاہراہ Autobahn پر گامزن ہوئے۔ کارل ہائنز نے کار بڑی تیز رفتار سے دوڑائی۔ رستے میں المانیہ کے خوش منظر درخت، پھول دار پودے، جنگلی جھاڑیاں، خودرو گل بوٹے برق رفتار سرعت کے ساتھ اُڑتے چلے جا رہے تھے اور پونے تین بجے کے قریب ہم ہائیل برون کے مضافات میں داخل ہو گئے۔

مسز ایلسا ویگے ناسٹ کے یہاں

مسز ویگے ناسٹ نے ہمیں اپنا مکان ڈھونڈنے سے متعلق ہدایات دے رکھی تھیں کہ ریل کی لائنوں کے اوپر سے گزر کر فلاں جگہ بائیں ہاتھ مڑ جاؤ وغیرہ۔ ہائیل برون ایک متوسط سائز کا خوب صورت پرانا قصبہ ہے۔ اس روز اتوار کی وجہ سے دکانیں اور دفتر بند تھے۔ شہر کے باشندے کم کم ہی نظر آ رہے تھے۔ بہرصورت ہم بھولتے، بھٹکتے کسی نہ کسی طرح Blücher Strasse تک پہنچ ہی گئے۔ یہ سڑک شہر کے کنارے پر کھلے کھیتوں کے سامنے واقع تھی۔ نمبر ۲٦ کے سامنے ایک باڑ لگی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا خوب صورت باغیچہ اور پھر مکان کی پورچ، جہاں ایک سفید بالوں والی بوڑھی خاتون ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں۔ انھوں نے ہاتھ ہلا کر ہمارا استقبال کیا اور اندر آنے کی دعوت دی۔

ہم اندر داخل ہوئے تو سب سے پہلے اس قدر دیر سے پہنچنے کے لیے معافی چاہی۔ مسز ویگے ناسٹ نے کہا کہ ان کی ایک عزیزہ کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے اور انھیں پچھلے پہر وہاں چائے کے لیے جانا تھا (ہائیل برون ہی میں یا اس کے قرب و جوار میں)، لیکن اب وہ وہاں شام کو چلی جائیں

گی۔ مکان کے سامنے اور عقب میں ایک بڑا ہی خوب صورت باغیچہ تھا جس میں رنگا رنگ پھول اور گل بوٹے بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ پرندے چہچہا رہے تھے اور باغ میں اِکا دُکا سفید کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کہ ان پر بیٹھ کر دھوپ تاپی جاسکے۔ ہم وہاں تھوڑی دیر کے لیے ان کی پورچ میں بیٹھے۔ انھوں نے اپنے خاندان کے چند افراد سے، جو اس وقت گھر پر تھے، تعارف کرایا۔ ایک ان کی بڑی خوب صورت فرانسیسی نژاد بہو تھیں، جن کا نام اَینی فرانس (Annie-France) ویگے ناسٹ تھا۔ یہ ان کے چھوٹے بیٹے ڈیٹر (Dieter) کی بیوی تھیں، جو مشنری کی حیثیت سے جنوبی افریقہ میں آباد ہوگیا تھا، لیکن چند سال پیشتر اپنے چرچ کے حکم پر واپس جرمنی آکر بس گیا تھا۔ اینی فرانس کے دو پیارے بچے بھی وہاں تھے۔ قریب بارہ تیرہ سال کا بیٹا ڈیوڈ اور چار پانچ سال کی بیٹی سونیا۔ مسز ویگے ناسٹ نے بتایا کہ وہ پچھلے آٹھ برس میں تقریباً ہر سال جنوبی افریقہ جایا کرتی تھیں اور وہاں کئی کئی ماہ ٹھہرا کرتی تھیں، اور ایک مرتبہ شاید دو سال تک وہاں رہ پڑی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ اسی وجہ سے میں انگریزی زبان آسانی کے ساتھ بول سکتی ہوں۔ ان کا بڑا بیٹا ہنس اپنے خاندان کے ساتھ اسی مکان کے پچھواڑے میں واقع دوسرے مکان میں رہتا ہے جس کا نمبر Blücher Strasse.26-I ہے۔ ہنس Electronics کی ایک صنعتی فرم کے ساتھ وابستہ ہے اور مختلف صنعتی نمایشوں میں حصّہ لینے کے لیے کبھی فرینکفرٹ اور کبھی مشرقی المانیہ میں لائپزگ وغیرہ جاتا رہتا ہے۔ وہ آج صبح ہم سے ملنے کا منتظر تھا، لیکن پھر اسے باہر جانا پڑ گیا۔ انھیں اُمید تھی کہ شاید ہماری واپسی سے پہلے وہ گھر لوٹ آئے گا اور ہم سے مل سکے گا۔

پھر مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے فرمایا کہ تمہارے آنے سے پہلے میری عزیزہ پروفیسر ہیلا کرش ہوف (Hella Kirchhoff) نے دوبارہ ٹیلی فون کرکے مجھے تاکید کی تھی کہ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں اور ہوسکے تو ایما ویگے ناسٹ کی کوئی تصویر تمھیں بہم پہنچاؤں۔ لیکن ہمارے پاس ایما کی کوئی تصویر موجود نہیں ہے، سوائے اس اخبار کی فوٹو کاپی کے جو ہمیں ایک پاکستانی پروفیسر نے اس سال کے اوائل میں دی تھی۔ سو اگر تم چاہو تو بخوشی یہ لے لو۔ لیکن میں نے دیکھا کہ یہ روزنامہ *Heidelberger Tageblatt* بتاریخ ۲۹ رجون ۱۹۶۶ء کے اسی صفحے کی فوٹو کاپی ہے جس کا مفصل ذکر اس مضمون کے حصۂ اوّل میں آچکا ہے اور جس اخبار کا ایک اصل صفحہ اُسی صبح جناب سوئسلر مجھے عطا کرچکے تھے (چونکہ ان کے پاس اس صفحے کی تین چار کاپیاں موجود تھیں جس پر علامہ کے ۱۹۰۷ء کے

قیامِ ہائیڈل برگ کا حال مع ایما اور اقبال کی تصاویر کے درج تھا)۔ ظاہر ہے کہ مسز ویگے ناسٹ کو یہ فوٹو کاپی ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب نے بہم پہنچائی تھی، جنھوں نے افکار بابت مئی ۱۹۸۳ء میں ایما اور اقبال کی خط و کتابت کے بارے میں میرا مضمون پڑھ کر خود بھی اس مسئلے میں کچھ عملی دلچسپی دکھائی تھی۔ وہ ہائیڈل برگ میں اپنی اقبال فیلوشپ کا عرصہ ختم کر کے حال ہی میں پاکستان واپس جا چکے تھے۔ میں نے مسز ویگے ناسٹ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس اخبار کا یہ صفحہ مجھے اسی روز دستیاب ہو چکا ہے، چنانچہ مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، وہ بخوشی اسے اپنے ہی پاس رکھ لیں۔

مسز ایلسا ویگے ناسٹ کچھ عرصہ اپنے خاندان سے متعلق باتیں کرتی رہیں، جن کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔ وہ کافی بے تکلف اور ہنس مکھ خاتون تھیں اور بات چیت کرنے کی شوقین۔ کہنے لگیں کہ میں پیدائشی ویگے ناسٹ نہیں ہوں اور ایما ویگے ناسٹ سے (جن کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہو گیا تھا) میں کبھی نہیں ملی تھی، لیکن پروفیسر ہیلا ویگے ناسٹ ان کے بارے میں بہت سی معلومات رکھتی ہیں کہ وہ خود ولادۃً ویگے ناسٹ تھیں۔ مجھے ایما سے متعلق جو بھی اطلاعات ہیں، وہ پروفیسر ہیلا ہی نے بہم پہنچائی تھیں۔ میں نے نوٹ کیا کہ ایلسا خاتون اپنے خاندان کا نام ''ویگے ناشٹ'' کے طور سے ادا (Pronounce) کر رہی تھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ معاف کیجیے کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آیا اس نام کا تلفظ ویگے ناشٹ (یعنی حرف ''ش'' کے ساتھ) ہے یا ویگے ناسٹ (''س'' کے ساتھ) کیوں کہ جہاں تک میں سُن پایا تھا، پروفیسر کرش ہوف اسے ''س'' کے ساتھ بول رہی تھیں۔ مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے کہا کہ ''نہیں، اس نام کا صحیح تلفظ ویگے ناسٹ ہی ہے۔ دراصل ہم یہاں (Schwabia) کے علاقے کے رہنے والے اسے اپنے علاقائی لہجے (Schwabian Dialect) میں ویگے ناشٹ کے طور سے (یعنی ''ش'' کے ساتھ پکارتے ہیں''۔[۲] یاد رہے کہ جرمن زبان میں اگر کسی Vowel سے قبل S کے ساتھ T یا P کا حرف واقع ہو، تو S کا تلفظ ''س'' کے بجائے ''ش'' ہو جاتا ہے۔ مثلاً Stein (شٹائن) اور Spiel (شپیل)۔

ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر

اس کے بعد میں نے بیگم ویگے ناسٹ سے عرض کیا کہ میرے ہائیل برون آنے کی ایک بڑی غرض (ان کے ساتھ ملاقات کے علاوہ) یہ تھی کہ ممکن ہو تو مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کروں اور میں نے اپنی اس آرزو کا ان سے ٹیلی فون پر ایک ہفتہ پہلے بھی ذکر کر رکھا تھا۔ انھوں نے

کہا کہ ہاں، میں نے اس کا بندوبست کر رکھا ہے اور ایک دو روز ہوئے مقامی قبرستان کے دفتر سے میں نے ایما کی قبر کا نمبر معلوم کرلیا ہے۔ اس پر وہ اندر گئیں اور ایک صندوقچی میں سے وہ پرزہ نکال کر لائیں جس پر یہ نمبر رقم تھا۔ یہاں اسے حوالے کے لیے درج کرتا ہوں ABT .4, Reihe 9, Grab 23-24 یعنی حصۂ چہارم، قطار نو، قبور ۲۳-۲۴۔ یہ کاغذ برآمد کرنے کے بعد ایلسا صاحبہ نے کہا چلیے، میں تیار ہوں۔

چنانچہ ہم چاروں (یعنی بیگم ویگے ناسٹ، شہناز، کارل ہائنز اور میں) کارل ہائنز کی کار میں سوار ہوکر بیگم ویگے ناسٹ کی ہدایات کی تعمیل کرتے ہوئے روانہ ہوگئے۔ یہ قبرستان ان کے گھر سے چار پانچ میل کے فاصلے پر شہر کے ایک اور گوشے میں آباد تھا۔ میں ''آباد تھا'' کے الفاظ اس لیے استعمال کررہا ہوں کہ جرمنی کے قبرستان ہمارے یہاں کی بعض آبادیوں سے بڑھ کر حسین وجمیل اور پُررونق ہوتے ہیں۔ ان کے اندر سرو وصنوبر کے سہی قامت درخت، رنگارنگ جھاڑیاں اور گل بوٹے، اور سبزۂ بیگانہ کے بچھونے دور دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔ اس گلستان کے اندر تمام قبریں روش در روش صف بستہ ہوتی ہیں اور بڑی Planning کے ساتھ متوازی قطاروں میں آراستہ نظر آتی ہیں، جن پر نمبر شمار لگے ہوتے ہیں تاکہ ان کی تلاش میں آسانی رہے۔ ہر روز اور بالخصوص اتوار کے دن بہت سے لوگ (خصوصاً خواتین) قبروں پر پھول چڑھاتے اور گھاس پھونس کی صفائی کرتے اور لحدوں پر آب افشانی کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض خاندانوں کی قبریں خاص گوشوں اور کنجوں میں یک جا ہوتی ہیں، جیسا کہ ہمارے یہاں بھی دستور ہے۔

مسز ویگے ناسٹ اپنے کاغذ کے نقشے کے مطابق ڈھونڈتی ڈھانڈتی چند منٹ بعد اس گوشے میں پہنچ ہی گئیں، جہاں ویگے ناسٹ خاندان کی قبریں واقع تھیں۔

سب سے پہلے ہم جس کُنجِ لحد پر پہنچے وہاں زرد، قرمزی اور کاسنی رنگوں کے چھوٹے چھوٹے خوشنما پھولوں اور بیلوں میں گھرے ہوئے کتبے سے ظاہر تھا کہ یہاں اس خاندان کے چار افراد دفن ہیں۔ ایلسا خاتون نے مزار کے پاس بیٹھ کر بڑی محبت کے ساتھ جب یہ بیلیں اور گھنے دبیز پتے ہٹائے تو وہاں چار نام ایک ہی کتبے پر یوں تحریر تھے۔ (اوپر سے نیچے کی طرف): Sophie Wegenast (اسمِ مولود Neher) ۱۸۴۸ء تا ۱۹۰۰ء، اس کے نیچے Adolf Wegenast (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۳ء)، پھر Fritz Wegenast (۱۸۹۱ء تا ۱۹۴۱ء)۔ اور سب سے نیچے Emma Wegenast (۱۸۷۹ء تا

۱۹۶۴ء)۔ اوّل الذکر دو اشخاص ایما کی والدہ اور والد تھے، اور تیسرا شخص ایما کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ بقول مسز ایلسا ویگے ناسٹ، اس مزار میں ایما کی بڑی بہن Sofie Wegenast بھی دفن تھیں، اگرچہ کتبے پر ان کا نام درج نہ تھا (پچھلے ہفتے بیگم شمٹ ویگے ناسٹ نے بھی اس بات کی تصدیق کی)۔

ایما ویگے ناسٹ کی قبر کو دیکھ کر میرے دل پر عجیب تاثر پیدا ہوا۔ میں اس قبر کے سامنے آنکھیں بند کر کے تا دیر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہا اور ان پرانے دنوں کی یادیں دل میں تازہ کرتا رہا جب ایما اور اقبال ایک ساتھ تھے اور ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے۔ اقبال نے اس تعلقِ خاطر کا اپنے خطوں میں بار بار ذکر کیا ہے۔ مثلاً ان کی یہ سطور: ''لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔ جو شخص آپ سے دوستی کر چکا ہو، اس کے لیے ممکن نہیں کہ آپ کے بغیر وہ جی سکے۔'' (لندن ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء)۔ ''میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اور میرا دل ہمیشہ بڑے خوب صورت خیالوں سے معمور رہتا ہے۔'' (خط نمبر ۶، مورخہ لندن ۲۱ر جنوری ۱۹۰۸ء)۔* ''آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہ کروں گا اور ہمیشہ آپ کے لطف و کرم کو یاد رکھوں گا'' (خط نمبر ۷ مورخہ ۲۵ر جنوری ۱۹۰۸ء، لندن**)۔ ''آپ کی تصویر میری میز پر رکھی ہے اور ہمیشہ مجھے ان سہانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے جو میں نے آپ کے ساتھ گذارے تھے'' (لندن، ۲۶ر فروری ۱۹۰۸ء)۔ ''میرے دلِ غمگیں میں آپ کے لیے بڑی خوب صورت سوچیں ہیں اور یہ خاموشی سے ایک کے بعد ایک آپ کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ یہ ہیں آپ کے لیے میری تمنائیں'' (لندن، ۳ر جون ۱۹۰۸ء)۔ ''اگرچہ کئی ملک اور سمندر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے، پھر بھی ہمارے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا۔ میرے خیالات ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ آپ کی طرف دوڑیں گے اور اس بندھن کو مضبوط بنائیں گے'' (لندن ۲۷ر جون ۱۹۰۸ء)۔ ''میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں، لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے...... ایما'' (سیالکوٹ، ۳ر ستمبر ۱۹۰۸ء)۔

*و** جیسا کہ میں نے اقبال یورپ میں کے دوسرے اڈیشن میں واضح کیا ہے۔ ان خطوط کو Transcribe کرتے ہوئے محترمہ شیریں ہوبوم نے غلطی سے اِن میں سے ایک پر ۲۵ر جنوری ۱۹۰۸ء کے بجائے ۲۰ر جنوری ۱۹۰۵ء کی تاریخ درج کردی تھی۔ چنانچہ کتاب کی طبع دوم (فیروز سنز لاہور ۱۹۹۹ء) اور طبع سوم (انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، ۲۰۰۴ء) میں اب ان دو خطوط (نمبرز ۶ اور ۷) کا Sequence درست کردیا گیا ہے۔ (دُرّانی، ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

''ہائیڈل برگ میں میرا قیام مجھے ایک خوب صورت خواب سا لگتا ہے اور میں اس خواب کو دہرانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ آپ بہتر جانتی ہیں'' (لاہور، ۱۱رجنوری ۱۹۰۹ء)۔ ''بعض اوقات میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہوں...... براہِ کرم مجھے اپنے دل اور اپنی یادوں میں ایک چھوٹی سی جگہ دیجیے گا'' (لاہور ۲۰رجولائی ۱۹۰۹ء)۔ ''اگر میں واقعی یورپ آیا تو یقیناً اُس دیارِ قدیم جرمنی کا بھی پھر سفر کروں گا اور آپ سے دوبارہ ہائیڈل برگ یا ہائیل برون میں ملاقات کو آؤں گا جہاں سے ہم دونوں ایک ساتھ اس عظیم فن کار، گوئٹے، کے مزارِ مقدس کو جائیں گے'' (لاہور، ۷رجون ۱۹۱۴ء)۔ ''میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کرسکوں گا جب آپ نے مجھے گوئٹے کا فاؤسٹ پڑھایا*......اور دیگر کئی طرح سے میری مدد کی تھی، وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے!...... میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ ہائیڈل برگ آؤں اور آپ سے اسی پرانے مقام پر ملاقات کروں۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے جس کے کنارے ہم دونوں گھوما کرتے تھے...... مجھے یہ کہنے کی بالکل ضرورت نہیں کہ میری یہ بڑی ہی آرزو ہے کہ میں پھر آپ سے ملوں اور اُن پُرمسرت دنوں کی یادیں تازہ کروں جو افسوس کہ اب ہمیشہ کے لیے گزر چکے ہیں'' (لندن، ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء)۔ اور آخر میں: ''مجھے یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ ان تمام برسوں میں مَیں نے آپ کو کبھی فراموش نہیں کیا اور میرے دل میں ہمیشہ یہ تمنا زندہ رہی ہے کہ میں دوبارہ آپ سے ملوں گا، لیکن بختِ تیرہ کو جو منظور ہوا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! اُن دنوں کی یاد جب ہم گوئٹے کا فاؤسٹ ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے*، ہمیشہ ایک غم انگیز مسرت کے ساتھ میرے دل میں آتی رہتی ہے۔ آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں کہ ان تمام سالہا سال کے دوران میں کیا کرتا اور سوچتا رہا ہوں۔ تو سنیے! میں نے بہت کچھ لکھا ہے اور وہ تمام چیزیں جو میں نے بطور شاعری اور فلسفے کے لکھی ہیں، وہ میں نے شائع کردی ہیں۔ تاہم میرے ذہن نے ہمیشہ ایک کمی سی محسوس کی ہے اور خود کو اپنے ان ہندی گردونواح میں تنہا سا پایا ہے۔ جوں جوں میری عمر بڑھ رہی ہے اس تنہائی کا احساس بھی فزوں تر ہوا جاتا ہے، لیکن سوائے تسلیم و رضا کے ہمارے لیے اور کوئی

* یہ بات کسی قدر تعجب زا ہے کہ جب ایما انگریزی زبان سے ناواقف تھیں تو وہ اقبال کو، جو ابھی جرمن زبان کے ابتدائی سبق لے رہے تھے، گوئٹے اور ہائنے وغیرہ کی شاعری کا مطلب کیسے سمجھاتی ہوں گی۔ کیا ''فراؤ پروفیسر'' کی مدد سے (جن کا اقبال نے اکثر ذکر کیا ہے)، یا کتب ہائے لغت کے توسط سے؟ (یہاں مجھے علامہ کا ایک شعر یاد آرہا ہے (بادنیٰ تغیر): ''زشعرِ دلکشِ اقبال می تواں دریافت — کہ درسِ فلسفہ می ''خواند'' و عاشقی ورزید'' (دُرّانی۔ ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

چارۂ کار نہیں، اور میں نے بھی پوری تسکینِ دل کے ساتھ اپنی قسمت کو قبول کر لیا ہے......" (خط نمبر ۲۴، لندن، ۱۷؍ جنوری ۱۹۳۲ء)۔ تو یہ تھیں وہ پاکیزہ اور جذبات سے مملو یادیں اور سوچیں جو اقبال کے دل میں ایما کے لیے سالہا سال تک موجزن رہیں اور یقیناً ایما کے دل میں بھی منعکس ہوتی رہی ہوں گی، (کیوں کہ جیسا کہ اس سے ایک روز قبل ایما کی برادر زادی پروفیسر ہیلا کرش ہوف نے مجھے بتایا تھا، ان کے خاندان میں یہ روایت تھی کہ ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ ایما ہندوستان جانے کی خواہش رکھتی تھی، لیکن اس کے بڑے بھائی کارل نے اسے اس سفر سے منع کر دیا تھا۔)[۳]

جب میں ایما کی قبر کے سرہانے بیٹھا یہ سوچیں اپنے ذہن میں تازہ کر رہا تھا تو اس وقت مجھے واقعی یہ محسوس ہوا گویا اقبال خود اس گھڑی میرے اور ایما ویگے ناسٹ کے ساتھ اسی گوشۂ خاک پر موجود ہیں اور خوش ہیں کہ سالہا سال کے بعد ان کا ایک قاصد اور ہم راز اُن کا پیامِ شوق لے کر وہاں آیا ہے ع

صبا بہ گلشنِ ویمر سلامِ ما برساں
کہ چشمِ نکتہ دراں خاکِ آں دیار افروخت

(اقبال)

فاتحہ خوانی کے بعد میں نے ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی چند ایک تصویریں اتاریں، جن میں سے چند میں مسز ایلسا ویگے ناسٹ اپنے شوہر کی پھوپھی ایما کی قبر کی تزئین کر رہی تھیں، اور ایک دو میں مَیں دعائے مغفرت کر رہا تھا یا ایما کی قبر پر پھول چڑھا رہا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس قبر کے چند پھول یادگار کے طور پر اپنی جیب میں رکھے اور ایما کو دل ہی دل میں سلام کہہ کر ان سے رخصت چاہی، اس خواہش کے ساتھ کہ ان شاء اللہ ایک روز پھر حاضر ہوں گا اور اس اثنا میں اقبال کے دلدادگان کو اس زیارت کے حالات سے آگاہ کروں گا۔

ایلسا ویگے ناسٹ نے کہا کہ چلیے اب آپ کو ویگے ناسٹ خاندان کی کچھ اور قبریں بھی دکھا دوں، جہاں میرے شوہرِ مرحوم کا مرقد بھی ہے۔ پھر وہ ہمیں ایما اور اس کے والدین کی قبروں سے کافی فاصلے پر اس قبرستان کے ایک اور گوشے میں لے گئیں۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک خاصا اثر آفرین (Impressive) کنجِ لحد واقع ہے، جس میں ایک پرشوکت بڑا سنگِ مزار ایستادہ ہے۔ اور اس گوشے کے گرداگرد تن آور پودے حلقہ کیے ہوئے ہیں، جن کے سرخ اور بادامی پھول نقرئی دھوپ میں

لہلہارہے ہیں۔ یہاں پروفیسر کرش ہوف کے والدین دفن تھے (ان کے والد ماجد کا نام Otto Wegenast تھا، اور وہ ۱۹۵۲ء میں فوت ہوئے تھے۔ ایک قبر پر ایلسا ویگے ناسٹ کے شوہرِ محترم (Ludwig) کا نام کندہ تھا، جن کا ۱۹۴۶ء میں انتقال ہوا تھا۔[۴]

ایلسا نے اپنے شوہر کی قبر پر پھولوں کو آراستہ کیا اور مرحوم کے بارے میں کچھ محبت آمیز الفاظ کہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ بے چارے تو نوجوانی میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے چند ماہ بعد فرانس میں جنگی قیدی (Prisoner of war) کے طور سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ ان کی عمر اُس وقت پینتالیس سال تھی۔

یہاں بھی چند مزید تصویریں اُتارنے کے بعد (جن میں سے ایک میں نے بعدازآں پروفیسر کرش ہوف کو انگلستان سے شکریے کے ایک خط کے ساتھ بھیج دی، جس میں ان کے والدین کا کتبہ دکھائی دیتا تھا) ہم لوگ واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں ہم دوبارہ ایما ویگے ناسٹ کی قبر کے سامنے سے گزرے اور میں نے پھر ایک بار اس لحد کے دیدار سے آنکھیں روشن کیں۔ جب ہم قبرستان سے گزر رہے تھے تو مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے فرمایا کہ ان قبروں کی نگہداشت اور Upkeep یعنی انھیں برقرار رکھنے کے لیے ویگے ناسٹ خاندان کو بلدیۂ ہائیل برون کو ہر دس سال (یا کسی ایسی ہی مدت) کے بعد ایک خاصی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ انھوں نے کنایتاً استفسار کیا کہ اب جب کہ علامہ اقبال کے توسط سے پاکستانی قوم اور ویگے ناسٹ خاندان کے درمیان ایک رشتہ استوار ہو گیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ مثلاً حکومت پاکستان ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی خبر گیری کے اخراجات کا ذمہ لے لے؟ میں نے کہا کہ میں اس بارے میں کوشش کروں گا۔ چنانچہ یہ سطور میں نے اسی نقطۂ نظر سے تحریر کی ہیں تا کہ مسز ایلسا ویگے ناسٹ کی یہ خواہش مَیں متعلقہ حکام کے علم میں لاسکوں۔ باقی ع

تو دانی حسابِ کم و بیش را

ہاں ایما ویگے ناسٹ کی لوحِ مزار پر ان کے والد ماجد کی تاریخ وفات یعنی ۱۹۱۳ء کو میں نے ذہنی طور سے بالخصوص نوٹ کیا۔ کیوں کہ علامہ اقبال کا خط نمبر ۱۸ بنام ایما ویگے ناسٹ (لاہور، ۳۰ رجولائی ۱۹۱۳ء) ایما کے والد محترم کی وفات ہی سے متعلق ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''مجھے آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے انتہا صدمہ ہوا ہے، اور اگرچہ میرا خط اس افسوس ناک سانحے کے بہت دنوں بعد آپ تک پہنچے گا تاہم اس اندوہناک نقصان میں آپ کے ساتھ مجھے جو

ہمدردی ہے اس کی شدت کو نہ وقت کم کرسکتا ہے، نہ فاصلہ.....'' چنانچہ ایما کے والد کا سنگِ مزار علامہ اقبال کے اس مجموعۂ خطوط کے معتبر ہونے (Authenticity) کی تصدیق کرتا ہے، اگر کسی تصدیق کی ضرورت ہوتو۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال کا ایما کے نام یہ وہ پہلا خط ہے جو (چھے سال کے عرصے میں) انھوں نے انگریزی زبان میں لکھا ہے۔ اس سے پیشتر تمام سترہ مکتوب جرمن زبان میں تحریر کیے گئے تھے۔ اور یہ خط علامہ نے انگریزی میں اس لیے لکھا کہ شدتِ جذبات کا اظہار کرسکیں، ورنہ اس سے قبل کے تمام خطوط میں وہ بار بار یہ معذرت کر رہے تھے کہ ''جب آدمی کوئی زبان نہیں لکھ سکتا تو اس کا قلم بہت دل شکستہ ہوتا ہے۔ اور ایسے انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے دلی جذبات کا پورا اظہار کر سکے۔'' (خط نمبر ۱۶، مورخہ ۱۱رمئی ۱۹۱۱ء از لاہور)۔ پھر ایک دفعہ جب ۱۹۱۳ء کے اس خط میں وہ انگریزی زبان میں اظہارِ جذبات کر چکے تو اس کے بعد کے تمام خطوط علامہ اقبال نے ایما کو انگریزی ہی میں لکھے ہیں۔

لوئزن شٹراسے میں ایما کا مکان

جب ہم قبرستان سے نکلے تو چار سوا چار بج رہے تھے اور میں کسی قدر عجلت میں تھا، کیوں کہ اسی شام ساڑھے آٹھ بجے مجھے فرینفکرٹ کے ہوائی اڈے سے برمنگھم کے لیے جہاز پکڑنا تھا اور فرینکفرٹ ہائیل برون سے قریب ستر (۷۰) میل دور تھا۔ اس کے باوجود میں نے مسز ویگے ناسٹ سے عرض کیا کہ میری دوسری بڑی خواہش یہ تھی کہ ہائیل برون میں اس مکان کی بھی زیارت کروں جہاں ایک زمانے میں (یعنی ۱۹۰۷ء اور اس کے قریب) ایما ویگے ناسٹ سکونت پذیر تھیں۔ واضح رہے کہ اقبال نے، مثال کے طور سے، اپنے خط نمبر ۲ (مورخہ میونخ، ۲۳راکتوبر ۱۹۰۷ء) میں ایما کا پتہ یوں لکھا ہے: Louisen Strasse 16, Heilbronn اور اپنے پوسٹ کارڈ مورخہ لندن، ۱۶رنومبر ۱۹۰۷ء (یعنی خط نمبر ۴) کی پشت پر ان کا پتا یوں تحریر کیا ہے: 16, Lousia Str. Heilbronn۔

ایلسا خاتون نے کہا کہ میں بخوشی تمھیں Luisen Strasse لے چلتی ہوں، لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران علاقے میں کافی بمباری ہوئی اور شہر کے بہت سے مکان تباہ ہو گئے تھے۔ پھر انھوں نے بتایا کہ ایما کے والد ایک کافی کھاتے پیتے شخص تھے اور کسی کاروبار میں مصروف تھے (جس کی صحیح نوعیت میرے ذہن سے اُتر گئی ہے[۴]) ان کے ہائیل برون شہر میں چار مکان تھے،[۵] جن میں سے

(غالباً) سب سے بڑا یہیں لوئزن اسٹراسے میں تھا۔ اور ایما اپنے والد کے ساتھ کئی سال تک اسی مکان میں مقیم رہی تھیں۔ (یاد رہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر آیا ان کے والد کا انتقال پہلی جنگ عظیم سے کچھ عرصہ قبل ۱۹۱۳ء میں ہوگیا تھا، اور شاید جنگ کے بعد ایما مستقل طور پر ہائیڈل برگ میں اُٹھ آئی تھیں۔ اقبال اپنے خط نمبر ۱۹، مورخہ ۷رجون ۱۹۱۴ء از لاہور میں لکھتے ہیں کہ ''ہوسکتا ہے کہ میں اگلے سال یورپ آؤں...... اگر میں واقعی یورپ آیا تو یقیناً اس دیارِ قدیم جرمنی کا بھی سفر کروں گا اور آپ سے دوبارہ ہائیڈل برگ یا ہائیل برون میں ملاقات کو آؤں گا......'' پھر اپنے خط نمبر ۲۱ مورخہ لندن ۱۵راکتوبر ۱۹۳۱ء میں وہ لکھتے ہیں کہ ''یہ جناب Metzroth* کی بڑی کرم فرمائی تھی کہ انھوں نے مجھے آپ کا حالیہ پتا بہم پہنچایا...... مجھے اطلاع دیجیے کہ کیا ابھی کچھ عرصہ آپ ہائیڈل برگ ہی میں قیام رکھیں گی؟'' ایما ہائیڈل برگ میں پہلے 5 Mozartstrasse میں، اور پھر 14 Steubenstrasse میں سکونت پذیر رہیں۔** علامہ اقبال کا خط نمبر ۲۵ مورخہ لندن ۱۶ردسمبر ۱۹۳۲ء اسی آخر الذکر پتے پر لکھا گیا۔ ؎

بہرحال، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے مجھے بتایا کہ کسی زمانے میں ایما کے والد نے اپنے باقی تینوں مکان فروخت کردیے اور ان کا سارا خاندان اسی Luisen Strasse میں سکونت پذیر ہوگیا۔ (اور جیسا کہ ایما اور اس کے والدین کے سنگِ مزار سے دیکھا جاسکتا ہے، ایما کی والدہ کا انتقال ۱۹۰۰ء میں ہوگیا تھا۔) قبرستان سے چلنے کے دس پندرہ منٹ بعد ہم بذریعۂ کار Luisen Strasse پہنچ گئے۔ میں نے نوٹ کیا کہ گلی کی پیشانی پر اس کے ہجے یہی تھے، جیسے کہ میں نے درج کیے ہیں یعنی Luisen Strasse نہ کہ Louisen یا Lousia Str. جو اقبال نے اپنے خطوط نمبر ۲ اور ۴ میں بالترتیب تحریر کیے ہیں۔ (خط نمبر ۲۵ میں بھی علامہ کو گلی کے نام کے ہجوں میں ذرا سا تسامح ہوا ہے، کیوں کہ انھوں نے اسے Steuben Strasse کے بجائے Stauben Strasse لکھا ہے)۔

---

* یہاں علامہ نے (عطیہ بیگم کی کتاب اقبال کے برعکس) ان صاحب کے نام کے صحیح ہجے تحریر کیے ہیں، یعنی Z کے بعد دوبارہ T نہیں لکھی۔ (دُرّانی، ۲۹راکتوبر ۲۰۰۶ء)

** دراصل ایما کا قیام اِس کے برعکس تھا۔ یعنی وہ پہلے Steuben Str. میں رہتی تھیں اور آخر میں Mozart Str. میں۔ مزید برآں، اول الذکر مکان کا صحیح نمبر ۱۲ تھا، نہ کہ ۱۴۔ دیکھیے موجودہ کتاب کا باب اوّل۔ (دُرّانی۔ ۲۰راکتوبر ۲۰۰۲ء)

جب ہم لوئیزن اسٹرا سے پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ واقعی اس گلی میں تقریباً سبھی مکان حالیہ ساخت کے ہیں۔ نمبر ۱۶ کا الگ وجود باقی نہ تھا بلکہ یہ چند مکانات ایک دوسرے کے ساتھ ملحق تھے۔ ۱۶ نمبر کے مکان کے نیچے ایک گیراج تھا اور اوپر بالکنی (چھجے) میں ایک فربہ اندام حضرت بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے اس مکان کی چند تصویریں کھینچیں، جن میں سے ایک میں مکان کے دروازے کے سامنے میں نے ایلسا خاتون کو کھڑے ہوئے دکھایا اور ایک میں وہ اخبار بین حضرت نظر آ رہے تھے، اور غالباً تعجب کر رہے تھے کہ اس مکان میں وہ کون سا سُرخاب کا پر لگا ہے کہ ایک بدیسی شخص اس کی تصویریں کھینچ رہا ہے۔ دراصل میں ذہن میں وہ تصور پیدا کر رہا تھا جب آج سے قریب اسّی سال پیشتر یہاں ایک بڑا مکان رہا ہوگا جس میں ایما ویگے ناسٹ اور ان کا خاندان بود و باش رکھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس مکان سے چند گز کے فاصلے پر سڑک میں ایک Manhole cover (اس سوراخ کا ڈھکنا جس کے ذریعے بدررو تک پہنچا جاسکتا ہے) نصب ہے، جس پر لکھا ہوا تھا Heilbronn 1881۔ چنانچہ بمصداق ''گندم اگر بہم نہ رسد، بھُس غنیمت است'' میں نے سوچا کہ چلیے اس مدوّر ڈھکنے کی تصویر لے لی جائے کہ کم از کم ایما کی اس مکان میں سکونت کی کسی تو ہم عصر (Contemporary) شے کا عکس محفوظ ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ جیسا کہ اس مضمون کے آغاز میں ذکر ہوا، یہ تصویر بھی اس روز کی کھینچی گئی اور بہت سی تصاویر کے ساتھ یہاں ہسپانیہ کے کسی گلی کوچے کی خاک چاٹ رہی ہے۔*

ویگے ناسٹ خاندان

لوئیزن اسٹرا سے سے فارغ ہو کر ہم لوگ واپس ایلسا ویگے ناسٹ کے گھر کی طرف چلے۔ کار کی اگلی سیٹوں پر کارل ہائنز اور شہناز بیٹھی تھیں اور پچھلی نشست پر میرے ساتھ ایلسا خاتون تشریف فرما تھیں۔ راستے میں مجھے وہ اپنے خاندان کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ مجھ پر خدا تعالیٰ نے تمام عمر بہت احسانات کیے ہیں۔ میرے شوہرِ مرحوم اللہ بخشے بڑی خوبیوں کے مالک تھے، لیکن وہ کچھ زیادہ مذہبی انسان نہیں تھے۔ میں نوجوانی ہی میں اِس چرچ میں شامل ہوگئی تھی (یہ چرچ عیسائی مذہب کا ایک جدید فرقہ (یعنی Denomination) ہے جس کا نام Sventh Day Adventists ہے)۔ لیکن میرے شوہر نے میری رکنیت پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا اور میرے سارے

---

* لیکن کتاب کی (زیرِ نظر) طبع نو میں مَیں نے ایک تازہ تر تصویر (نمبر ۱۹) شامل کرلی ہے۔ (دُرانی۔ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۹ء)

بیٹے بیٹیاں بھی اسی چرچ کے زیرنگیں رہے ہیں۔[۵] (ایلسا خاتون کے دو بیٹے یعنی ہنس اور ڈیٹر، اور دو بیٹیاں یعنی گریٹے (Grethe) اور رُوتھ (Ruth) ہیں)۔ جب میرا چھوٹا بیٹا ڈیٹر جنوبی افریقہ (Republic of South Africa) گیا تو وہاں بھی وہ چرچ کے معاملات میں بڑا مستعد اور مصروف رہا، اور جب بھی میں اس سے ملنے گئی تو میں وہاں چرچ کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ اور میرا اب بھی ہائیل برون میں یہی دستور ہے، مثلاً آج بھی کہ اتوار ہے میں صبح دو تین گھنٹے گرجا میں عبادت اور اس کے بعد وہاں نمازیوں کے ساتھ بات چیت کرنے اور چرچ کی فلاحی سرگرمیوں میں حصّہ لینے میں مصروف رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جنگِ عظیم کے دوران اگر خداوند تعالیٰ کا رحم و کرم مجھ پر سایہ فگن نہ رہتا تو میں کبھی ان تمام مصائب سے استقامت کے ساتھ نبرد آزما نہ ہوسکتی جو ہمارے خاندان پر نازل ہوتے رہے۔ اور جب میرے شوہرِ مرحوم جنگ کے دوران میں گرفتار ہوکر فرانس میں نظر بند ہوگئے تو میرا مذہبی اعتقاد ہی میرے لیے وسیلۂ تحمل و برداشت ثابت ہوا۔ اور میں اپنے مغفور خاوند کو خطوں میں اللہ تعالیٰ کے رحم و شفقت کا یقین دلاتی رہی۔ پھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ جنگ کے خاتمے کے تقریباً ایک سال بعد یعنی بروز ٦ رمئی ۱۹۴۶ء ایک جنگی قید خانے میں ان کا انتقال ہوگیا۔ لیکن اللہ کی رضا پر راضی ہوئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ میرے شوہر قید کے دوران کافی بیمار رہتے تھے۔ بہر حال میں خوش ہوں کہ خدا نے مجھے ایسی اچھی اور کامیاب اولاد عطا کی ہے۔

میں نے مسز وِیگے ناسٹ سے دریافت کیا کہ کیا ان کے پاس اپنے شوہر (اور ان کی پھوپھیوں ایما اور صوفی) کے خاندان کے بارے میں کچھ مزید معلومات موجود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسے ایک حسنِ اتفاق ہی سمجھو کہ آج سے چند ہی سال پیشتر وِیگے ناسٹ خاندان کی امریکی شاخ کے ایک فرد (یعنی ایما کے چھوٹے بھائی البرٹ ارنسٹ کے صاحب زادے البرٹ فرانس) شکاگو سے یہاں ہائیل برون وارد ہوئے تھے، اور بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد انھوں نے خاندانی شجرۂ نسب کو Up-to-date کیا (یعنی زمانۂ حال تک پہنچایا)۔ اس مکمل شجرے کی ایک نقل میرے بڑے بیٹے ہنس کے پاس ہے اور اگر وہ گھر پہنچ چکا ہے تو میں کوشش کروں گی کہ اس کی ایک کاپی تمہارے لیے حاصل کرلوں۔ میں نے اس پر صمیم قلب سے اظہارِ امتنان کیا۔

جب ہم ایلسا خاتون کے دولت خانے پر پہنچے تو اگرچہ مجھے چلنے کی جلدی تھی، پھر بھی انھوں نے کہا جانے سے پہلے چائے تو پی لو۔ چنانچہ انھوں نے جلدی سے چائے اور کچھ مٹھائی اور میوے

ہمارے لیے تیار کیے اور اوپر کی منزل میں اپنے بیٹھنے کے کمرے میں ہمارے لیے خوانِ مہمان نوازی آراستہ کیا۔ ان کا سارا خاندان جمع تھا، یعنی ان کی خوب رُو بہو اینی۔ فرانس اور ان کے دونوں بچے، وہ خود اور ان کی بڑی بیٹی گریٹے، جو کام سے واپس آ چکی تھی۔ یہ موٴخر الذکر خاتون قریب پچاس ایک برس کی کافی خوش شکل عورت تھیں، سنہری بال اور سرخ و سپید چہرا، نیلی مگر کسی قدر غمگین آنکھیں۔ مسز ویگے ناسٹ نے بتایا یہ ایک Physiotherapist ہیں اور مقامی ہسپتال میں کام کرتی ہیں۔ وہ غیر شادی شدہ تھیں اور شاید اسی لیے ان کے چہرے پر کسی قدر اضطراب یا بے اطمینانی کے آثار ہویدا تھے۔ بچے بڑے چلبلے اور ہنس مکھ تھے۔ دیوار پر ایلسا کے شوہر کی ایک پرانی تصویر آویزاں تھی۔ جس کی تصویر بھی میں نے اتار لی۔ پھر ایلسا خاتون نے پچھواڑے کے مکان سے استفسار کیا، لیکن معلوم ہوا کہ ہنس صاحب ابھی گھر واپس نہیں آئے تھے۔ تو وہ کہنے لگیں کہ فی الحال اس پرانے شجرۂ نسب کی ایک فوٹو کاپی تم لے لو، کیوں کہ میرے پاس اس کی ایک سے زیادہ نقل موجود ہے۔ چنانچہ انھوں نے Xerox کیے ہوئے دو صفحے دیے جو اصل شجرے کے (جو ظاہر ہے کہ ایک بڑے سائز کے کاغذ پر نقش تھا) مختلف حصوں پر مشتمل تھے۔ اس شجرے میں پرانی طرز کی جرمن لکھائی میں کسی شخص نے بڑی احتیاط کے ساتھ ویگے ناسٹ خاندان کی کئی نسلوں کے تمام افراد کی پیدایش، وفات، شادی کی تاریخ اور مقام، اولاد کے نام اور ان کے باہمی تعلقات کی پوری تفاصیل درج کی تھیں۔ یہ شجرہ ۱۹۶۴ء سے پیشتر تیار کیا گیا تھا کیوں کہ اس میں ایما ویگے ناسٹ کی وفات کی تاریخ درج نہ تھی (یاد رہے کہ ایما ویگے ناسٹ کا انتقال ۱۶/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو ہوا تھا[9]) پھر میرے پوچھنے پر ایلسا خاتون نے اپنے اس امریکی عزیز کا پتا بھی مجھے مہیا کیا، جس نے کچھ عرصہ پیشتر اس شجرۂ نسب کو زمانۂ حال تک پہنچایا تھا۔ میں نے یہ پتا شجرے کی اسی فوٹو کاپی کی پشت پر درج کیا۔ اور مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے بریف کیس میں جو مواد تین ہفتے ہوئے ضائع ہوا ہے اس میں یہی شجرۂ نسب اور اس کی پشت پر درج یہ امریکی پتا بھی شامل تھا۔ یہاں شاید یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ برمنگھم واپس پہنچ کر میں نے ایلسا کے صاحبزادے ہنس ویگے ناسٹ کو ایک مفصل خط لکھا۔ علامہ اقبال کے ویگے ناسٹ خاندان کے ساتھ تعلقات کا ذکر کیا اور یہ لکھا کہ تمام شائقینِ اقبال بلکہ پاکستانی قوم کو ویگے ناسٹ خاندان کے اس مفصل اور Up-to-date شجرۂ نسب کے ساتھ بڑی دلچسپی ہوگی۔ میں نے ان کی والدۂ ماجدہ کی شفقت اور ان کے اس وعدے کا ذکر بھی کیا کہ وہ (یعنی ہنس) مجھے اس مکمل شجرے کی

نقل عطا فرمائیں گے۔ میں نے انھیں یہ یقین دہانی بھی کی کہ اس شجرے میں میری دلچسپی کاملاً تاریخی اور ادبی نوعیت کی ہے، تاکہ وِیگے ناسٹ کے خانوادے اور اس کے آباواجداد کے حالات پر کچھ روشنی پڑے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے نہ اس خط کا جواب دیا نہ وہ شجرہ ارسال کیا۔ پھر جولائی ۱۹۸۵ء میں پاکستان کے اندر اپنی کتاب اقبال یورپ میں کی رسم افتتاح (اور ''طبیعیات اور زمانۂ حاضر کے تقاضے'' نامی سہ ہفتگی کانفرنس بمقام نتھیا گلی) سے فارغ ہو کر جب میں اوائل اگست ۱۹۸۵ء میں جرمنی پہنچا، جہاں میرے بیوی بچے چھٹیاں منا رہے تھے، تو میں نے دوبارہ ہائیل برون میں ہنس وِیگے ناسٹ صاحب کے یہاں فون کیا۔ ان کے بیٹے (UDO) نے جواب دیا کہ میرے والد تین ہفتے کی تعطیل پر گھر سے باہر ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ جب وہ واپس آئیں تو میرا پیغام انھیں دینا کہ میں اس موعودہ شجرۂ نسب کا تاحال منتظر ہوں۔ لیکن اس یاددہانی کا بھی کوئی اثر ظہور پذیر نہ ہوا۔ اور اب کہ وہ نامکمل شجرہ بھی غائب ہو گیا ہے جو ایلسا خاتون نے مجھے مرحمت کیا تھا تو یہ امر پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ میں مسز وِیگے ناسٹ سے ان کے امریکی عزیز کا پتا حاصل کر کے اسے امریکا سے منگواؤں۔[۱۰]

شجرۂ نسب

یہاں صرف ایک دو باتوں کا ذکر کافی ہوگا۔ پہلی تو یہ کہ اس پرانے شجرے میں ہجوں کا کچھ اختلاف موجود ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ بعض ناموں کے دو مختلف ہجے رائج ہوں۔ مثلاً اس دستی رسم الخط میں ایلسا وِیگے ناسٹ کا نام ELSE کے طور سے درج تھا۔ میری بیوی نے، جو المانوی نژاد ہیں، ابھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ELSE (ایلسے یا ایلزے) ہی زیادہ رائج ہجے ہیں۔ اگرچہ ELSA (ایلزا) بھی ممکن ہے۔ جب کہ میرے دوست سنگھوی صاحب نے جب پہلے پہل ہائیڈل برگ میں اپنی انسٹی ٹیوٹ کی سکریٹری Frau Schütze کی مدد سے ان کا نام حاصل کر کے مجھے مہیا کیا تھا تو اس نے ELSA تحریر کیا تھا۔ اور پھر اگست ۱۹۸۵ء میں جب میں نے بالخصوص ان کے پوتے Udo سے استفسار کیا کہ تمھاری دادی اپنے نام کو کیسے Spell کرتی ہیں، Else یا Elsa، تو اس نے کہا وہ اسے Elsa لکھتی ہیں۔ اسی طرح ایما کی بہن کا نام شجرے کی دستی تحریر میں Sofie درج تھا، جب کہ ایما کی والدہ کے کتبے پر ان کا (یعنی والدہ کا) نام Sophie لکھا ہے۔ اس کے برعکس Heidelberger Tageblatt بابت بدھ ۲۹ رجون ۱۹۲۶ء میں ان کا نام (یعنی بہن کا نام) Sofie کے طور سے درج ہے۔[۱۱]

ایک دوسری بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ علامہ اقبال ایما کے نام اپنے خط نمبر ۱۹ (مورخہ لاہور، ۷رجون ۱۹۱۴ء) میں تو لکھتے ہیں کہ ''اگرچہ مجھے آپ کے بھائی اور بہنوں کے ساتھ ملاقات کا کبھی شرف حاصل نہ ہوا تھا پھر بھی بالضرور میرا سلام ان کو دیجیے گا''۔ لیکن پھر خط نمبر ۲۰ (مورخہ لاہور، ۱۰راکتوبر ۱۹۱۹ء) میں، جو پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد لکھا گیا، وہ رقم طراز ہیں کہ ''اس تمام عرصے میں مَیں آپ کی اور آپ کے عزیزوں اور بالخصوص آپ کے بھائیوں کی سلامتی کے متعلق بہت تشویش مند رہا ہوں۔ براہِ کرم جلد از جلد مجھے اپنے اور اپنے بھائیوں کے، حالات کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔ جرمن قوم کو واقعی بہت بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔'' یعنی پہلے خط میں بھائی صیغۂ واحد میں ہے اور دوسرے خط میں صیغۂ جمع میں۔ اور خط نمبر ۱۹ میں وہ لفظ ''بہنوں'' کا استعمال کرتے ہیں (واضح رہے کہ یہ دونوں خط انگریزی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اس لیے زبان کی کسی غلطی کا یہاں احتمال نہیں ہے)۔ اب اس شجرۂ نسب سے جو ایلسا ویگے ناسٹ نے مجھے عطا کیا تھا، پتا چلتا ہے کہ ایما کی صرف ایک بہن (صوفی) تھیں اور چار بھائی تھے۔ چنانچہ علامہ اقبال سے، کئی سال گذر جانے کے بعد، جو تضادِ بیان سرزد ہوا، اس کی اب تصحیح کی جا سکتی ہے۔

جب میں مندرجۂ بالا سطور قلم بند کر رہا تھا تو مجھے اس بات پر اچنبھا ہوا ہے کہ اگرچہ علامہ اقبال خط نمبر ۱۹ (مورخہ ۱۹۱۴ء) میں لکھتے ہیں کہ انھیں ایما کی ''بہنوں'' کے ساتھ کبھی شرفِ ملاقات نہ ہوا تھا اور پھر خط نمبر ۲۴ (مورخہ لاہور ۱۷رجنوری ۱۹۳۲ء) میں رقم طراز ہیں کہ ''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ اپنی بہن کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کی تصویر دیکھی تھی جو آپ نے مجھے دکھائی تھی۔ براہِ کرم انھیں اور اپنے ان دوسرے عزیزوں کو میرا سلام دیجیے، جن سے میں ضرور جرمنی میں ملا ہوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ میں دوبارہ یورپ آؤں گا اور اگر میں آیا تو بالالتزام آپ سے اور آپ کی ہمشیرہ سے ہائیڈل برگ ملنے آؤں گا۔''[۱۲] لیکن علامہ کے ان سب بیانات کے باوجود روزنامہ ہائیڈل برگ کی مذکورہ بالا اشاعت (۲۹رجون ۱۹۶۶ء)* میں ان کے قدیمی مکان پر لوحِ انتساب کی تنصیب کے بارے میں جو مفصّل مضمون شائع ہوا ہے اس میں تحریر ہے کہ یہ ایما کی بڑی بہن صوفی تھیں جنھوں نے حال ہی میں وہاں سے گذرتے ہوئے اس مکان کی طرف اشارہ کیا کہ یہی وہ مکان ہے جہاں ایما اور محمد اقبال اس زمانۂ قدیم میں مکین تھے۔ تو قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر اقبال

* دیکھیے موجودہ کتاب کا مضمونِ اوّل، ''ہائیڈل برگ'' (دُرّانی)

کو دورانِ قیامِ ہائیڈل برگ (جولائی تا اکتوبر ۱۹۰۷ء) صوفی سے کبھی ملاقات کا موقع نہ ملا تھا تو صوفی کو ایما اور اقبال کے تعلقات کا اس قدر مفصّل علم کیسے تھا جس کا ذکر روزنامہ ہائیڈل برگ کے محولہٗ بالا مضمون میں ملتا ہے۔ کیا ایما نے اپنی بڑی بہن کو ۱۹۰۷ء کے دوران اور پھر اس کے بعد کے کئی سال کی ایک ساتھ بود و باش کے دوران ان تفصیلات سے آگاہ کیا؟ یا دراصل بات صرف یہ تھی کہ صوفی سے ملاقات کی یاد اتنے برسوں کے بعد علامہ اقبال کے ذہن سے اُتر گئی تھی۔ (میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر اقبال ایما کے عزیزوں سے ملے ہوتے تو انھیں یہ بات ضرور یاد رہتی)۔

بہرحال، اوپر بات مسز ایلسا وِیگے ناسٹ کے گھر پر بتاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء ہماری چائے نوشی کی ہو رہی تھی۔ ایلسا خاتون بڑی خوش دل اور مہماں نواز شخصیت تھیں۔ اور بالخصوص میری کزن شہناز سے (جو کافی دُبلی پتلی واقع ہوئی ہیں) بار بار کچھ اور کھانے کو کہہ رہی تھیں، مثلاً انجیر اور شہد کی بنی ہوئی ایک بڑی لذیذ خانہ ساز مٹھائی کے ٹکڑے۔ مگر ہم اب رخصت ہونے کی جلدی میں تھے، چونکہ اس وقت شاید ساڑھے پانچ بج رہے تھے اور جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مجھے فرینکفرٹ کے ہوائی اڈے سے ساڑھے آٹھ بجے جہاز پکڑنا تھا۔ چنانچہ ہم نے ایک مرتبہ پھر ان نیک دل خاتون، بیگم ایلسا وِیگے ناسٹ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اپنی تمام مصروفیات سے قطعِ نظر کر کے ہمارے لیے اتنا وقت نکالا اور ہمیں اس قدر مفید اور بیش بہا معلومات سے متمتع کیا۔

ڈارم شٹاٹ، فرینکفرٹ، برمنگھم

ہائیل برون سے چل کر سب سے پہلے ہمیں رستے میں ڈارم شٹاٹ Darmstadt کے شہر سے شہناز درانی کا کچھ سامان لینا تھا جو وہ کارل ہائنز کی والدہ کے گھر پر چھوڑ آئی تھیں، جہاں وہ دونوں چند روز کے لیے چھٹی منانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ڈارم شٹاٹ، فرینکفرٹ کے راستے سے ذرا ہٹ کر تھا۔ کارل ہائنز بڑی تیز رفتاری سے کار چلا رہے تھے۔ ہم ان کی والدہ کے فلیٹ میں صرف دس بارہ منٹ ہی ٹھہرے (وہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھیں اور یوں میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی)[۱۳] اور جلدی سے شہناز اور کارل ہائنز کا ساز و سامان لے کر ہم پھر فرینکفرٹ کی طرف بکمال سرعت روانہ ہو گئے۔ کارل ہائنز Autobahn (خود کار گاڑیوں کی شاہراہ) پر اپنی کار خطرناک حد تک تیز رفتاری سے دوڑا رہے تھے۔ میں دن بھر کا تھکا ہارا تھا، راستے میں میری آنکھ لگ گئی اور یوں میں پوری طرح

خوف زدہ ہونے سے محفوظ رہا۔ جب آنکھ کھلی تو ہم فرینکفرٹ کے ہوائی اڈے پر تھے اور جہاز کی روانگی میں صرف بیس منٹ باقی تھے۔ میں نے بڑی عجلت میں کارل ہائنز اور شہناز کا ان کی دن بھر کی بے حد مفید امداد کے لیے تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور بھاگم بھاگ ہوائی جہاز پکڑنے کے لیے دوڑا جس کا میں ہی آخری مسافر تھا۔

ہوائی سفر کے دوران مَیں دن بھر کے کارناموں کے بارے میں مفصّل نوٹ تحریر کرتا رہا تاکہ یہ تفاصیل جو ابھی ذہن میں تازہ تھیں ان کی یادداشت ضبطِ تحریر میں آ جائے۔ اس سے اگلی صبح (یعنی یکم راکتوبر ۱۹۸۴ء) برمنگھم یونی ورسٹی کی ٹرم شروع ہو رہی تھی، اس لیے میں وہاں پہنچتے ہی اپنی تدریسی مصروفیات میں اُلجھ گیا۔ لیکن اس سے اگلے آخرِ ہفتہ (Weekend) کے دوران، یعنی بروز اتوار ۷راکتوبر ۱۹۸۴ء، میں نے مزید نوٹ تیار کیے، یعنی پروفیسر کرش ہوف صاحب، جناب ہیلموتھ سوئسلر اور محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ کے ساتھ ملاقاتوں کی یادداشتیں۔ اس کے علاوہ ان واقعات سے ایک ہفتہ پہلے یعنی اتوار ۲۳رستمبر ۱۹۸۴ء کے میونخ کے ایک مضافاتی گاؤں میں میونخ یونی ورسٹی کے سابقہ ڈائریکٹر جناب بوزاش (Dr L. Buzas) سے ملاقات کی تفصیلات بھی تحریر کیں اور میونخ میں علامہ اقبال کے پرانے مکان کی جستجو کی یادداشتوں پر بھی نظرثانی کی۔ علاوہ ازیں، ۷راکتوبر ۱۹۸۴ء کے روز میں نے محترمہ اِیڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ کو جرمن زبان میں خط لکھ کر ایما کی تصاویر ڈھونڈ کر مجھے بھیجنے کی استدعا بھی کی۔

ایلسا ویگے ناسٹ سے ایک اور ملاقات

اگست ۱۹۸۸ء میں جب ہم لوگ جرمنی، اٹلی، آسٹریا اور ہنگری کا دورہ کر رہے تھے، میں نے مسز اِیڈتھ شمٹ۔ ویگے ناسٹ کے ساتھ اپنی ملاقات بروز جمعرات ۲۸رجولائی ۱۹۸۸ء کی روشنی میں بعض ایسے تسامحات و اغلاط کی تصحیح کر دی تھی جو اس سے ایک سال قبل ہسپانیہ میں اس مضمون کی تحریرِ اوّلیں میں رہ گئے تھے یا در آئے تھے۔ اس کے بعد میری بڑی خوش قسمتی رہی کہ ہنگری اور آسٹریا سے واپسی پر بروز جمعہ ۱۹راگست ۱۹۸۸ء (یعنی مضمون کے ارقامِ اوّل کے خاتمے سے ٹھیک ایک سال بعد) مجھے محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ اور ان کے خاندان سے دوبارہ ملاقات کا موقع ملا۔ میں اِس ملاقات کا بالخصوص اس لیے مشتاق تھا کہ اوّل تو وہ تصاویر دوبارہ کھینچوں اور وہ یادداشتیں دوبارہ مرتب

کروں جو سالِ گذشتہ الیقانتے میں چوری ہوگئی تھیں۔ اور دوسرے، اگر ہو سکے تو وِیگے ناسٹ خاندان سے ان کا وہ مکمل شجرۂ نسب حاصل کروں جس کی میں پچھلے چار برس سے کوشش کر رہا تھا۔

مین نے مسز ایلسا وِیگے ناسٹ کو دو ماہ پہلے اپنے آنے والے دورے کی اطلاع دے دی تھی اور انھوں نے کہا تھا کہ اگر آسٹریا وغیرہ سے واپسی پر ہم لوگ وہاں سے گذریں تو ضرور آجائیں۔ کیوں کہ ان دنوں ان کا سارا خاندان گرمی کی چھٹیوں کے بعد گھر پر ہوگا۔ چنانچہ جب ہم جمعہ ۱۹/اگست ۱۹۸۸ء کو ڈھائی بجے سہ پہر ہائیل برون میں ان کے گھر (Blücher Strasse 26) پہنچے تو سب سے پہلے مسز وِیگے ناسٹ اور ان کے چھوٹے بیٹے ڈِیٹر (Dieter) اور ان کی بیوی اَینی فرانس (Annie-France) نے ہمیں خوش آمدید کہی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اگر چہ اب مسز وِیگے ناسٹ بیاسی سال کی ہو چکی تھیں، پھر بھی وہ ماشاء اللہ بالکل چاق و چوبند تھیں اور پہلے کی طرح ہنس مکھ اور بات چیت کی شوقین۔ انھوں نے میری بیوی اور چھوٹی بیٹی نادیہ کا (جو میرے ہمراہ تھیں) بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور فوراً چائے، کیک اور کباب (جو خود انھوں نے اور ان کی بہو نے تیار کیے تھے) ہم سب کو پیش کیے۔ ڈِیٹر سے میں پہلی مرتبہ ملا تھا، لیکن اسے مذہب کے سوا اور کسی چیز سے کم ہی دلچسپی تھی۔ میں نے جب علامہ اقبال اور ایما وِیگے ناسٹ کے تعلقات کے ذکر کیا تو کہنے لگا کہ دنیا میں دو قسم کے خاندان ہوتے ہیں۔ ایک اعزّہ اور اقارب کا، اور دوسرا خدا اور دین و مذہب کا۔ تو پچھلے کئی سال سے، چاہے جنوبی افریقہ ہو یا یہاں جرمنی، میں تو اسی چرچ والے خاندان میں منہمک اور منضبط رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے ایما وِیگے ناسٹ اور باقی عزیزوں سے کوئی رابطہ قائم نہیں رکھا۔ (یاد رہے کہ یہ صاحب اپنے عیسائی فرقے Seventh Day Adventists کے چرچ کے مشنری کی حیثیت سے کئی سال تک جنوبی افریقہ میں مقیم رہ چکے تھے۔ اب ان کی عمر قریب ۴۹ سال تھی)۔

بہرصورت میں نے محترمہ ایلسا وِیگے ناسٹ کو اپنی کتاب اقبال یورپ میں* کی ایک کاپی، موزوں الفاظِ تقدیم کے ساتھ پیش کی، جس کے صفحات (اور بالخصوص اس کے ضمیمہ جات، جو بیشتر جرمن اور انگریزی میں ہیں) ڈِیٹر میاں، کچھ دیر الٹتے پلٹتے رہے۔ میں نے انھیں اور ان کی والدۂ ماجدہ کو ایما وِیگے ناسٹ کی اور ایما کی قبر کی وہ تصویریں بھی دکھائیں جو اُس کتاب میں شامل ہیں، جب میں مسز ایلسا وِیگے ناسٹ کی معیت میں ۱۹۸۴ء میں وہاں گیا تھا اور ان کے سرہانے دعائے مغفرت

* جو اقبال اکادمی پاکستان کے یہاں سے ۱۹۸۵ء میں چھپی تھی۔ (دُرّانی)

کررہا تھا۔ مسز ویگے ناسٹ نے کہا کہ بہتر ہے کہ یہ کتاب تم میرے بڑے بیٹے ہنس کو دے دو کہ وہ اسے شوق کے ساتھ دیکھے گا اور محفوظ رکھے گا۔ اِسی دوران ہنس صاحب بھی تشریف لے آئے جن کا مکان اپنی والدہ کے مکان کے پچھواڑے واقع ہے۔ یہ صاحب (جن کی عمر اب باسٹھ سال ہے) اپنے چھوٹے بھائی کی بہ نسبت بہت زیادہ گھلنے ملنے والے نکلے۔ فوراً کہنے لگے کہ یہاں سے فارغ ہوکر ہمارے یہاں تشریف لایے تاکہ ہم بھی آپ کی کچھ خاطر تواضع کرسکیں۔ اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ میں آپ کو وہ شجرۂ نسب بھی دے دوں گا جس کا آپ کئی برس سے تقاضا کررہے ہیں۔

چنانچہ تقریباً آدھا پون گھنٹہ ان کی والدہ کے یہاں بیٹھنے کے بعد ہم سب ہنس کے مکان یعنی Blücher Strasse 26-I میں اُٹھ آئے۔ یہ مکان بڑی خوش مذاقی کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا۔ صوفے، قالین، دیوار گیریاں، سامانِ آرایش، ہر چیز اعلیٰ معیار کی تھی۔ دیواروں پر بہت سی آبی رنگ کی تصاویر (Water-colour Paintings) آویزاں تھیں جو خود ہنس صاحب نے ایک Hobby کے طور سے پینٹ کی تھیں۔ وہ خود اور ان کے دونوں بیٹے Udo اور Goetz بادبانی کشتی رانی کے بھی بڑے شوقین ہیں اور کئی ایک Sailing Competitions کے سرٹیفکیٹ بھی دیواروں پر آویزاں تھے۔ (ایک کمرے میں ان کے والد جناب Ludwig ویگے ناسٹ کی بنائی ہوئی ایک سادہ سی تصویر بھی لگی تھی جو انھوں نے ۱۹۱۵ء میں جب وہ چودہ سال کے طالب علم تھے، تیار کی تھی)۔ ہنس صاحب تقریباً ایک سال ہوا ایک امریکی Hi-Fi کمپنی کی جرمن شاخ کے جنرل منیجر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ چنانچہ انگریزی بے تکان بول سکتے تھے۔ ان کی بیوی Reinhilde ایک بڑی خوش وضع اور مہماں نواز خاتون ہیں۔ انھوں نے فوراً اپنے پائیں باغ میں ایک شامیانے (Canopy) کے نیچے بچھی ہوئی میز کرسیوں پر ہمیں بٹھایا اور مزید کیک اور مشروبات وغیرہ ہمیں باصرار کھلائے پلائے۔ ہنس کی والدہ صاحبہ بھی اپنا بنایا ہوا ایک Cheese cake اپنے گھر سے لاکر ہمارے ساتھ بات چیت میں شامل ہوگئیں۔ کچھ دیر کے لیے ان کا بڑا بیٹا Udo بھی جو اس روز گھر پر ہی تھا، ہمارے ساتھ آکر بیٹھا۔ چنانچہ یہ تمام کا تمام خاندان بڑا دوست دار اور گرم جوش ثابت ہوا۔

میں نے اپنی بیوی اور بچی (نادیہ گیتی آرا) کو خواتین کے ساتھ اپنی بات چیت کے لیے چھوڑ دیا کہ وہ ہمارے تعطیلاتی دورے اور نادیہ کی (جس نے ۱۴راگست کو وی اینا میں اپنی سولھویں سالگرہ منائی تھی) اس "Archaeological "Dig کی تفصیلات کے بارے میں گپ شپ کریں جس میں دو

ہفتے کے لیے حصّہ لے کر وہ حال ہی میں ویرونا (اٹلی) سے لوٹی تھی*، اور میں خود ہنس صاحب کے ساتھ ان کے ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا جہاں انھوں نے وہ بڑا شجرۂ نسب (قریباً ۳ فٹ×۲ فٹ) جوان کے امریکی عزیز البرٹ فرانسیس ویگے ناسٹ نے جون ۱۹۷۹ء میں تیار کیا تھا، ایک بڑی میز پر پھیلا دیا اور اپنے خاندان کے حالات مجھے بتاتے رہے۔ (اس شجرے میں سب سے پرانا اندراج ۱۵۹۴ء کا ہے)۔ انھوں نے فرمایا کہ اگرچہ ایک دو اور اصحاب نے بھی اس شجرے کا تقاضا کیا تھا، لیکن اب چونکہ آپ کے ساتھ بالمشافہ گفتگو ہوگئی ہے اس لیے میں آپ کو یہ بخوشی مستعار دیتا ہوں۔** آپ اس کی نقل کروا کے اطمینان کے ساتھ مجھے اصل (Original) واپس بھیج دیجیے گا۔ پھر ازراہِ کرم انھوں نے مجھے وہ پرانا قلمی شجرہ بھی عاریتاً عطا کر دیا جس کی Xerox نقل ۱۹۸۴ء میں ایلسا خاتون نے مجھے دی تھی (اور جو پچھلے سال ہسپانیہ میں چوری ہوگئی تھی)۔ اس موخر الذکر نسخے کی پشت پر میں نے دیکھا کہ اسے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں پروفیسر کرش ہوف کے والد ماجد جناب آٹو (Otto) ویگے ناسٹ نے ٹری ایسٹے Trieste (اٹلی) کے مقام پر پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ اسی ضمن میں ہنس صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی کہانی سناؤں۔ وہ یوں ہے کہ آج سے قریب چالیس سال پہلے، جب جنگِ عظیم دوم کے خاتمے پر میرے رشتے کے چچا آٹو صاحب بھی اٹلی سے آ کر یہاں ہائیل برون میں آباد ہو گئے تھے، تو میں ایک روز بائیسکل پر سوار، شہر میں سے گزر رہا تھا۔ آٹو چچا لاٹھی کے سہارے فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے مجھے روکا اور سڑک پار کر کے میرے پاس پہنچے۔ کہنے لگے، دیکھو میں اب بہت بوڑھا ہوگیا ہوں۔ نہ جانے عمر کب تک وفا کرے (ان کی پیدائش ۱۸۷۷ء کی تھی)۔ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے، صرف ایک بیٹی ہیلا (اصل نام Helene) ہے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی خاندانی انگشتری جس پر ہمارا Crest کندہ ہے، تمھیں دے دوں تاکہ یہ ویگے ناسٹ خاندان میں محفوظ رہے، تم ایک نوجوان لڑکے ہو۔ تو صاحب، چند دنوں بعد انھوں نے مجھے یہ انگشتری مرحمت فرما دی اور یہ اب تک میرے قبضے میں ہے۔ چنانچہ انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ مجھے وہ مُہر والی خاتم دکھائی، جس پر ویگے ناسٹ اور Wege-Am-Ast (یعنی "راہ-بر-شاخِ شجر") کا نقش ثبت ہے۔ (جب چند دنوں بعد میں نے مسز

---

* چند سال ہوئے نادیہ نے لندن یونی ورسٹی سے ملک یمن کے آثارِ قدیمہ پر پی-ایچ-ڈی کر لی ہے، اور اِن دونوں وہ لندن سے شائع ہونے والے ایک وقیع مجلّے *Current World Archaeology* کی اڈیٹر ہیں۔ (دُرّانی، ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

** یہ شجرہ موجودہ کتاب کی طبع زیرِ نظر میں بطور دستاویز نمبر ۲۳ درج کیا جاتا ہے۔ (دُرّانی، ۲۱/ستمبر ۲۰۰۹ء)

ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ کو یہ واقعہ سنایا تو انھوں نے کہا ہاں مجھے یہ بات یاد ہے۔ دراصل ہیلا کرش ہوف کو یہ تاسف ہی رہا کہ ان کے والد نے ان کے بجائے یہ انگشتری ایک اور خاندانی عزیز کو مرد ہونے کی وجہ سے ہدیہ کر دی۔ پھر کہنے لگیں: بہر حال، چند برس ہوئے خود میں نے اپنے والد کے کاغذات میں سے یہ خاندانی نقش Crest تلاش کر کے اپنے جوہری سے ایک اور انگشتری بنوالی ہے (جو چند ہفتے ہوئے میں نے تمھیں دکھائی تھی)۔ میں نے ہنس ویگے ناسٹ صاحب کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اس قدر قیمتی خاندانی کاغذات میرے حوالے کر دیے جو ان کی فراخ دلی اور اعتبار کا ثبوت ہیں، اور وعدہ کیا کہ انگلستان میں ان کی نقلیں بناتے ہی یہ انھیں واپس بھیج دوں گا۔ (جیسا کہ میں نے کیا)۔

ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر

کچھ مزید بات چیت کے بعد میں نے ہنس صاحب سے کہا کہ چونکہ میری گذشتہ زیارت (ستمبر ۱۹۸۴ء) کی بیشتر تصویریں پچھلے سال ہسپانیہ میں ضائع ہو گئی ہیں اس لیے میری بڑی خواہش ہے کہ دوبارہ ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر حاضر ہوں اور نہ صرف ان کی قبر کو دیکھ کر اکتسابِ فیض کروں بلکہ دوبارہ کچھ تصویریں کھینچ لوں۔ وہ اس بات پر ازراہِ کرم فوراً تیار ہو گئے۔ کہنے لگے میں تمھیں اپنی کار پر وہاں لے جاتا ہوں۔ مزید برآں میری درخواست پر ان کی والدہ اور بیگم صاحبہ بھی تیار ہو گئیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم چاروں ہنس صاحب کی کار پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہنس صاحب نے وہ اسکول بھی دکھایا جہاں ایما ویگے ناسٹ اور وہ خود بچپن میں زیرِ تعلیم رہ چکے تھے۔ پھر میری استدعا پر ہم اس سڑک سے گزرے (یعنی Luisen Strasse) جہاں ۱۶ نمبر کے مکان میں ایما ویگے ناسٹ اپنے عالمِ شباب میں اپنے والد کے ساتھ مقیم رہ چکی تھیں اور جس پتے پر ۱۹۰۷ء میں علامہ اقبال نے انھیں میونخ اور لندن سے خط لکھے تھے (دیکھیے ان کا خط نمبر ۲، از میونخ مورخہ ۲۳ / اکتوبر ۱۹۰۷ء مشمولہ اقبال یورپ میں* صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ اور خط نمبر ۴، از لندن مورخہ ۱۶ / نومبر ۱۹۰۷ء کتابِ مذکورہ، ص ۱۱۳)۔ یہاں کچھ تصویریں اُتارنے کے بعد ہم ہائیل برون کے قبرستان میں پہنچے جہاں حسبِ سابق گل بوٹے اور رنگا رنگ درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کا نمبر میں اپنے ساتھ لے کر آیا

---

* شائع کردہ: اقبال اکادمی پاکستان (لاہور، ۱۹۸۵ء)

تھا کہ تلاش میں آسانی رہے اور وہ جلد ہی ہمیں مل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس قبر پر ایک دائمی سکون طاری ہے۔ یہ جھاڑیوں اور پودوں سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے قدموں میں سرخ، سفید، پیازی اور کاسنی رنگ کے پھولوں کی ایک چادر بچھی ہوئی تھی جن کے گھنے سبز، رس بھرے پتے ایک غنودگی کے عالم میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے آنکھیں بند کیں تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا اقبال اور ایما میرے پاس ہی موجود ہیں اور ایک مدت کے بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، اور مسرور ہیں کہ میں اور ایما ویگے ناسٹ کے قرابت داران کی محبت ومودت کی یاد تازہ کرنے کے لیے دوبارہ وہاں آئے ہیں۔ ہنس ویگے ناسٹ کی بیوی رائین ہلڈے نے ایک بھیگے ہوئے کپڑے سے سنگِ مزار کو صاف کیا کہ میں اس کی تصویر لے سکوں۔ ایلسا اور ہنس نے جھاڑیوں اور پھولوں کی کچھ صفائی کی۔ میں نے دستِ دعا پھیلا کر اس نیک دل خاتون ایما کے لیے مغفرت کی دعا کی جنھوں نے کئی طرح سے نوجوان اقبال کی مدد کی تھی، اور جن کے لیے اقبال کے دل میں ہمیشہ ایک ملائم اور محبت بھرا گوشہ جاگزیں رہا۔ ایما کی لحد کی، سنگِ مزار کی، اور اس کے عزیزوں کی کچھ تصویریں کھینچنے کے بعد میں ایسے ہی خیالوں میں کھویا ہوا، اقبال کی اس دعا کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❁❁❁

حواشی

۱- واضح رہے کہ یہاں ''ہم'' سے مراد ہے راقم الحروف اور میری ممیری بہن شہناز درانی اور ان کے المانوی نومسلم شوہر کارل ہائنز برن ہارٹ (Karl Heinz-Bernhardt)، (جن کی ملاقات چند سال قبل پیکنگ میں ہوئی تھی، جہاں یہ دونوں اعلیٰ تعلیم پا رہے تھے اور اب یہ دونوں بون یونی ورسٹی میں بین الاقوامی روابط کے موضوع پر پی- ایچ- ڈی کر رہے تھے)۔

۲- ایک ہفتہ قبل (بروز ۲۸/جولائی ۱۹۸۸ء) ڈُسل ڈورف میں مجھے بیگم شمٹ ویگے ناسٹ نے بتایا کہ ان کا خاندان ایک بڑا قدیمی گھرانہ ہے، جس کا ایک پرانا Crest (خاندانی طغرا) بھی ہے جو ان کی انگشتری پر ثبت تھا۔ انھوں نے کہا کہ دراصل یہ نام Wegenast زمانۂ قدیم میں تین الفاظ سے مرکب ہوا تھا۔ یعنی Wege-Am-Ast (راہ- بر- شاخِ شجر)۔ اور وہ خاندانی Crest انھی اجزا پر مشتمل تھا۔ (دُرّانی)

۳- ۲۸/جولائی ۱۹۸۸ء کو ڈُسل ڈورف میں محترمہ ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ نے بھی اس روایت کی تصدیق کی۔ انھوں نے کہا کہ میری پھوپھی ایما نے، جو مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں، کبھی کھلے الفاظ میں تو مجھے ایسا نہیں بتایا، لیکن اپنی تمناؤں اور یادوں کے بارے میں انھوں نے مجھے یقیناً یہ Impression (تاثّر) دیا اور اس زمانے کی طرف اور ان احساسات کی جانب کئی مرتبہ اشارہ کیا۔

پھر ایڈتھ خاتون کہنے لگیں، ہاں مجھے ایک اور بات یاد آئی۔ اور تھوڑی دیر میں وہ اپنے جواہرات کی صندوقچی میں سے ایک بڑا خوب صورت زیور لے کر آئیں جو انھوں نے مجھے اور میری بیوی کو دکھایا۔ یہ ایک بڑا دلکش اور دیدہ زیب Brooch (بلاؤز کے سینے پر ٹانکنے کا مرقع) تھا۔ یہ قریباً ایک Rhombus (معیّن، یا پتنگ یعنی Kite) کی شکل کا تھا، جس کی اطراف ڈیڑھ سینٹی میٹر کے قریب تھیں۔ یہ بڑے نازک کام کا ایک طلائی زیور تھا جس کے درمیان میں دو بڑے خوب صورت ننھے ننھے موتی جڑے ہوئے تھے اور اردگرد سنہری پتیاں سی بل کھاتی ہوئی بیلوں کی صورت میں حلقہ کیے ہوئے تھیں (اس وقت میرے سامنے اس کی ایک رنگین تصویر موجود ہے)۔ ایڈتھ خاتون کہنے لگیں کہ اس قسم کے دو بروچ تھے جو ایما کی ملکیت تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ ان کی بہن صوفی کے پاس آئے، جنھوں نے ان میں سے ایک مجھ کو اور دوسرا اپنی دوسری بھتیجی (یعنی میرے بڑے چچا کارل کی بیٹی فریدہ Frieda) کو عطا کر دیا۔ پھر ایک مرتبہ جب میری کزن فریدہ اسے مرمت کے لیے اپنے جوہری کے پاس لے گئی تو اس نے کہا کہ یہ تو ہندوستانی کام کا ایک بڑا نازک اور خوب صورت مرقع ہے۔

چنانچہ اس وقت سے میرا (یعنی ایڈتھ وِگے ناسٹ کا) یہ ذاتی خیال رہا ہے کہ یہ دونوں خوب صورت اور جڑواں بروچ اقبال ہی نے ایما کو ہندوستان سے تحفتہً بھیجے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مزید دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں کے اندر اقبال کا خط نمبر ۱۵ مرقومہ لاہور، ۲۲ر ستمبر ۱۹۱۰ء، جس میں وہ ایما کو تبتی بھیڑ کی کھال کی بنی ہوئی ایک چیز تحفتہً بھیجنے کا ذکر کرتے ہیں جو اوور کوٹ کے کالر اور بازوؤں پر لگانے کے لیے تھی، مزید ان کا خط نمبر ۱۶۔ از لاہور، ۱۱ر مئی ۱۹۱۱ء جس میں وہ ایما کا ان خوبصورت ٹائیوں یا گلوبندوں (Cravats) کے لیے شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس نے اقبال کو تحفتہً بھیجی تھیں)۔ (دُرّانی)

۴۔ ۱۹ر اگست ۱۹۸۸ء کو مجھے ہنس وِگے ناسٹ نے بتایا کہ یہاں اس قبرستان میں ان کے والد، یعنی جناب لڈوِگ وِگے ناسٹ، کا صرف کتبہ یعنی سنگِ مزار نصب ہے۔ ان کی خاک تا حال فرانس میں آسودہ ہے۔ (ہاں، شجرۂ نسب کے مطابق ایما کے والد ایڈولف وِگے ناسٹ اور لڈوِگ کے دادا گستاف وِگے ناسٹ جڑواں بھائی تھے اور دونوں کی تاریخ پیدائش ۴ر اپریل ۱۸۴۴ء تھی۔ (دُرّانی)

۵۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو مسز ایڈتھ شمٹ وِگے ناسٹ نے مجھے بتایا کہ جہاں تک انھیں یاد ہے، ایما کے والد کا کاروبار لوہے کی ترازوئیں وغیرہ بنانے کا تھا اور ایک موقع پر ان کا تمام کارخانہ نذرِ آتش ہو گیا۔ جب کہ بیمے کی ایک پالیسی ختم ہو چکی تھی اور نئی پالیسی چند روز بعد سالِ نو کے آغاز سے شروع ہونے والی تھی۔ چنانچہ انھیں انشورنس کمپنی سے بالکل کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

۶۔ مسز شمٹ وِگے ناسٹ کے خیال میں یہ سب مکانات ایما کے والد کی ملکیت نہ تھے، بلکہ وِگے ناسٹ خاندان کے کئی ایک افراد اس شہر میں آباد تھے۔

۷۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو مجھے بیگم شمٹ وِگے ناسٹ نے بتایا کہ شروع میں اس سڑک کا نام Mittel Strasse تھا، (جب اس صدی کی دوسری دہائی میں وہ اپنی پھوپھی کے یہاں جایا کرتی تھیں)۔ پھر نازیوں کے زمانے میں اس کا نام بدل کر شتائبن اسٹرا سے رکھ دیا گیا۔

۸۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کی ملاقات میں مجھے بیگم ایڈتھ شمٹ وِگے ناسٹ نے بتایا کہ کسی وجہ سے وِگے ناسٹ خاندان کی اس شاخ سے باقی سب رشتہ داروں نے بالکل قطع تعلق کر دیا تھا۔ ''ہمیں ان کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ نہ کچھ عرصہ پہلے تک مجھے یہ معلوم تھا کہ ان کی (یعنی لڈوگ کی) بیوی کا نام ایلسا ہے اور وہ لوگ ابھی تک ہائیل برون میں آباد ہیں۔ کسی وجہ سے ہمارا خاندان ان کا کبھی ذکر نہ کرتا تھا'' ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہی مذہبی فرقہ بندی ہو، جس کے متعلق مجھے ایلسا نے بتایا۔

۹۔ اب یہ ظاہر ہوا ہے کہ یہ قدیم شجرہ پروفیسر ہیلا کرش ہوف کے والد ماجد جناب (Otto) وِگے ناسٹ نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں تیار کیا تھا۔

۱۰۔ اِن سطور کی تحریر سے چند ماہ قبل پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے مجھے یہ پتا عطا کر دیا تھا اور پچھلے ہفتے (۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو) مسز شمٹ۔ وِگے ناسٹ نے مجھے بتایا کہ ان کے اس امریکی عزیز نے انھیں بھی اس شجرے کی ایک

نقل مہیا کی ہے (جو میں نے خود وہاں دیکھی)، اور انھوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی ایک فوٹو کاپی وہ مجھے عطا کریں گی۔

۱۱- پچھلے ہفتے بروز ۲۸/جولائی ۱۹۸۸ء کو مجھے بیگم شمٹ وِیگے ناسٹ نے بتایا کہ Sophie پرانا طرزِ املا ہے، جب کہ جدید ہجے Sofie ہیں۔

۱۲- اگرچہ علامہ اقبال دسمبر ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لائے اور ۱۹/جنوری ۱۹۳۳ء کو ان کا ہائیڈل برگ جانے اور وہاں ایک رات رُکنے کا پختہ پروگرام بھی تھا (دیکھیے ان کا خط نمبر ۲۶، مورخہ ۲۹/دسمبر ۱۹۳۲ء از لندن)، لیکن پھر بوجوہ ان کا پروگرام تبدیل ہوگیا اور ایما (اور اس کے عزیزوں) سے دوبارہ ملنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ ؏ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

۱۳- افسوس کہ ۱۹۸۷ء کے اوائل میں کار کے ایک حادثے میں ان کا انتقال ہوگیا۔

❁❁❁

باب سوم

میونخ

(علامہ اقبال کی پی ایچ ڈی کے مراحل)

علامہ اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کا غلغلہ برپا ہوا تو مجھے علامہ کی تاریخِ پیدایش کی تحقیق کی تحریک وتشویق ہوئی۔ خلاصہ اس داستان کا یوں ہے کہ اُس سال (۱۹۷۶ء) کے تابستان کی چھٹیوں میں، مَیں ایک سائنسی کتاب کی تصنیف کی خاطر کیمبرج یونی ورسٹی میں اپنے پرانے کالج، کیز (Caius) میں تین ماہ کے لیے مقیم تھا۔ وہاں اپنے پرانے کرم فرما اور مشہور تاریخ دان وصحافی جناب اِئین اسٹیفنز (Ian Stephens) سے ملاقاتیں رہیں، جو آزادیِ ہند وپاکستان سے پہلے اور اس سے تھوڑی دیر بعد تک دہلی اور کلکتہ سے شائع ہونے والے اخبار *The Statesman* کے اڈیٹر رہ چکے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر کراچی کے معروف روزنامے ڈان (*The Dawn*) میں ایک خط شائع کیا، اور اسی کے ساتھ پاکستان کے وزیرِاعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کو بھی ایک ذاتی خط لکھا، کہ علامہ کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریب سے کیمبرج یونی ورسٹی میں (جو علامہ کی قدیم مادرِ تعلیم Alma Mater تھی) ایک ''مسندِ اقبال'' بہ نام Iqbal Chair of Islamic Studies قائم ہونی چاہیے*۔ بہرصورت، جب ہم یہ خطوط لکھ رہے تھے تو جناب اِئین اسٹیفنز نے مجھ سے کہا کہ بھئی یہ صد سالہ جشن ولادت ۱۹۷۷ء میں کیوں منایا جانے والا ہے، جب کہ حوالے کی کتابوں میں تو اقبال کی تاریخِ پیدایش میں نے ۱۸۷۳ء درج پائی ہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ یہ ایک متنازع فیہ مسئلہ ہے۔ حکومتِ پاکستان نے علامہ کی تاریخِ پیدایش کے تعین کے لیے ایک کمیٹی بٹھائی تھی، جس نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کی صحیح تاریخِ ولادت ۹رنومبر ۱۸۷۷ء ہے۔ لیکن اسٹیفنز صاحب کی، بطور ایک تاریخ نگار کے، اس بات پر تسلی نہ ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ بھئی ہو سکے تو تم بھی ذرا اس مسئلے کی چھان بین کر ڈالو۔ اُسی زمانے میں مَیں نے

---

* اس تجویز کی طرف پہلا اشارہ ڈان کراچی کے برطانیہ میں چیف رپورٹر جناب نسیم احمد نے زبانی طور پر لندن کی ایک محفل میں کیا تھا، جس میں مَیں موجود تھا۔ (دُرّانی، ۳۰راکتوبر ۲۰۰۶ء)

پروفیسر انماری شمل کی کتاب Gabriel's Wing میں پڑھا تھا کہ میونخ یونی ورسٹی میں اقبال نے اپنا جو تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخل کیا تھا، اس میں انھوں نے اپنی تاریخِ پیدائش بھی درج کی ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں مَیں ایک سائنس کانفرنس میں حصّہ لینے کے لیے میونخ گیا، تو کانفرنس کے خاتمے کے بعد مَیں نے یونی ورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں علامہ کے تحقیقی مقالے معنونہ The Development of Metaphysics in Persia کے دیکھنے کا تقاضا کیا۔ لائبریری کے سررشتہ کاروں نے بتایا کہ یہ کتاب چند سال قبل تحفتہً حکومتِ ہند کو پیش کردی گئی تھی، اور اب اُس کا کوئی نسخہ اس لائبریری میں موجود نہیں ہے۔

پھر فروری ۱۹۷۷ء میں، مَیں علامہ کے پرانے کالج ٹرنٹی کالج کیمبرج Trinity College Cambridge سے استفسار کیا تو کالج کے لائبریرین جناب Dr Philip Gaskell نے مجھے اطلاع دی کہ کیمبرج یونی ورسٹی کی رجسٹری نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ''اقبال کو درجۂ اعلیٰ کے طالب علم کی حیثیت سے ("As an advanced student") داخلہ ملا تھا۔ اور انھوں نے (''بظاہر، اخلاقیات (Moral Sciences) کے کسی موضوع پر'') ایک تحقیقی مقالہ (Dissertation) پیش کیا تھا جو مارچ ۱۹۰۷ء کو خاص اجازت سے ("By Special Dispensation") بی اے کی ڈگری کے لیے منظور کیا گیا تھا۔ انھیں یہ ڈگری ۱۳؍جون ۱۹۰۷ء کو عطا کی گئی، لیکن انھوں نے ایم اے کی ڈگری حاصل نہ کی۔ پی ایچ ڈی کی ڈِگری کے ضوابط اولاً صرف مئی ۱۹۲۰ء میں منظور کیے گئے اور اس ڈگری کے لیے سب سے پہلا اُمیدوار ۱۹۲۱ء میں پیش ہوا ("Presented himself")۔ واضح رہے کہ میں نے چند روز پہلے خط کے ذریعے جناب ڈاکٹر گیسکل سے پوچھا تھا کہ اقبال نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کیمبرج یونی ورسٹی ہی سے کیوں حاصل نہ کرلی۔ اور مزید برآں، اقبال نے وہاں سے ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی یا نہیں (جو بی اے آنرز کی ڈگری کے چند سال بعد ایک مقررہ فیس داخل کرنے پر، بلاکسی امتحان کے سیدھے ہاتھوں مل جاتی ہے۔)

ان اطلاعات کے بعد مَیں وقتاً فوقتاً اس بات پر تعجب کرتا رہا کہ آخر حضرتِ اقبال نے میونخ یونی ورسٹی سے ایکا ایکی پی ایچ ڈی کی ڈگری کس طرح حاصل کرلی۔ عطیہ بیگم کی کتاب اقبال* سے مجھے معلوم تھا کہ جنابِ اقبال لندن سے ۲۰؍جولائی ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ جرمنی گئے تھے۔ اور

---

* مطبوعہ آئینۂ ادب، انارکلی لاہور، [بارِ اوّل ۱۹۴۷ء]۔ چاپِ نَو ۱۹۶۹ء (انگریزی میں)۔

پروفیسر انماری شمل کی کتاب *Gabriel's Wing* میں میں نے پڑھ رکھا تھا کہ اقبال نے پی ایچ ڈی کا زبانی امتحان نومبر ۱۹۰۷ء میں پاس کرلیا تھا۔ اور اس کی تصدیق اکتوبر ۱۹۷۶ء میں مَیں خود میونخ یونی ورسٹی کے ریکارڈوں سے کرچکا تھا، جہاں محمد اقبال کے کوائف میں زبانی امتحان کی تاریخ ۴رنومبر ۱۹۰۷ء درج تھی۔ تو سوال یہ تھا کہ انھوں نے یوں ہتھیلی پر سرسوں کیسے جمالی؟

میں ان باتوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ہو نہ ہو، انھوں نے اپنے اسی Dissertation کی کچھ اصلاح و ترمیم کرنے کے بعد، اسے بطور تھیس میونخ یونی ورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے داخل کردیا ہوگا۔ کیوں کہ اُن دنوں جبکہ برطانوی یونی ورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کا ابھی رواج نہیں ہوا تھا، وہاں کے ذہین طلبہ کو اِس ڈگری کے حصول کے لیے جرمنی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔** میرے اس قیاس کی مکمل تصدیق اُس وقت ہوئی جب جون ۱۹۸۲ء میں مَیں نے کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں علامہ اقبال کے تحقیقی مقالے معنونہ *The Development of Metaphysics in Persia* کا اصل نسخہ دریافت کرلیا، جس پر انھیں جون ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی اے کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔ (اس داستان کی تفصیلات کے لیے دیکھیے میرا مضمون ''فلسفۂ عجم کے اصل مسوّدے کی دریافت'' بابِ دہم اقبال یورپ میں مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان۔ ۱۹۸۵ء)

بعد ازآں بعض اصحاب نے یہ سوال اُٹھایا کہ آیا حضرتِ اقبال نے میونخ یونی ورسٹی کو یہ اطلاع دی تھی کہ وہ اپنے اِسی مقالے پر کیمبرج یونی ورسٹی سے بی اے کی ڈگری لے چکے ہیں؟ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ جنابِ اقبال نے اس امر کی اطلاع میونخ یونی ورسٹی کو بالضرور بہم پہنچائی ہوگی۔ ورنہ اس یونی ورسٹی کے کارپردازان اتنے کم فہم تو نہ ہوں گے کہ ایک نوجوان جولائی (۱۹۰۷ء) کے مہینے میں وہاں پہنچے اور چند ماہ کے بعد (یعنی نومبر ۱۹۰۷ء میں) وہ اسے پی ایچ ڈی کی ڈگری دے ڈالیں، بغیر یہ پوچھے کہ میاں، تم نے تین ماہ کے اندر اندر اپنی تحقیق کیسے مکمل کرڈالی؟ اور تمہارا نگرانِ تحقیق کون تھا؟

یہ تھی صورتِ حالات جب اکتوبر ۱۹۸۰ء کے اوائل میں، مَیں دوبارہ واردِ میونخ ہوا، جہاں میں ایک

---

* مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، بارِ اوّل ۱۹۶۳ء (انگریزی میں)

** جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے بھی پی ایچ ڈی کی ڈگری (شاید ۱۹۱۲ء کے لگ بھگ) جرمنی ہی سے حاصل کی تھی۔ (دُرّانی، ۲۴ راپریل ۲۰۰۷ء)

سائنسی کانفرنس میں شرکت کر رہا تھا۔ دو ماہ قبل، جنوبی ہسپانیہ کے ایک شہر Alicante میں میرا بیگ اُٹھائی گیروں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس میں علامہ اقبال کے بارے میں میرے بہت سے ضروری کاغذات اور کتابیں بند تھیں، مع ان یادداشتوں کے جو میں نے ستمبر ۱۹۸۴ء کے دورۂ میونخ، ہائیڈل برگ اور ہائیل برون (Heilbronn) میں جمع کی تھیں۔ (دیکھیے اس کتاب کا بابِ دوم)۔ اب اس امر کے علاوہ چارۂ کار نہ تھا کہ میں یہ تمام اطلاعات اور مواد پھر جمع کروں (بمواقف: ''کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو'')۔ تو یہ تھا پس منظر میری تحقیقاتِ اکتوبر ۱۹۸۷ء کا، جب میں اپنی سائنس کانفرنس کے خاتمے پر جمعرات ۱۵/اکتوبر ۱۹۸۷ء کے روز میونخ یونی ورسٹی (Ludwig-Maximilians-Universitaet, Muenchen) کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔

میونخ یونی ورسٹی لائبریری میں

میں اپنے ساتھ اپنے ایک سابق جرمن طالب علم، ڈاکٹر ہنس ماسٹ (Dr Hans Mast) کو بھی میونخ یونی ورسٹی لیتا گیا تھا تاکہ وہ اس جستجو میں میرا ہاتھ بٹا سکیں۔ اگرچہ میں حسبِ ضرورت جرمن زبان بول لیتا ہوں، اور المانیہ میں انگریزی زبان بھی خاصی مستعمل ہے، پھر بھی ایک مقامی اہلِ زبان کی موجودگی بڑی کارآمد ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ۱۵/اکتوبر ۱۹۸۷ء کو صبح کے کوئی گیارہ بجے ہم لوگ یونی ورسٹی کی لائبریری میں پہنچے تو ڈاکٹر ماسٹ نے لائبریری کے عہدہ داروں کے ساتھ میرا یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ یہ پروفیسر دُرّانی ہیں، جو اقبال اکادمی (یو کے) کے صدر نشین ہیں،* کیوں کہ جرمنی میں سرکاری یا رسمی قسم کے عہدوں (Status) کا کافی لحاظ کیا جاتا ہے۔ بہرحال ہم نے اپنا مدعا بیان کیا، یعنی کیا ہم ۱۹۰۷ء کے ریکارڈ کو دیکھ سکتے ہیں؟ ایک بڑی مددرساں (Helpful) خاتون نے کہا کہ ریکارڈوں کے محافظ خانے (Archives) کی نگرانِ اعلیٰ ایک خاتون پروفیسر ہیں، بنام ڈاکٹر لیٹیشیا بوہم (Professor Dr Laetitia Boehm)۔ ان سے ہمیں اجازت حاصل کرنی ہوگی۔ اور وہ اس وقت دفتر میں تشریف نہیں رکھتیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم دو بجے لائبریری میں دوبارہ واپس آئیں۔ اس دوران میں وہ ڈاکٹر بوہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گی، اور اگر خاتونِ موصوفہ نے اجازت دے دی تو ہم بخوشی ان ریکارڈوں کا معاینہ کرسکیں گے۔ چنانچہ ہم ان صاحبہ کا شکریہ ادا کر کے ایک قریبی ریستوران میں لنچ کرنے کے لیے چلے گئے۔

---

* میں اس عہدے پر جنوری ۱۹۸۷ء میں فائز ہوا تھا۔ (دُرّانی، ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

دو بجے ہم دوبارہ یونی ورسٹی پہنچے تو معلوم ہوا کہ پروفیسر بوہم صاحبہ نے ان قدیم ریکارڈوں (یعنی ''لوح ہائے محفوظ'') کے دیکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی ہے۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ مہم کا جزوِ اوّل کامیابی سے سرانجام پایا۔ عملے کی اس خاتون نے کہا کہ اس دوران میں محافظ خانے کے ایک اہل کار جناب مارٹن شُٹز Martin Schütz نے ۱۹۰۷ء کے ریکارڈوں کی چھان بین بھی شروع کر دی ہے۔ چنانچہ ذرا سی دیر میں ایک خوش اخلاق، نوجوان عہدہ دار وہاں آپہنچے اور کہنے لگے میں محافظ خانے کا نگران یا سررشتہ کار ہوں۔ آیے میرے ساتھ وہاں تشریف لایے۔

بعض اہم کاغذات کی دستیابی

مارٹن شُٹز صاحب، جن کی عمر قریب پینتیس برس تھی، ایک بڑے مستعد، قابل اور کارکن شخص نکلے۔ اور ہمارے آنے سے پیشتر ہی، یعنی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر، انھوں نے محافظ خانے کے مختلف رجسٹروں میں سے شیخ محمد اقبال کے بارے میں بہت سے کاغذات نکال کر یک جا کر دیے تھے۔ مزید برآں، اس معاینے کے دوران، ہماری فرمایش پر وہ مزید چند کاغذات بھی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہنس ماسٹ اور میں نے لحہ بہ لحہ بڑھتے ہوئے شوق اور بے تابی (Excitement) کے ساتھ اس گراں مایہ ذخیرے کا بغور مطالعہ شروع کر دیا۔ محافظ خانے کے اس کمرے میں صرف دو ایک اور دانش جُو اپنی اپنی تحقیق میں منہمک بیٹھے تھے۔ اور ہماری میز سے چند ہی قدم کے فاصلے پر مارٹن صاحب بھی اپنے ڈیسک پر دفتر کے کام کاج میں مصروف تھے۔ ہمیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ ریکارڈ، جو زیادہ تر دستی اور قلمی تھے، ایسے رسم الخط (Script) میں لکھے گئے تھے جو جرمنی میں آج سے اسّی یا سو سال پیشتر مستعمل تھا اور اب بالکل متروک ہو چکا ہے۔ چنانچہ میرے رفیق ڈاکٹر ماسٹ نے، جو خود جرمن ہیں، اعتراف کیا کہ ان کے لیے بھی کئی ایک پروفیسروں کی لکھائی (Handwriting) کا پڑھنا بہت مشکل، بلکہ کہیں کہیں کم و بیش ناممکن تھا۔ (یہی بات اس سے دو روز بعد میونخ یونی ورسٹی کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر بُوزاش نے بھی کہی، جن کو ہم نے یہ تحریر دکھائی۔ اور میری بیوی بھی، جو جرمن نژاد ہیں، اسی نتیجے پر پہنچیں۔) چنانچہ ہم نے مارٹن شٹز صاحب سے درخواست کی کہ وہ ہماری کچھ مدد فرمائیں۔ انھیں ایسی تحریروں کی قرأت پر کافی حد تک عبور حاصل ہے۔ چنانچہ انھوں نے از راہِ کرم مختلف پروفیسروں کی تحریروں کی گتھیاں ہمارے لیے سلجھانی شروع کیں، اور بڑی روانی کے ساتھ

انھیں Decode کرنا شروع کردیا۔ میں نے سوچا کہ (بقولِ شاعر) ''جب کرم، رخصتِ گستاخی و بے باکی دے'' تو یہ سخت نادانی ہوگی اگر ہم انھی ''چند کلیوں'' پر قناعت کرلیں، کیوں نہ داماں دراز کردیکھیں۔ میں نے مارٹن صاحب سے کہا کہ اگر ان کی توضیحات کے باوجود اب ہم ان تمام تحریروں کو اپنے ہاتھ سے نقل کرنے بیٹھ گئے تو اس میں کئی ایک گھنٹے لگ جائیں گے، کیوں کہ ایک دو پیراگرافوں ہی کی نقل میں ہمیں کوئی گھنٹہ بھر پہلے ہی لگ چکا تھا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر وہ ان تمام متعلقہ ریکارڈوں کی فوٹو کاپیاں ہمیں عطا کردیں۔ ہم بخوشی ان زیروکس Xerox کاپیوں کی قیمت ادا کردیں گے۔

مجھے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آرہا تھا کہ بلا کسی رد و قدح کے انھوں نے اس تجویز سے اتفاق کرلیا۔ (ورنہ مجھے یاد تھا کہ چند برس پیشتر، علامہ اقبال کے کیمبرج یونی ورسٹی والے تھیسس کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لیے مجھے کئی ماہ کی خط و کتابت اور کاپی رائٹ کے مرحلے طے کرنے پڑے تھے)۔* اور ذرا سی دیر میں وہ ان کاغذات کی دو دو نقلیں ہمارے لیے خود نکال کرلے آئے۔ ان میں سے ایک ہنس ماسٹ کے لیے اور ایک میرے لیے تھی۔ میں نے فوراً ان کی قیمت ادا کردی۔

اس کے بعد ہم نے ان تحریروں کے مصنف مختلف پروفیسر صاحبان کے بارے میں چند سوال کیے تو مارٹن صاحب بڑی مستعدی اور لیاقت کے ساتھ حوالے کی کتابیں اور دائرۃ المعارف وغیرہ لے کر آگئے اور ہمیں ان اصحاب کے کوائف حیات سے آگاہ کرنے لگے۔ (واقعی ان کے سے قابل ''محافظِ الواح'' پر میونخ یونی ورسٹی جتنا ناز کرے، کم ہے)۔ ہم نے ان سے مزید چند ریکارڈوں کے بارے میں استفسار کیا (مثلاً اقبال کے زبانی امتحان کے لیے میونخ یونی ورسٹی کی سینٹ کمیٹی کی اجازت، ان کی پی ایچ ڈی ڈگری کا سرٹیفکیٹ، جس کی تصویر فقیر سیّد وحید الدین کی کتاب *Iqbal in Pictures* مطبوعہ Lion Art Press، کراچی: ۱۹۶۵ء میں موجود ہے۔ وغیرہ)، تو یہ اسناد بھی وہ تھوڑی ہی دیر میں ڈھونڈ کر نکال لائے اور ان کی فوٹو کاپیاں بھی انھوں نے ہمیں دے دیں۔ ہم نے مارٹن شُٹز صاحب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا، اپنی یادداشت کے لیے ان کی ایک دو تصویریں کھینچیں، اور نازاں و فرحاں ہم لائبریری سے رخصت ہوئے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جناب ہنس ماسٹ اُس تمام رات ان ریکارڈوں کی قدیم جرمن تحریروں کو، مارٹن صاحب کی

---

* تفصیل کے لیے دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں کا بابِ دہم۔ (دُرّانی۔ ۳۰؍اکتوبر ۲۰۰۶ء)

قرأت کی روشنی میں اور گہری دلچسپی کے ساتھ، اپنے رسم الخط میں منتقل کرتے رہے۔ اور میں بھی تا دیر ان کے ساتھ بیٹھا انھیں پڑھتا رہا۔ ان سے کئی عجیب و غریب چیزوں کا انکشاف ہوا۔ اور جولائی ۱۹۰۷ء تا نومبر ۱۹۰۷ء کے عرصے میں علامہ اور ان کے اساتذہ کی سرگرمیوں کا پورا نقشہ آہستہ آہستہ ہمارے سامنے ابھر آیا۔ دو روز بعد میں برمنگھم واپس چلا گیا تو ڈاکٹر ماسٹ نے ان تمام تحاریر کا انگریزی ترجمہ بھی مجھے ڈاک سے بھیج دیا۔ ان تراجم کی کافی تصحیح و تنقیح کے بعد میں نے ان کو اپنی سیکرٹری خاتون کے سپرد کیا کہ وہ انھیں پورے سلیقے کے ساتھ اپنے Word Processor کی مدد سے، طبع کر لے اور جرمن زبان کے اصل مسوّدوں اور سرٹیفکیٹوں وغیرہ کو بھی اسی طرح Print-out کر لے (جنھیں ہنس ماسٹ نے بڑے صاف (Legible) طریقے سے Transcribe (یعنی خوش نویسی کے ساتھ نقل) کر دیا تھا)۔

اب مَیں پہلی مرتبہ کتابی شکل میں مداحینِ اقبال کی خدمت میں ان تمام اصل (Original) جرمن تحریروں، ان کے (جرمن) Typescripts، اور ان کے انگریزی تراجم کے ٹائپ شدہ Transcripts کے پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں۔ (دیکھیے کتاب کا آخری حصہ)۔ اِن ریکارڈوں کے مطالعے سے جو حقائق منکشف ہوئے ہیں ان کا ایک مختصر خاکہ یہاں درج کیے دیتا ہوں۔

سب سے پہلے تو معلوم ہوا کہ محمد اقبال جب ۱۹ یا ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کو لندن سے روانہ ہوئے (اور یہ تاریخ عطیہ بیگم کی کتاب اقبال سے مستنبط ہوتی ہے) تو وہ سیدھے میونخ پہنچے (نہ کہ ہائیڈل برگ)، اور وہاں پہنچتے ہی ۲۱ر جولائی کو میونخ یونی ورسٹی میں انھوں نے درخواست داغ دی کہ انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے اپنا مقالہ بعنوان *Development of Metaphysics in Persia* داخل کرنے کی اجازت دی جائے (دیکھیے دستاویز نمبر ۱)۔ اس درخواست میں انھوں نے ''فلسفہ'' بطور اپنے Principal (یعنی اصل اور بڑے) مضمون اور ''مشرقی (عربی) اور انگریزی Philology (لسانیات)'' بطور ذیلی یا فروعی مضامین کے، درج کیے، اور اگلے روز (بتاریخ ۲۲ر جولائی ۱۹۰۷ء) انھوں نے اس کے لیے ضروری فیس، یعنی دو سو ساٹھ جرمن مارک، بھی داخل دفتر کر دی، یعنی آج کل کے حساب سے قریب چار ہزار روپے* (دیکھیے دستاویز نمبر ۲)۔

اس کے بعد میونخ یونی ورسٹی کے مختلف پروفیسروں کے درمیان بڑی دلچسپ اور پُراز معلومات خط و کتابت یا شذرہ نویسی ہوتی رہی، جو اس فائل میں موجود ہے (دیکھیے متعلقات صفحات کے عکوس اور ان کے Transcripts اور انگریزی تراجم)۔ سب سے پہلی تحریر پروفیسر ہول کی ہے، جن کا

* یعنی ۲۰۰۶ء میں قریب دس ہزار پاکستانی روپے۔ (دُرّانی ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

پورا نام Professor Dr Fritz Hommel ہے (نہ کہ Friedrich Hommel جیسا کہ میں نے اپنی پہلی کتاب میں درج کیا ہے۔ اس غلط فہمی کا ازالہ جناب مارٹن شٹز کی مدد سے ہوا، جنھوں نے مجھے حوالے کی ایک کتاب سے پروفیسر ہومل کے کوائفِ حیات دکھائے۔* وہ ۳۱رجولائی ۱۸۵۴ء کو Ansbach میں پیدا ہوئے، اور ۱۸۷۷ء سے انھوں نے میونخ یونی ورسٹی میں تعلیم دینی شروع کی۔ وہ ۱۸۹۲ء میں سامی زبانوں Semitic Languages کے استاد مقرر ہوئے، جبکہ ۱۸۸۵ء سے عہد نامۂ عتیق (Old Testament) کی ریڈرشپ ان کے پاس تھی۔ ان کا انتقال ۱۷راپریل ۱۹۳۶ء کو ہوا)۔ پروفیسر ہومل نے یہ تحریر ۱۴را کتوبر ۱۹۰۷ء کو رقم کی تھی۔ دیکھیے دستاویز: نمبر۳۔ یاد رہے کہ انھی دنوں جناب اقبال ہائیڈل برگ میں چند ہفتے گزارنے کے بعد واپس میونخ پہنچ چکے تھے۔ دیکھیے اقبال کا پہلا خط، مورخہ میونخ ۱۶را کتوبر ۱۹۰۷ء بنام مس ایما ویگے ناسٹ۔ مندرجہ اقبال یورپ میں طبع اول، ص ۱۰۹)۔ اُس وقت تک پروفیسر ہومل صاحب اقبال کا تھیسس پڑھ چکے تھے اور ان سے اس کے بارے میں زبانی بات چیت بھی کر چکے تھے۔ اس نوٹ میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”جرمنی (بلکہ تمام یورپ) میں چند ہی ایسے عالم موجود ہیں جن کا میدانِ تحقیق عربی و عجمی فلسفہ ہے کیوں کہ زیادہ تر لوگ عربی زبان و ادب اور تاریخ پر کام کر رہے ہیں۔ اور خود میری Specialization (یعنی خصوصی مہارت) بھی مشرقِ قریب کے مذاہب کے اندر ہے..... چنانچہ میں تو زیادہ سے زیادہ اسی مسئلے پر رائے ظاہر کر سکتا ہوں کہ آیا اس مقالے میں زبان و بیان کی بنیادیں منطقی نہج پر استوار ہیں یا نہیں؟ چنانچہ میں اس تھیسس کے بالاستیعاب مطالعے اور پروفیسر اقبال کے ساتھ ذاتی گفت و شنید کے بعد پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ صاحب موصوف عربی اور فارسی زبانوں کے ایک نہایت عمدہ دانش ور ہیں۔ اور مزید برآں میرے اس فیصلے کی تائید ایک ایسے شخص کی تحریر سے ہوتی ہے، جو اقبال کے استاد بھی رہ چکے ہیں، اور جنھوں نے نہ صرف اس مقالے کے تدریجی مراحل کو بذاتِ خود دیکھ رکھا ہے، بلکہ جو اس تھیسس کی آخری شکل کو بھی ملاحظہ کر چکے ہیں، یعنی لندن یونی ورسٹی کے موجودہ اور

---

* پروفیسر ڈاکٹر Fritz Hommel کی ایک (جرمن) کتاب کے انگریزی ترجمے (معنونہ *The Civilization of the East* مترجمہ J.H.Loewe مطبوعہ J.M.Dent لندن ۱۹۰۰ء) کا ایک نایاب نسخہ اب میرے پاس ہے، جسے میں اقبال اکادمی پاکستان کو اُن کے Archives میں رکھوانے کے لیے، تحفتہً پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ (دُرّانی، ۳۰را کتوبر ۲۰۰۶ء) پس تحریر۔ ۲۰۰۷ء میں مَیں نے ادارے کو عملی جامہ پہنا دیا۔ مزید: میری بیوی نے، جو جرمن ہیں، مجھے بتایا ہے کہ Fritz دراصل Friedrich ہی کا عمومی مخفف ہے۔ (دُرّانی۔ ۲۱رستمبر ۲۰۰۹ء)

ایک ہندوستانی یونی ورسٹی کے سابقہ استاد جناب پروفیسر آرنلڈ صاحب''۔

اس کے بعد پروفیسر ہومل نے پروفیسر آرنلڈ کے ایک خط، مورخہ لندن ۲ ؍اکتوبر ۱۹۰۷ء کو لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے، جس میں پروفیسر آرنلڈ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جہاں تک انھیں علم ہے، یہ وہ پہلا مقالہ ہے جس میں ''ایرانِ قدیم کے فلسفیانہ خیالات کے مسلسل ارتقا کا اُن اسلامی مآخذ کی مدد سے تجزیہ کیا گیا ہے جو اب تک باقی ہیں۔ چنانچہ اس تھیسس میں اسلامی فکر کے مختلف ادوار و جہات کے اس خاص انداز کی نشان دہی کی گئی ہے جو بالخصوص عجمی ہے۔ صاحبِ تحریر نے ایسے بہت سے مواد سے استفادہ کیا ہے جو پیش ازیں یا تو غیر مطبوعہ تھا، یا یورپ میں بہت نامعلوم تھا۔ چنانچہ میری رائے میں یہ مقالہ تاریخِ فکرِ اسلامی میں ایک بیش بہا اضافے کے مترادف ہے'' (دستخط ٹی ڈبلیو آرنلڈ، استادِ عربی، لندن یونی ورسٹی)۔

اس نوٹ کے نیچے پروفیسر ہومل نے ایک پس تحریر کا اضافہ کیا ہے کہ میں اپنے رفیقِ کار کُوہن (Kuhn) صاحب کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ اُمیدوار کا بطور اس کے بنیادی یا اصل (Principal) مضمون کے، تاریخِ فلسفہ میں آدھے گھنٹے کا زبانی امتحان لیا جائے۔ اور مزید نصف گھنٹے کے لیے نفسیات کے بجائے تاریخِ مذاہبِ شرق کے مضمون کا امتحان لیا جائے، اور اس مضمون کے ممتحن میری نسبت میرے رفیقِ تدریس کُوہن صاحب زیادہ موزوں رہیں گے۔ (یاد رہے کہ اقبال نے اپنا اصل مضمون ''فلسفہ'' لکھوایا تھا اور ذیلی مضامین مشرقی (عربی) اور انگریزی لسانیات درج کیے تھے۔)

پروفیسر ہومل کے بعد یہ فائل پروفیسر ہرٹ لنگ (Georg von Hertling) کے پاس پہنچی۔ جناب مارٹن شُٹز (Schütz) نے بتایا کہ یہ ایک بڑی اہم شخصیت تھے۔ انھوں نے ہمیں پروفیسر ہرٹ لنگ کی خودنوشت سوانح عمری معنونہ *Erinnerungen aus meinem Leben* (میری زندگی کی یادیں) دکھائی۔ ان کا پورا نام اور لقب Rittmeister Georg Friedrich Graf von Hertling تھا (یعنی وہ اسپ سواروں کے کپتان، اور نواب تھے)۔ وہ ۳۱ ؍اگست ۱۸۴۳ء کو ڈارم شٹاٹ (Darmstadt) میں پیدا ہوئے۔ اور ۴ ؍جنوری ۱۹۱۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ۱۸۸۲ء میں وہ میونخ یونی ورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جہاں ان کا خصوصی میدان کیتھولک مذہب کی فلسفیانہ تحقیق تھی۔ وہ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۹۰ء اور پھر ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۲ء تک پارلیمنٹ کے ممبر رہے (Centre Party)۔ ۱۹۱۲ء سے

۱۹۱۷ء تک ان کا تقرر ریاست بویریا کے وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے رہا (جس کا صدر مقام میونخ ہے)۔ اور پھر ۱۹۱۷ء/۱۹۱۸ء میں وہ تمام جرمنی کے چانسلر Reichkanzler, i.e. Chancellor of the Reich (سربراہِ مملکت) بن گئے۔

پروفیسر فون ہرٹ لنگ اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں (دیکھیے دستاویز نمبر ۴):

میں نے پروفیسر اقبال کے مقالے کا دلچسپی کے ساتھ معاینہ کیا ہے۔ یہ تھیس ایک ایسے شخص کی تصنیف نظر آتا ہے جو بڑی وسیع تعلیم کا مالک ہے۔ اور بس اِن جملوں کے ساتھ جو کچھ کہ میں کہہ سکتا ہوں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (یہ اس لیے کہ) عربی اور فارسی لسانیات کے ساتھ میرا تعلق تو اسی حد تک رہا ہے جہاں تک انھوں نے مغربی فلسفے کو متاثر کیا ہے۔ اور وہاں بھی میرا مبلغِ علم صرف ازمنۂ وسطیٰ کے لاطینی تراجم تک محدود رہا ہے۔ اس مقالے کے مصنف کی پیش کش جو زیادہ تر (مغرب میں) غیر مطبوعہ اصلی مآخذ پر منحصر ہے، میرے سرمایۂ علم سے کہیں بیش تر ہے۔ اور اس سے نہ صرف ایک وسیع تر بلکہ ایک بسیار پہلو تصویر اُجاگر ہوتی ہے۔ اس مقالے میں ابو سینا کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس پر بھی مندرجۂ بالا الفاظ صادق نظر آتے ہیں۔ لیکن میں اس مقالے کی سائنٹفک قدر و قیمت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، چونکہ میرے پاس اس کے بیانات کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور نہ میں اپنے ان شکوک کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکتا ہوں جو بعض مقامات پر میرے ذہن میں اُٹھے ہیں، کہ آیا مصنف نے ان فلسفیوں کے خیالات درستی کے ساتھ پیش کیے ہیں یا نہیں جن کا اس نے اپنے مقالے میں جائزہ لیا ہے۔ بہرصورت، چونکہ ہمارے سامنے ایک ماہرِ خصوصی (یعنی پروفیسر طامس آرنلڈ) کی رپورٹ موجود ہے جو اُمیدوار کے حق میں جاتی ہے، اس لیے میں اپنے رفیقِ تدریس (Colleague) ہوئل کی اس تجویز کی تائید کرتا ہوں کہ مصنفِ مقالہ کو پی ایچ ڈی کے زبانی امتحان کے لیے پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔ اس زبانی امتحان سے اس بات کا پتا بھی چلے گا کہ یونانی فلسفیوں کے افکار کے ساتھ مصنف کو کس حد تک آگاہی ہے، کیوں کہ تھیس کے پڑھنے سے اس بات کا حتمی علم نہیں ہو سکتا، اگرچہ یونانی فلسفے پر اس مقالے میں کافی بحث کی گئی ہے...... زبانی امتحان کے بارے میں میرے رفیقِ کار پروفیسر ہوئل نے جو طریقۂ کار تجویز کیا ہے وہ بالکل معقول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ عام مروجہ دستور کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور میرے خیال میں اس کے لیے فیکلٹی کو (ایک خاص) فیصلہ کرنا پڑے گا۔

دستخط
ہرٹلنگ Hertling

اگلی تحریر پروفیسر لپس (Professor Th. Lipps) کی ہے جن کا میدان فلسفہ تھا۔ یہ صاحب لکھتے ہیں (دیکھیے دستاویز نمبر ۵):

میں اس مقالے کے بارے میں اپنا کوئی ذاتی فیصلہ صادر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اپنے رفیقِ کار پروفیسر فون ہرٹلنگ کی موافقت میں میں بھی اپنے ساتھی ہومل کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ اُمیدوار کو داخلے کی اجازت دی جائے۔ جہاں تک زبانی امتحان کا تعلق ہے تو پروفیسر ہومل (شاید ان کی مراد پروفیسر ہرٹلنگ سے ہے۔ دُرّانی) کی تجویز کی مطابقت میں خود میری بھی یہی رائے ہے کہ فیکلٹی کو ایک خاص فیصلہ اس بارے میں کرنا ہوگا کہ اُمیدوار کا اصل یا بڑا (Principal) مضمون کیا قرار دیا جانا چاہیے۔

دستخط
Th. Lipps تھ لپس

پھر آخری نوٹ پروفیسر کوہن (Professor E. Kuhn) کا ہے، جو تاریخِ مذاہبِ شرقی کے استاد تھے۔ وہ یوں رقم طراز ہیں (دیکھیے دستاویز نمبر ۶):

میں اپنے رفیقِ تدریس پروفیسر ہومل کی اس تجویز کے ساتھ بلا پس و پیش اتفاق کرتا ہوں کہ جنابِ اقبال کو اپنے مقالے کی بنیاد پر زبانی امتحان دینے کی اجازت دی جائے۔ یہ مقالہ یقیناً بڑی احتیاط کے ساتھ اور عالمانہ طور پر مرتب کیا گیا ہے اور بدیہی طور پر ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ کیوں کہ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک مشرقی شخص جس نے یورپ میں تعلیم پائی ہے ان مسائل کو کس طور سے دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ جہاں تک زرتشتی اور مانوی وغیرہ مذاہب کے بیان کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مقالے کے ابتدائی متعلقہ ابواب خاصے مختصر ہیں اس لیے مجھے ان پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے مصنف اپنے مقالے کو ان علمی حوالہ جات کی روشنی میں جن کا پروفیسر ہومل نے اضافہ کیا ہے۔[۱] کسی حد تک مزید بہتر ضرور بنا سکتا ہے۔ چونکہ مصنفِ مقالہ دس نومبر تک انگلستان واپس پہنچنا چاہتا ہے (جہاں اقبال کو لندن یونی ورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کی نیابت میں عربی زبان کے لیکچر دینا تھے۔ مزید تفصیل زیرِ ہٰذا آئے گی...... دُرّانی) اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ وہ اپنے اصل (یا کلاں یا مہتر) (Principal) مضمون کے طور سے مشرقی (بالخصوص عربی) لسانیات کا انتخاب کرے، اور فلسفے کو اپنا فروعی یا ذیلی (Subsidiary) مضمون قرار دے۔ اور اس آخر الذکر مضمون کے ممتحن جناب فون ہرٹلنگ ہوں تو بہتر ہوگا۔ اس کے لیے فیکلٹی کے کسی مزید فیصلے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

(دستخط)
E.Kuhn ای کوہن
مورخہ ہفتہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء

پس تحریر: مجھے ابھی پتا چلا ہے کہ فیکلٹی کی ایک میٹنگ اگلے بدھ وار کو ہو رہی ہے، تو یہ اور اچھا ہوا۔ (امضاء EK، مورخہ ۲۷ر اکتوبر)

ان تمام تحریروں کے تتمے کے طور سے جناب Vollmer نے مورخہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۷ء اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

جو اصحاب اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اُمیدوار کو (زبانی امتحان میں) داخلے کی اجازت دی جائے اور فیکلٹی کی میٹنگ میں مسئلے کا رسمی فیصلہ کیا جائے (یعنی اصل اور فروعی مضامین کیا ہوں۔ دُرّانی)۔ وہ نیچے دستخط کریں۔

چنانچہ ان تحاریر وتجاویز پر صاد کرنے والے مزید بارہ پروفیسروں کے دستخط ان شذرات کے نیچے ثبت ہیں۔ (دستاویز نمبر ٦)

میونخ یونی ورسٹی کے محافظ خانے کے عہدہ دار جناب مارٹن شُٹز (Martin Schiitz) نے میری درخواست پر فیکلٹی کے متعلقہ فیصلے کی نقل بھی مجھے مہیا کی ہے، جو مندرجہ ذیل ہے۔ (دیکھیے دستاویز نمبر ۷)

فیکلٹی میٹنگ۔ فیصلہ نمبر ۸

جنابِ اقبال کے (زبانی) امتحان کا اصل یا بڑا مضمون مشرقی (عربی) لسانیات ہوگا اور فلسفہ اور لسانیات ان کے فروعی مضامین (Subsidiary Subjects) ہوں گے۔

اقبال فائل کے بعض اندراجات

میونخ یونی ورسٹی میں محفوظ اقبال فائل کے آخری دو تین صفحات جنابِ اقبال کے سرٹیفکیٹوں اور نتائج کے اعلان وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن چونکہ موجودہ مضمون کے ساتھ میں فائل کے اصل کاغذات کی فوٹو کاپی اور تمام تحریروں کا جرمن Transcript (ٹائپ شدہ متن) اور ان کے انگریزی تراجم بھی پیش کر رہا ہوں، اس لیے ان کا اُردو ترجمہ درج کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ دلچسپ وہ دستاویز ہے جو Protokoll یعنی امتحان کے نتیجے کا ریکارڈ ہے (دیکھیے دستاویز نمبر ۸)۔ اس میں درج ہے کہ مورخہ ۴ر نومبر ۱۹۰۷ء، بروز پیر، سہ پہر کے پانچ بجے سینٹ کے میٹنگ روم میں جناب ایس-ایم-اقبال کا زبانی امتحان عمل میں آیا، جس میں مندرجہ ذیل پروفیسران یعنی ہومل اور لپس اور شِک (Schick) اور گوہن اور زیرِ دستخطی ڈین (Dr H. Breymann) موجود تھے۔ اور ان سب کے امضاء وہاں ثبت ہیں)۔

اس امتحان میں مندرجہ ذیل اصحاب نے بطور ممتحن حصّہ لیا:

اصل یا بڑا مضمون (Principal Subject)، مشرقی (بالخصوص، عربی) زبان و ادب (Philology)، پروفیسر ہومل (Hommel)۔

فرعی یا اضافی مضمون (Subsidiary Subject) انگریزی زبان و ادب (Philology)، پروفیسر شِک (Schick)۔

فرعی یا اضافی مضمون، فلسفہ...... پروفیسر لِپس (Lipps)۔

امتحان کے بعد کی مشاورت کے نتیجے میں اُمیدوار کو مندرجہ ذیل درجات دیے گئے:

اصل مضمون (Principal Subject) میں درجۂ اوّل۔

اضافی مضمون اوّل (Frist Subsidiary Subject) میں درجۂ دوم۔

اضافی مضمونِ ثانی (Second Subsidary Subject) میں درجۂ سوم۔

ان سب کا مشترکہ نتیجہ: درجۂ دوم۔

یہاں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ شیخ محمد اقبال کے نام جاری کردہ سند میں جو "مجموعی" (Overall) درجہ مندرج ہے وہ Magna cum Laude (یعنی With Great Praise) ہے۔ اور میونخ یونی ورسٹی جیسی سربرآوردہ درس گاہ سے یہ درجہ حاصل کرنا بہت قابلِ تحسین ہے۔ (پی ایچ ڈی کا سب سے اونچا درجہ اُن دنوں Summa cum Laude یعنی With All Praise ہوا کرتا تھا۔ دُرّانی۔ ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

ڈاکٹر بُوزاش سے ملاقات

اس کے علاوہ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس فائل کی دریافت کے اگلے روز، یعنی جمعہ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کو راقم الحروف اور ڈاکٹر ہنس ماسٹ میونخ لائبریری کے سابقہ ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر بُوزاش (Dr Ladislaus Buzás) سے ان کے دولت کدے پر ملنے کے لیے گئے۔ اور میں نے ان کے ساتھ علامہ اقبال کی ڈگری کے بارے میں بات چیت کی۔ یاد رہے کہ یہ وہی ڈاکٹر بُوزاش ہیں جنھوں نے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں پہلے پہل مجھے اس بات کی اطلاع دی تھی کہ علامہ کا میونخ یونی ورسٹی میں رکھا ہوا پی ایچ ڈی کا تھیسس چند سال قبل حکومتِ ہند کو تحفتہً دے دیا گیا تھا۔ اب وہ میونخ یونی ورسٹی لائبریری کے مہتممِ اعلیٰ کے عہدے سے ریٹائر ہوکر میونخ کے ایک مضافاتی گاؤں (Unterschleissheim) میں رہایش رکھتے ہیں، جہاں ۱۹۸۴ء کے موسمِ گرما میں بھی مَیں ان سے مل

چکا تھا۔ انھوں نے علامہ اقبال کی ڈگری کے بارے میں کئی ایک دلچسپ باتیں کہیں۔

اولاً یہ کہ اس پوری اقبال فائل کو ملاحظہ کرنے کے بعد (جس کی فوٹو کاپی میں نے انھیں دکھائی) ڈاکٹر بُوزاش نے اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ تمام کارروائیاں اور اقدامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ میونخ یونی ورسٹی کے پروفیسروں اور کارپردازوں کو علامہ اقبال کی علمیت و دانش وری، اور نیز کیمبرج یونی ورسٹی اور پروفیسر طامس آرنلڈ کے مقام کا کس درجہ احترام و اعتبار ملحوظ تھا۔ یعنی دریں صورت کہ ان کے پاس جنابِ اقبال کے اصل مضمون یعنی عجمی فلسفے کے ساتھ واقفیت رکھنے والا کوئی پروفیسر تھا ہی نہیں تو بجائے یہ کہنے کہ جناب آپ کسی اور یونی ورسٹی میں جا کر قسمت آزمائی کر لیجیے، دیکھیے کیسے انھوں نے اقبال کے تھیسس داخل کرنے کی درخواست منظور کر کے کسی نہ کسی طرح ان کا زبانی امتحان رکھوا ہی دیا (یعنی جب کوئی عجمی فلسفی کا ماہر نہ ملا تو عربی اور انگریزی لسانیات کے ماہرین ہی کو بطور ممتحن لگا دیا)۔ ڈاکٹر بُوزاش نے کہا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ ساری کارروائی اور زبانی امتحان کے مضامین کا ایک خاص نہج سے انتخاب، اس لیے کیا گیا کہ یونی ورسٹی میں جو ماہرین موجود ہیں، انھی سے کام لے لیا جائے۔

دوسری بات ڈاکٹر بُوزاش نے یہ کہی کہ ایسے ایسے نام ور پروفیسروں، یعنی پروفیسر ہومل اور پروفیسر شِک (Schick) کا اقبال کو عربی اور انگریزی لسانیات میں درجہ ہائے اوّل و دوم عطا کرنا بجا طور پر قابلِ ستایش ہے۔ رہا فلسفے کے مضمون کا نتیجہ، تو اس کی میرے (یعنی ڈاکٹر بُوزاش کے) خیال میں وجہ یہ ہے کہ چونکہ کوئی متعلقہ ماہر ہی موجود نہ تھا، اس لیے انھوں نے احتیاطاً اقبال کو فروتر درجہ عطا کیا تا کہ بعد کو کوئی اس سند (اور اس مضمون کے درجے) پر اعتراض نہ اُٹھا سکے (یعنی اس کو چیلنج نہ کر سکے)۔ اور خود راقم الحروف کا بھی یہی خیال ہے کہ فلسفۂ عجم میں شیخ محمد اقبال کو درجۂ سوم کے دیے جانے سے حضرتِ علامہ اور ان کے تبحرِ علمیّت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ یہ امر اُس زمانے میں میونخ یونی ورسٹی کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ اور مظہر ہے، جس کا پورا ثبوت خود اسی فائل میں موجود ہے۔ اور یوں بھی کسی مسلمہ نابغۂ روزگار (یعنی Genius) کو ایک رسمی امتحان میں جو بھی درجہ ملے، اس کی دنیا میں قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور اس کی ایک معروف مثال حکیم آئن سٹائن ہیں، جو کہا جاتا ہے کہ زیورک یونی ورسٹی کے ریاضی کے امتحان میں فیل ہو گئے تھے، مگر جنھوں نے بعد ازآں اپنے نظریۂ اِضافیت (Theory of Relativity) کی مدد سے تمام سائنس کی کایا پلٹ کر دی۔ بقول علامہ اقبال ؎

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے صدف سے، کہ گہر سے؟

اُس شام (جمعہ، ۱۶را کتوبر ۱۹۸۷ء) مَیں نے ڈاکٹر بُوزاش سے چند اور استفسارات بھی کیے۔ مثلاً یہ کہ آیا جنابِ اقبال کو اپنا تھیس انگریزی زبان میں پیش کرنے کے لیے خاص اجازت لینی پڑی ہوگی۔ ڈاکٹر بُوزاش نے کہا کہ نہیں۔ اس بات کے لیے خاص اجازت ضروری نہ ہوا کرتی تھی (اور اب تو اس کا معمول اور بھی بڑھ گیا ہے)۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ ۱۸۰۳ء سے پیشتر پی ایچ ڈی کا تھیس لاطینی زبان میں لکھ کر داخل کرنا لازم تھا (اور جرمن زبان میں لکھنے کے لیے خاص اجازت کی ضرورت ہوا کرتی تھی)۔ کہنے لگے کہ خود میں نے اپنا تھیس جرمن زبان میں لکھ کر ایک ہنگیرین یونی ورسٹی میں (دوسری جنگِ عظیم کے دوران) داخل کیا تھا۔ (یاد رہے کہ وہ ہنگیرین نژاد ہیں)۔ ہاں، باتوں باتوں میں انھوں نے کہا کہ علامہ اقبال ہی کی طرح، اُن کے تھیس کے ساتھ بھی ان کے ممتحنوں نے بڑا لحاظ کیا تھا۔ وہ یوں کہ جنگ کی وجہ سے ان کی اصلی یونی ورسٹی (Fünfkirchen) ایک اور یونی ورسٹی کے ساتھ مدغم کردی گئی تھی۔ چنانچہ بُوزاش صاحب اپنے تھیس کا ایک ڈرافٹ (ہیئتِ نخستیں) ہی داخل کر سکے اور ان کا زبانی امتحان بھی بڑی رواروی میں اور خاصا غیر رسمی سا ہی رہا۔ بقول ان کے اگر کسی یونی ورسٹی یا فیکلٹی کی نظر میں ڈگری کے کسی اُمیدوار کی قابلیت مسلّم ہوتی تھی، تو وہ اپنے قواعد میں لچک پیدا کر لیتے تھے۔ (چنانچہ علامہ کا اور بُوزاش صاحب کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہی تھا)۔

ایک اور بات جو میں نے بُوزاش صاحب سے پوچھی وہ یہ تھی کہ اقبال کے (مطبوعہ) مقالے کی اس ہیئت (Version) میں جو میونخ یونی ورسٹی میں داخل کیا گیا (...... جسے میں نے اپنی کتاب اقبال یورپ میں میں ''نسخۂ مار برگ'' کا نام دیا ہے*، اور جو میں نے اس شام بوُزاش صاحب کو دکھایا)، اس کے صفحۂ عنوان پر جو عبارت درج ہے، اس پر ذرا روشنی ڈالیے۔ یعنی وہاں جو یہ لکھا ہے کہ افتتاحی

---

* اس کتاب کا وہ منفرد نسخہ، جو اقبال نے بروز ۳رجولائی ۱۹۰۸ء اپنے دستخط کے ساتھ جناب ایف ڈبلیو طامس کو پیش کیا تھا، میں نے چند سال ہوئے اقبال اکادمی پاکستان کو تحفتہً دے دیا ہے، تاکہ وہ اُس کے حفاظت خانے Archives میں محفوظ ہو جائے۔

برسرِ تذکرہ ایک بات جو کسی قدر قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ فلسفۂ عجم کے اس مذکورہ ''نسخۂ برنگھم'' (۱۹۰۸ء) پر (جس کے صفحۂ اوّل کا عکس میں نے اقبال یورپ میں میں دیا ہے) اقبال کے ذاتی لقب کے ہجے Shaikh دکھائے گئے ہیں۔ جب کہ اُن کی پی ایچ ڈی کی سند (مورخہ ۴رنومبر ۱۹۰۷ء) پر یہ لفظ بطور Sheikh تحریر کیا گیا ہے (دیکھیے دستاویز نمبر ۲۱)۔ (دُرّانی، ۳۱را کتوبر ۲۰۰۶ء)

مقالہ(Inaugural-Dissertation) (برائے) کُلّیۂ فلسفہ، سیکشن اوّل (یا دوم) (Philosophischen Fakultät Sekt I (Resp II) تو اس میں "سیکشن اوّل (یا دوم)" کہنے سے کیا مراد ہے؟ ڈاکٹر بُوزاش نے جواب دیا کہ یہ یونی ورسٹی کی رجسٹری کے کسی عہدہ دار کے تساہل یا نااہلی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، جس نے بجائے یہ دیکھنے کے کہ مقالے کا موضوع کون سے سیکشن سے مطابقت رکھتا ہے، احتیاطاً دونوں کا نام درج کردیا! (پس تحریر: مضمون کی نظر ثانی کے دوران میں نے "میونخ فائل" کے صفحات کا غور سے جائزہ لیا، تو نظر آیا کہ اقبال کی اوّلیں درخواست، مورخہ میونخ ۲۱رجولائی ۱۹۰۷ء میں صاف درج ہے کہ یہ کُلّیۂ فلسفہ کے سیکشن اوّل کی طرف سے جاری کی گئی ہے۔ (دیکھیے دستاویز نمبرا)۔ اسی طرح ۴رنومبر ۱۹۰۷ء کے روز میونخ یونی ورسٹی کے "شاہی کُلّیۂ فلسفہ" کے ایکٹنگ (Acting) ڈین (فی الوقت=z.Z= zur Zeit) ڈاکٹر ایچ برے من(Dr H. Breymann) نے اقبال کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کرنے کے لیے شاہی یونی ورسٹی (میونخ) کے چانسلر کو جو سفارش بھیجی ہے، اس پر بھی بہ وضاحت سیکشن اوّل کی تین مرتبہ تصریح کی گئی ہے (دیکھیے دستاویز نمبر۹)۔ چنانچہ نسخۂ ماربرگ کے صفحۂ عنوان کی عبارت واقعی کسی شخص کی نااہلی یا غیر ذمہ داری کا ثبوت معلوم ہوتی ہے...... نہ کہ چند روز ہوئے پراگ میں جناب یان ماریک(Jan Marek) کے اِس خیال کی تصدیق کہ شاید اقبال کے اس مقالے کا موضوع قسمت ہائے اوّل و دوم کے بین بین رہا ہو، جس کی وجہ سے متعلقہ اہل کار نے احتیاطاً دونوں کا نام لکھ دیا۔ واضح رہے کہ جناب ماریک کی ذاتی لائبریری میں اقبال کے اس مقالے کی اُسی ہیئت ("نسخۂ ماربرگ") کی ایک کاپی موجود ہے، جو انھوں نے زمانۂ طالب علمی میں، یعنی ۱۹۵۸ء سے قبل، پراگ کے کسی پرانی کتابوں کے تاجر سے خریدی تھی (یہ کاپی انھوں نے مجھے دکھائی)۔ اور اسی کے دیباچے میں درج اقبال کے کوائفِ حیات کی روشنی میں انھوں نے اپنا وہ معروف مضمون تحریر کیا تھا معنون The Date of Muhammad Iqbal's Birth مطبوعہ *Archiv Orientalni*، جلد ۲۶۔ سنہ اشاعت ۱۹۵۸ء، ص ۶۱۷ تا ۶۲۰، جس کا میں نے حال ہی میں (پراگ، ۴راگست ۱۹۹۰ء) ترجمہ کیا ہے۔ دیکھیے موجودہ کتاب کا ضمیمہ نمبرا۔

اس کے بعد میں نے بُوزاش صاحب سے یہ بھی پوچھا کہ اقبال کا پی ایچ ڈی کا زبانی امتحان کونسی زبان میں ہوا ہوگا، انگریزی یا جرمن؟ انھوں نے کہا کہ یونی ورسٹی پروفیسر (اُن دنوں بھی) عموماً انگریزی جانتے تھے۔ مزید برآں، پروفیسر شک (Schick) بالخصوص انگریزی زبان کے ماہر تھے اور

غالباً اسی لیے انھیں ممتحنوں کے بورڈ میں شامل کیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا، کیا اقبال کی جرمن زبان دانی کا امتحان بھی ہوا ہوگا؟ کہنے لگے کوئی ضروری نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ (اگرچہ اور ذرائع، مثلاً عطیہ فیضی، سے یہ روایت ہے کہ زبانی امتحان ہی کی خاطر اقبال ہائیڈل برگ اور لندن میں جرمن زبان سیکھ رہے تھے۔ دُرّانی)۔ آخر میں، مَیں نے یہ سوال کیا کہ یہ کہاں تک رائج یا جائز تھا کہ (کم و بیش) ایک ہی تھیسس پر دو ڈگریاں لی جائیں (یعنی کیمبرج سے بی اے اور میونخ سے پی ایچ ڈی)۔ ڈاکٹر بُوزاش نے جواب دیا کہ تاوقتیکہ کسی تھیسس پر دی گئی پہلی ڈگری اس ڈگری سے کم تر (Lower) ہو جس کے لیے یہ تھیسس بعد ازآں داخل کیا گیا، تو اس بات پر قطعاً کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اس مقالے کو اس دوسری، بلند تر (Higher) ڈگری کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا اور کافی ثابت ہونا پڑتا تھا۔ جواز صرف اس صورت میں طلب کیا جاتا تھا کہ اگر دو برابر کی ڈگریوں کے لیے (دو مختلف یونی ورسٹیوں میں) ایک ہی مقالہ پیش کیا جاتا۔

اقبال کے ممتحنوں کی بات ہوئی تو ڈاکٹر بُوزاش نے کہا کہ ڈاکٹر گُوہن (E.Kuhn) سنسکرت زبان کے ماہر تھے۔ جب میں میونخ پہنچا (یعنی ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر کے لگ بھگ)، تو ان کا تو کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن اُن دنوں پروفیسر گُوہن کے ایک پرانے شاگرد وہاں ہوا کرتے تھے۔ یہ بھی اب کافی سِن رسیدہ ہو چکے تھے اور ان کی لمبی سی سفید ڈاڑھی تھی۔ یہ حضرت زمانۂ طالب علمی میں پروفیسر گُوہن کے لیکچروں کی تیاری وغیرہ میں مدد دیتے تھے اور لائبریری اسسٹنٹ کے طور سے بھی کام کرتے تھے، اور میری (یعنی ڈاکٹر بُوزاش کی) آمد کے وقت بھی وہ لائبریری کا کام کر رہے تھے۔ جہاں تک پروفیسر لپس (Theodor Lipps) (زمانۂ حیات ۲۸/جولائی ۱۸۵۱ء تا ۱۷/اکتوبر ۱۹۱۴ء) کا تعلق ہے، تو وہ فلاسفر تھے، لیکن وہ اپنے فلسفے (مثلاً اخلاقیات و مابعد الطبیعیات (Ethics and Methaphysics) کو نفسیات (Psychology) کی بنیادوں پر استوار کرتے تھے۔ اور اقبال کے ایک ممتحن کی حیثیت سے ان کا انتخاب بطور ایک ماہرِ فلسفہ ہی ہوا تھا۔

آرنلڈ کے نام اقبال کے تین غیر مطبوعہ خطوط

علامہ اقبال کے میونخ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کے حصول کے کوائف کا بیان ختم کرنے سے پہلے دو مزید باتوں کے اضافے کی اجازت چاہتا ہوں، جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

پہلی بات کا تعلق اقبال کے دو غیر مطبوعہ خطوط سے ہے، جو انھوں نے میونخ سے پروفیسر آرنلڈ کو بھیجے تھے اور جو اِس کتاب کے ذریعے پہلی مرتبہ منظرِ عام پر لائے جا رہے ہیں۔ یہ دونوں خطوط دراصل دو پوسٹ کارڈ ہیں جو سر طامس آرنلڈ کے بڑے نواسے جناب آرنلڈ بارفیلڈ کے پاس محفوظ رہے ہیں، اقبال اکیڈیمی (یو۔کے) کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے ''سر طامس آرنلڈ ڈے''* بتاریخ ہفتہ ۱۹رنومبر ۱۹۸۸ء کے موقع پر ہم لوگوں نے سر طامس کی باقیات کی جو نمائش مرتب کی تھی اس میں یہ پوسٹ کارڈ شامل تھے۔ ان پوسٹ کارڈوں کے عکوس میرے دوست (اور سر طامس کے چھوٹے نواسے) جناب لارنس بارفیلڈ نے مجھے عطا کیے ہیں اور ان کی اجازت سے میں انھیں یہاں بکمال مسرت شائع کر رہا ہوں۔ یہ دونوں پوسٹ کارڈ، جو اقبال نے میونخ سے پروفیسر آرنلڈ کو لکھے تھے، اقبال اور سر طامس کے باہمی تعلقات کی توضیح اور تصویر کشی میں ایک خاصا اہم اضافہ ہیں۔ ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ نے مجھے بتایا کہ دراصل ان خطوط کے محفوظ رہ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بڑے بھائی، یعنی سر طامس کے نواسے آرنلڈ بارفیلڈ، بچپن میں پرانے پوسٹ کارڈ (اور بیرونی ممالک کی ڈاک ٹکٹیں) ایک ہوبی (یعنی ذاتی شوق) کے طور سے جمع کیا کرتے تھے۔ اب میری اور لارنس کی دلچسپی کے پیش نظر اس مجموعے کی چھان بین کرنے پر آرنلڈ بارفیلڈ نے اقبال کے ان دو تازہ پوسٹ کارڈوں کا کھوج نکالا ہے۔ ان خطوط سے اواخر ۱۹۰۷ء میں اقبال کی میونخ میں سرگرمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔**

جیسا کہ اس مضمون میں اوپر ذکر ہوا، اور دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو اقبال کا خط بنام مس ایما ویگے ناسٹ، مورخہ لندن ۲ر دسمبر ۱۹۰۷ء، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''...... میرا خیال تھا کہ میں ہائیل برون (Heilbronn) کے رستے سفر کر سکوں گا، لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ میرے لیے یہ قطعی لازم تھا کہ میں پانچ نومبر کو لندن میں ہوں۔ پروفیسر آرنلڈ مصر گئے ہیں اور میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا ہوں......''

اقبال کو پروفیسر آرنلڈ کی نیابت میں یونی ورسٹی کالج لندن میں چند ماہ کے لیے لیکچر دینے تھے۔

---

* یعنی پروفیسر آرنلڈ کے ہندوستان (یعنی علی گڑھ) پہنچنے کی صد سالہ برسی۔ مزید تفصیلات کے لیے *Iqbal Review* کا خصوصی شمارہ (جلد ۳۲، نمبر ۱) برائے اپریل ۱۹۹۱ (Guest Editor, Dr S.A. Durrani) مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان (دُرّانی، ۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

** افسوس کہ سر طامس آرنلڈ کے خلیق نواسے، اور میرے عزیز دوست، ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ کا بروز ۲ر جولائی ۲۰۰۹ء برمنگھم میں بہ عمر ۷۴ برس، انتقال ہو گیا۔ وفات سے چند ماہ قبل انھوں نے میری درخواست پر، اپنے نانا کے نام میونخ سے لکھے گئے اقبال کے دونوں پوسٹ کارڈ میرے حوالے کر دیے، جو میں اقبال اکادمی پاکستان کے حفاظت خانے (Archives) میں محفوظ کرانے کے لیے ناظمِ اکادمی جناب سہیل عمر کے سپرد کرنے والا ہوں۔ (دُرّانی۔ ۲۱ر ستمبر ۲۰۰۹ء)

(پس تحریر مورخہ پراگ، ۴؍اگست ۱۹۹۰ء: حال ہی میں ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ نے میری درخواست پر اپنے خاندانی مجموعۂ خطوط کو کھنگالنے کے بعد مجھے اطلاع دی ہے کہ پروفیسر آرنلڈ نے مصر سے اپنی بیگم کے نام آخری خط جنوری ۱۹۰۸ء کے اواخر میں لکھا اور اپنی عنقریب واپسی کی اطلاع دی۔ یوں علامہ کی نیابت تقریباً صرف تین ماہ پر حاوی رہی۔ یعنی اوائل نومبر ۱۹۰۷ء تا اواخر جنوری یا آغاز فروری ۱۹۰۸ء)۔

موجودہ مضمون میں پروفیسر گوہن (Kuhn) کے اس نوٹ کا ذکر ہو چکا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''......مصنفِ مقالہ دس نومبر تک انگلستان واپس پہنچنا چاہتا ہے......'' تو ان سب بیانات کی مندرجۂ ذیل پوسٹ کارڈوں سے تصدیق ہوتی ہے۔

پہلا پوسٹ کارڈ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کو میونخ سے بتاریخ ۳۱؍اکتوبر بھیجا۔ (اور یہ ۲؍نومبر ۱۹۰۷ء کو لندن پہنچا۔) اس میں وہ لکھتے ہیں: ''مقالہ منظور ہو چکا ہے۔ زبانی امتحان عنقریب ہی ہوگا۔ میں دس نومبر سے پیشتر لندن پہنچنے کی توقع رکھتا ہوں۔ چنانچہ اس معاملے میں تشویش مت کیجیے۔'' (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۰)

دوسرا پوسٹ کارڈ میونخ سے ۳؍نومبر کو لکھا گیا (اور اگرچہ اس کارڈ کی ٹکٹ سر طامس کے نواسے نے اتار لی ہے تاہم یہ تاریخ پڑھی جا سکتی ہے۔) یہ ۶؍نومبر ۱۹۰۷ء کو لندن میں موصول ہوا۔ اس میں اقبال لکھتے ہیں: ''خط کے لیے شکریہ۔ میں ۷؍نومبر کی صبح کو لندن پہنچ رہا ہوں (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۱)۔ اور امید کرتا ہوں کہ اسی روز آپ سے دفتر میں ملاقات کروں گا۔ (آپ کو) تشویش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (کیوں کہ) میں نے (میونخ) یونی ورسٹی سے (اپنے نتیجے کی؟) خبر ملنے سے پہلے (ہی) چل پڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔''

یہ دونو پوسٹ کارڈ ٹی-ڈبلیو-آرنلڈ ایسکوائر کو انڈیا آفس لائبریری لندن کے پتے پر بھیجے گئے ہیں، جہاں پروفیسر آرنلڈ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۷ء تک بطور نائب لائبریرین متعین تھے۔

اب چونکہ میں یہ دو پوسٹ کارڈ شائع کر ہی رہا ہوں، تو لگے ہاتھوں ایک تیسرے پوسٹ کارڈ کا عکس بھی یہاں شامل کر دینا شاید نامناسب نہ ہو، اگرچہ اس کا میونخ یونی ورسٹی اور اقبال کی پی ایچ ڈی ڈگری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ پوسٹ کارڈ بھی جناب آرنلڈ بارفیلڈ کے اسی مجموعے میں شامل ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا اور یہ کارڈ بھی ہماری ''سر طامس آرنلڈ ڈے'' والی نمائش میں شامل تھا۔ یہ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کو کیمبرج سے لکھا تھا اور اس پر ''کیمبرج ۱۶؍اکتوبر ۱۹۰۶ء'' کی مہر ثبت ہے۔

اس کارڈ کا پیغام بہت مختصر ہے۔ اور اس کے سیاق وسباق کا راقم الحروف (دُرّانی) کو علم نہیں ہے۔ پیغام صرف اتنا ہے کہ ''براہِ کرم اپنے (یعنی اپنی خیریت کے) بارے میں ایک سطر مجھے لکھ دیجیے''۔ یہ پوسٹ کارڈ بھی آرنلڈ صاحب کو انڈیا آفس لائبریری کے پتے پر بھیجا گیا تھا۔ دیکھیے دستاویز نمبر۱۲۔

یہ تینوں پوسٹ کارڈ مصور ہیں۔ جیسا کہ ان دنوں یورپ میں دستور تھا (اور اب بھی ہے)، کہ مختصر پیغام رسانی اور بیرونی ممالک کے دوروں یا چھٹیاں منانے کے دوران علیک سلیک کے لیے استعمال ہوسکیں۔ ان کارڈوں کے تصویری رُخ کے عکس بھی اس مضمون کے ساتھ شامل ہیں۔ (دستاویزات نمبر۱۰ تا ۱۲)

چند نئے حقائق بہ سلسلۂ تاریخِ ولادتِ اقبال

دوسری بات جس کا میں نے اوپر ذکر کیا، اس کا تعلق علامہ کی تاریخِ ولادت سے ہے، جو کہ ایک متنازع فیہ موضوع ہے۔ لیکن چوں کہ اس کی پوری تفصیل میری کتاب اقبال یورپ میں کے پہلے دو ابواب میں موجود ہے، اس لیے اس کا مفصل ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔

مجملاً یہاں یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ خود علامہ نے مختلف جگہوں پر مختلف تاریخ ہائے ولادت درج کی ہیں۔ مثلاً ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ میں انھوں نے (اکتوبر ۱۹۰۵ء میں) اپنے ہاتھ سے اپنی تاریخِ ولادت ''محرم ۱۸۷۶ء'' درج کی ہے۔ اور میونخ یونی ورسٹی والے تھیسس (*The Development of Metaphysics in Persia*) کے آغاز میں جو کوائفِ حیات (Lebenslauf) انھوں نے تحریر کیے ہیں، ان میں وہ کہتے ہیں کہ میں ۳/ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ (مطابق ۱۸۷۶ء) کو پیدا ہوا تھا۔

(چنانچہ بعد از آں) چیکوسلواکی اقبال شناس یان ماریک (Jan Marek) کی اس توضیح کی روشنی میں کہ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ دراصل ۱۸۷۷ء میں پڑتا ہے، حکومت پاکستان نے ہجری تاریخ کو صحیح مانتے ہوئے سرکاری طور پر علامہ اقبال کا یومِ ولادت ۹/نومبر ۱۸۷۷ء قرار دیا ہے، جو ۳/ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ کے برابر ہے)۔

تو اس موقعے پر شاید مندرجۂ ذیل دو حقائق کا بیان بے محل نہ ہو جو میں نے اکتوبر ۱۹۸۷ء کے دورۂ میونخ کے دوران دریافت کیے۔

پہلا انکشاف یہ تھا کہ جب ڈاکٹر ہنس ماسٹ (Dr Hans Mast) ...... میرے پارینہ طالب علم جو اس تحقیقات میں میری معاونت کر رہے تھے...... اور مَیں اگلے روز یعنی جمعہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۷ء کو دوبارہ

میونخ یونی ورسٹی لائبریری میں گئے تو وہاں مختلف کاغذات کی تلاش کے دوران مجھے مندرجۂ ذیل کتاب میں ایک دلچسپ (اور اہم) اقتباس نظر آیا۔ کتاب کا نام ہے:

Verzeichnis der an den Deutschen Universitaten Jahres Erschienenen Schriften XXIII, 15 August 1907 bis 14 August 1908, Berlin, Verlag von Behrend & Co. 1909

یعنی سالانہ ریکارڈ۔ جرمن یونی ورسٹیوں میں شائع ہونے والے مقالات جزو ۲۳۔ بابت ۱۵/اگست ۱۹۰۷ء تا ۱۴/اگست ۱۹۰۸ء (مطبوعہ) برلن۔ فون بہرنداور کمپنی، ناشران۔ ۱۹۰۹ء)۔ اس کتاب کے صفحہ ۵۴۴ پر اندراج نمبر ۲۰۸ یوں ہے:

Iqbal S(heikh)* M(uhammad). M.A. (Assist. Professor an der Universität Lahore, Indien

(یعنی لاہور یونی ورسٹی، ہندوستان میں)

The Development of Metaphysics in Persia, London: Luzac Co. 1908 (XII + 195 S (صفحات) 8° (Octavo (یعنی کتاب کا سائز) Phil. Fak (کلیۃ الفلسفہ، میونخ) Ref (erent) Hommel, München(مشیر (پروفیسر) ہومل، میونخ) Dissertation von 4 Nov 1907 (Geb. (مولود)9 Nov.77 Sialkot (Prov.Punjab) Staatsangeh(öriger): Britisch Indien)(شہریت: برٹش انڈین), Wohnort ("جائے رہائش" یا سکنہ):Lahore. Vorbildung: Gymn(asium) Sialkot Reife Mai 93 (ابتدائی تعلیم: (اعلیٰ مدرسہ سیالکوٹ (تا) میٹریکیولیشن: مئی ۹۳ء) Studium (اعلیٰ تعلیم): Pubjab Univ. Scotch Mission College Sialkot, Lahore Gov. College B.A. 97 M.A. 98** (کذا); Rig(orosum) (زبانی امتحان) 4 Nov 07

اس اندراج سے...... جو یاد رہے کہ ایک ۱۹۰۹ء کی مطبوعہ کتاب میں ثبت ہے...... اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اسی زمانے میں ان کارپردازوں نے جو ایسے ریکارڈ تیار کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس بات کا احساس کرلیا تھا کہ جنابِ اقبال نے اپنے تحقیقی مقالے کے "کوائفِ حیات" میں جو تاریخیں

---

* نوٹ کیجیے کہ یہاں (Sheikh) کے ہجے اقبال کی ڈاکٹریٹ کی سند (دستاویز نمبر ۲۱) کے مطابق ہیں۔ لیکن اُن کی مطبوعہ کتاب *The Development of Metaphysics in Persia*، ناشران Luzac & Co. لندن ۱۹۰۸ء) کے صفحۂ عنوان کے ہجوں (Shaikh) سے اختلاف رکھتے ہیں۔ دیکھیے ص ۱۰۷ کا پاورقی حاشیہ۔ (دُرّانی ۳۱/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

** اقبال نے ایم اے کی ڈگری دراصل ۱۸۹۹ء میں حاصل کی تھی۔ (دُرّانی، ۲۵/اپریل ۲۰۰۷ء)

درج کی تھیں (اور ظاہر ہے کہ اوپر کے حوالے میں مندرجہ بیشتر حقائق اقبال کے مقالے کے دیباچے ہی سے، اور شاید انھی کے مہیا کیے ہوئے دیگر سرٹیفکیٹوں سے، اخذ کیے گئے ہیں) وہ ایک دوسرے سے تطابق نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ان کارپردازوں نے ہجری تاریخ کو صحیح مانتے ہوئے (کہ یہ زیادہ مفصل تھی) اس سے مطابقت رکھنے والی عیسوی تاریخ (یعنی ۹ رنومبر ۱۸۷۷ء) کو اقبال کی تاریخ پیدائش کے طور پر اپنے ریکارڈ میں درج کرلیا۔ (خود اقبال نے اپنے دیباچے میں مفصل عیسوی تاریخ نہیں دی، بلکہ صرف ۱۸۷۶ء کا ذکر کیا ہے۔) اگر ہم اس توجہ طلب حقیقت پر غور کریں تو یہ دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چیکوسلواکی اقبال شناس یان ماریک نے اپنے مقالے The Date of Muahmmad Iqbal's Birth (مطبوعہ *Archiv Orientální*، جلد ۲۶ (پراگ) ۱۹۵۸ء، ص ۶۱۶-۶۲۰، اور دیکھیے کتاب کا ضمیمہ نمبر ۱) میں جس مسئلے کی نشان دہی کی تھی (یعنی یہ کہ اقبال کے تحقیقی مقالے کے دیباچے میں، یعنی Lebenslauf (کوائفِ حیات) میں درج ہجری اور عیسوی تاریخیں مطابقت نہیں رکھتیں، چنانچہ ہجری تاریخ کو صحیح مانتے ہوئے ان کا یومِ ولادت ۹ رنومبر ۱۸۷۷ء ہونا چاہیے) تو اس مسئلے کی طرف مسٹر ماریک کی توجہ اسی کتاب کے اندراج کے ذریعے منعطف ہوئی تھی (جو میں نے اوپر نقل کیا ہے) یا نہیں؟[۲]

میونخ میں اقبال کی قیام گاہ: مزید معلومات

بہرصورت، اسی سلسلۂ تحقیق کی ایک اور کڑی کے طور سے مندرجۂ ذیل داستان بھی سن لیجیے، جس کا میں نے اوپر "دو حقائق" یا "انکشافات" کے تحت ذکر کیا ہے (ص ۱۱۲)

تو وہ یوں ہے کہ جب میں نے پہلے پہل ایما ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط کا ترجمہ افکار کراچی (بابت مئی ۱۹۸۳ء) میں شائع کیا[۳] تو ان سے یہ بات منظرِ عام پر آئی کہ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں اقبال میونخ شہر میں 41 Schelling Strasse کے پتے پر قیام پذیر تھے۔ (دیکھیے اقبال کے خطوط نمبر ۱ تا ۳ مورخہ ۱۶ و ۲۳ و ۲۷ ر اکتوبر ۱۹۰۷ء)۔ چنانچہ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اور اپنے ایک اور مضمون "اقبال...... ہائیڈل برگ، ہائیل برون، میونخ" (مطبوعہ افکار کراچی ۱۹۸۸ء و ۱۹۸۹ء)* میں بیان کیا ہے، میں ستمبر ۱۹۸۴ء سے علامہ کی میونخ میں جائے قیام کے بارے

---

* اور موجودہ کتاب کے پچھلے ابواب میں بھی۔ (دُرّانی)

میں مکمل تفصیلات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ (یاد رہے کہ آج کل اس پرانے مکان کی جگہ، جو دوسری جنگِ عظیم میں تباہ ہوگیا تھا، یا اس کے بعد منہدم کردیا گیا تھا، جرمنی کے رسوائے زمانہ نوفسطائی یا نوناتسی (Neonazi) اشاعتی ادارے Axel-Springer Verlag کے دفاتر قائم ہیں۔) تو خزاں ۱۹۸۷ء میں میرے قیامِ میونخ کے آخری روز (یعنی بروز شنبہ ۱۷/اکتوبر) ڈاکٹر ہنس ماسٹ اور میں میونخ شہر کے بلدیاتی حفاظت خانے (Stadtarchiv) کا کھوج لگاتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔ (یہ نمبر ۴۰ Winzerstrasse میونخ ۴۰ میں واقع ہے۔) لیکن جب ہم وہاں وارد ہوئے تو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ یہ ساری عمارت چند مہینوں کے لیے مرمت کے واسطے عام پبلک کے لیے بند تھی۔ ہفتے میں صرف دو روز چند گھنٹوں کے لیے یہ عام کاروبار کے لیے کھلتی تھی (اور ان مقررہ دنوں میں آج یعنی شنبے کا روز شامل نہیں تھا)۔ بہرصورت کسی نہ کسی طرح ہمیں اندر داخل ہونے کی خاص اجازت دے دی گئی (جس میں بڑا ہاتھ ڈاکٹر ماسٹ کے اس بیان کا تھا کہ ''پروفیسر ڈاکٹر ڈاکٹر* (بہ تکرار!) ایس اے دُرّانی جو اقبال اکیڈمی (یو۔کے) کے صدر نشین ہیں، حکیم مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال پر خصوصی تحقیق کے لیے خاص طور سے میونخ تشریف لائے ہیں اور آج یہاں ان کے قیام کا یہ آخری دن ہے۔ یہ بلدیۂ میونخ کی انتہائی کرم فرمائی ہوگی اگر علامہ کی ۱۹۰۷ء والی قیام گاہ کے کچھ کوائف وہ ہمیں مہیا کر سکیں۔'') اب یہ میونخ میں علامہ کے نام کی دھوم کی بہت بڑی شہادت (اور میری بڑی خوش نصیبی) ہے کہ اس حفاظت خانے (Archives) کے سررشتہ کار، جناب ہیکر (Herr Hans-Joachim Hecker) علامہ کے نام اور شہرت سے پوری طرح واقف تھے، بلکہ انھوں نے فوراً بتایا کہ فلاں چوک میں علامہ اقبال کا ایک ''یادگاری پتھر'' ایستادہ ہے اور اپنے ادارے میں موجود ایک کتاب میں سے اس Gedenkstein (یادگاری ''لاٹھ'') کی ایک تصویر بھی دکھائی جس میں ان کے متعلق تعارفی یا انتسابی تحریر بھی درج تھی (اُس سہ پہر کو ہم نے اس لاٹھ کی چند تصویریں خود بھی اس چوک Habsburger Platz میں جا کر اُتاریں۔ دیکھیے موجودہ ایڈیشن کا بہرۂ تصاویر)۔

قصہ مختصر یہ کہ ہیکر صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ بذاتِ خود اس مسئلے پر پوری توجہ مبذول کر کے علامہ کی پرانی قیام گاہ کی بابت جو تفاصیل بھی میسر آسکیں وہ حاصل کر کے جلد از جلد مجھے روانہ کر دیں گے۔ **میں نے اپنا پتا انھیں تحریر کرادیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے ہم ان سے رخصت ہوئے۔

---

* یہ لقب جرمنی میں D.Sc. کا مترادف ہے۔ (دُرّانی، ۲۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

** جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ہیکر صاحب نے ہمیں اُس روز یہ اطلاع بھی دی کہ 41 Schelling Strasse میں جنگِ عظیم اوّل کے اطراف ایک قحبہ خانہ قائم ہوگیا تھا۔ آج کل وہاں جس نوفسطائی کمپنی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جرمن انتظامیہ کے افسروں کی مستعدی اور فرض شناسی کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس ملاقات کے گیارہ روز بعد انھوں نے (بتاریخ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۷ء) مجھے برمنگھم کے پتے پر ایک خط لکھا، جس میں نمبر ۴۱۔ شیلنگ سڑاسے کے بارے میں کچھ تفاصیل بیان کرنے کے علاوہ (مثلاً یہ کہ اُس زمانے میں یہ مکان ایک صنعتی بیوپاری Herr Eduard Harting کی ملکیت میں تھا) انھوں نے اس کے ساتھ اس فارم کی ایک فوٹو کاپی بھی منسلک کردی جس میں اکتوبر ۱۹۰۷ء میں جناب اقبال کے چندروزہ قیام (از ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۷ء) کا اندراج (Entry) کیا گیا تھا اور جرمن قوم کی تنظیمی صلاحیتوں پر بھی آدمی اَش اَش کر اُٹھتا ہے کہ اسّی (۸۰) سال بعد ایسا رجسٹر اب تک موجود ہے اور اس کا کھوج اتنی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ اور وہ بھی دو جنگ ہائے عظیم کے بعد، جن کے دوران میونخ شہر اس قدر تاراج ہوا۔ آپ ذرا لاہور یا دلّی کے بلدیاتی دفتروں میں آج سے چالیس سال پہلے کی بھی کسی دستاویز کی تلاش کی کوشش کر دیکھیے۔ اگر دو سال بعد مل جائے تو یہ معجزہ ہوگا!

علامہ اقبال کی ایک نئی تاریخِ ولادت

بہرحال، اس وقت میں جس امر کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرنے پر اکتفا کروں گا وہ یہ ہے کہ اس فارم (Form 109) مورخہ 17-10-07 (سترہ اکتوبر ۱۹۰۷ء) میں علامہ کی تاریخ پیدایش بھی درج ہے۔ یہاں اقبال کا نام یوں (بڑی خوش خط تحریر میں) رقم کیا گیا ہے جہاں لفظ ''اگبال'' سب سے جلی حروف میں ہے:

Sheik, (قس) Iqbal, (قس) Mühammad

اور پھر ''پیدایش کی تاریخ اور مقام'' کے سامنے یہ اندراج ثبت ہے:

(قس) 10 Juli 1876, Sailkot (یعنی ۱۰ر جولائی ۱۸۷۶ء، سیالکوٹ) (اس سے ذرا نیچے مقامی میونسپلٹی (Heimatgemeinde) کے سامنے دوبارہ سیالکوٹ کے اسی طرح سے غلط ہجے کیے گئے ہیں،

(گذشتہ صفحے کا بقیہ) کمپنی کے دفاتر ہیں اُس کے کارپرداز بیرونی زائرین کے، اُن کی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ جب ہنس ماسٹ اور میں نے ایک روز پیشتر اُن کی عمارتوں کی تصویریں لینے کی کوشش کی تو انھوں نے ہمیں دھمکی دی کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو وہ ہم پر کتے چھوڑ دیں گے! (دُرّانی، ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۶ء) دیکھیے بہرۂ دستاویزات میں اس کا عکس (نمبر ۱۳)

* یہ تاریخی اتفاق دیکھیے کہ پورے ۸۰ (اسّی) سال بعد ٹھیک اسی تاریخ کو ہم ہیکر صاحب سے اس مکان کے بارے میں استفسار کررہے تھے! (دُرّانی ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

یعنی Sailkot۔ ہاں، اس مکان میں اقبال کے ورود کی تاریخ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۷ء دی گئی ہے۔)*

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرتِ علامہ جہاں بھی گئے، وہاں وہ اپنی تاریخِ پیدائش کے متعلق ایک نیا شگوفہ چھوڑ آئے! کیمبرج کے اکتوبر ۱۹۰۵ء والے اندراج میں ''محرم ۱۸۷۶ء'' لکھا۔ لنکنز اِن لندن میں انھوں نے صرف اپنی عمر بیان کی (یعنی نومبر ۱۹۰۵ء میں ۲۹ سال)۔ میونخ یونی ورسٹی کے تھیسس (پیش کردہ جولائی ۱۹۰۷ء) میں ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ (مطابق ۱۸۷۶ء اور دراصل ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء) درج کیا۔ اور اکتوبر ۱۹۰۷ء میں میونخ کی قیام گاہ کے فارم میں اپنی تاریخِ ولادت ۱۰ر جولائی ۱۸۷۶ء بتلائی۔ (چنانچہ...... خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے؟ ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے!)

میں تو صرف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرتِ علامہ خود اپنی صحیح تاریخِ پیدائش سے واقف نہیں تھے۔ صرف ایک تاریخ ان کے ذہن پر پوری مطابقت (Consistency) کے ساتھ مرتسم تھی، اور وہ ہے ان کی ولادت کا عیسوی سال، یعنی ۱۸۷۶ء۔ (اور یہی سال انھوں نے اپنے پاسپورٹ پر بھی، ۱۹۳۱ء میں لندن کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے موقع پر درج کیا تھا۔)

میں نے اوپر کے صفحات میں اس فائل کی تفصیل بیان کی ہے جو ۱۹۰۷ء کے نصفِ آخر میں میونخ یونی ورسٹی سے شیخ محمد اقبال کے پی ایچ ڈی ڈگری کے حصول کے مختلف مراحل کے بارے میں مرتب ہوئی۔ اور جس کے مختلف اوراق اُس وقت سے لے کر تا حال میونخ یونی ورسٹی کے محافظ خانے کے مختلف رجسٹروں میں بکھرے پڑے تھے اور پورے اَسّی سال تک زمانے کی نگاہ سے پوشیدہ رہے تھے۔ ان کی دریافت کے چند ہی ماہ بعد اتفاق سے میں مارچ، اپریل ۱۹۸۸ء میں ایک سائنس کانفرنس کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو وہاں علامہ اقبال کی وفات کی پچاسویں برسی کا غلغلہ تھا۔ چنانچہ بزمِ اقبال لاہور کے معتمدِ اعزازی جناب پروفیسر وحید قریشی صاحب کے مشورے پر میں نے اس فائل پر ایک ابتدائی مضمون رونامہ نوائے وقت لاہور کے ''یومِ اقبال'' پر شائع ہونے والے خصوصی شمارے (بابت ۲۱ر اپریل ۱۹۸۸ء) میں چھپوا دیا اور یہ موجودہ مضمون اسی خاکے کی ایک ہیئتِ مفصّل ہے۔

پس تحریر: اس کے بعد موجودہ مضمون (دربارۂ پی ایچ ڈی) کا ایک بڑا حصّہ ماہنامہ سیارہ لاہور کے اقبال نمبر (اشاعت خاص، جلد ۶۲ شمارہ ۵۔ بابت جون جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۲۴۹ تا ۲۹۵) میں بھی شائع ہوا۔ (دُرّانی ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

---

* شاید بلدیہ میونخ کو چاہیے کہ اس عمارت پر علامہ اقبال کے نام کی انتسابی تختی نصب کرے۔ (دُرّانی ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۶ء)

حواشی

۱- میونخ یونی ورسٹی کی اس فائل میں مجھے ایسے کوئی حوالہ جات (References) نظر نہیں آئے جو پروفیسر ہومل نے اقبال کو مہیا کیے ہوں۔ لیکن جیسا کہ میں نے اپنی کتاب اقبال یورپ میں کے متعلقہ مضمون میں تحریر کیا ہے (طبع اوّل، ص ۱۶۰)، کیمبرج یونی ورسٹی والے مسوّدے اور میونخ یونی ورسٹی کے مطبوعہ مقالے کے متنوں کا مقابلہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اقبال نے موخر الذکر کتاب میں صرف دو تین ہی نئے حوالوں کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک فرانسیسی زبان کے (دراں ہنگام) ایک تازہ مقالے سے متعلق ہے (مطبوعہ ۱۵راپریل ۱۹۰۷ء)، اور دوسرا پروفیسر آرنلڈ کی ایک تازہ تصنیف (المعتزلہ، مطبوعہ لائپزگ، ۱۹۰۲ء) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن چونکہ اقبال غالباً فرانسیسی زبان اور اس میں شائع ہونے والی علمی تصانیف سے ناواقف رہے ہوں گے، اور مزید برآں چونکہ پروفیسر ہومل بھی (اپنے ہی بیان کے مطابق) عجمی فلسفے اور اس کے مباحث سے بے خبر تھے، اس لیے میرا قیاس یہ ہے کہ شاید وہ حوالے جن کا پروفیسر کوہن نے ذکر کیا ہے، پروفیسر ہومل کو یا خود اقبال کو دراصل پروفیسر آرنلڈ ہی نے مہیا کیے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب (دُرّانی، میکسیکو، ۱۰راپریل ۱۹۸۹ء)

۲- میرے حالیہ سائنسی دورۂ چیکوسلواکیہ و المانیۂ شرقی و غربی...... جولائی تا اگست ۱۹۹۰ء...... کے دوران جناب ڈاکٹر یان ماریک صاحب کے ساتھ پراگ میں کئی ایک ملاقاتیں رہیں، بلکہ ان کی Oriental Institute میں* میں نے علامہ اقبال کے بارے میں ایک لیکچر بھی دیا۔ چنانچہ اس موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں نے ان سے مندرجہ بالا سوال بھی کیا۔ انھوں نے کہا کہ دراصل اس مسئلے کی طرف ان کی توجہ ۱۹۵۸ء میں یومِ اقبال کے جلسوں کی وجہ سے مبذول ہوئی، جو ۲۱راپریل کے روز منائے جارہے تھے، یعنی علامہ کے یومِ وفات پر۔ جب انھوں نے علامہ کا یومِ ولادت معلوم کرنے کی کوشش کی تو کئی ایک باہمی متضاد تاریخیں نظر آئیں۔ زمانۂ طالب علمی میں انھوں نے علامہ اقبال کے میونخ والے تھیس کا ایک نسخہ پراگ کے کسی تاجرِ کتبِ قدیمہ سے خرید رکھا تھا۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے مندرجۂ بالا ہجری اور عیسوی تاریخیں دیکھیں۔

---

* ممتاز اقبال شناس اور سفارت کار، جناب توحید احمد کی معیت میں، جو اُن دنوں برسلز کے پاکستانی سفارت خانے میں متعین تھے۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں توحید صاحب نے برسلز میں ''اقبال فاؤنڈیشن یورپ'' کی بنیاد رکھی۔ جس کی نخستین صدر نشین (مرحومہ) پروفیسر انماری شمل تھیں اور مَیں اس کے تین نائب صدور میں سے ایک ہوں۔ عزت مآب جناب توحید احمد اِن دنوں آئرلینڈ میں سفیر کبیر پاکستان ہیں۔ (دُرّانی، ۳۱راکتوبر ۲۰۰۶ء)

لیکن جب انھوں نے لائپ زِگ (جرمنی) میں شائع شدہ ایک کتاب مؤلفہ Wüstenfeld- Mahler (اڈیشن دوم، ۱۹۲۶ء) میں درج ہجری اور عیسوی تقویموں کی مساواتی فہرستوں کی مدد سے ۳؍ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ کو عیسوی کیلنڈر کی تاریخ میں تبدیل (Convert) کرنے کی کوشش کی تو انھیں اس دِقت کا سامنا کرنا پڑا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کیوں کہ انھیں پتا چلا کہ سنہ ۱۲۹۴ ہجری، ۱۶؍جنوری ۱۸۷۷ عیسوی سے پیشتر شروع نہیں ہوتا، اور ان مساواتی جدولوں (Tables) کے مطابق ۳؍ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ دراصل جمعہ ۹؍نومبر ۱۸۷۷ء کو پڑتا ہے۔ آج شام ہی، یعنی شنبہ ۴؍اگست ۱۹۹۰ء کو، جناب یان ماریک نے اپنے دولت کدے پر مجھے اپنے ذاتی کتب خانے میں محفوظ علامہ کے اُس تھیسس کا نسخہ دکھایا ہے۔ یہاں شاید اس امر کا تذکرہ بے محل نہ ہو کہ اُن کے مذکورہ بالا مضمون کی ایک فوٹو کاپی تین چار سال ہوئے میں نے کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری سے خود تیار کر کے حاصل کی تھی۔ اب ڈاکٹر ماریک نے از راہِ کرم اس کی ایک اور کاپی اپنے دستخطوں کے ساتھ مجھے تقدیم فرمائی ہے۔ چنانچہ اُس کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے اس کا اُردو میں ترجمہ کر ڈالا ہے اور کسی موقع پر اسے الگ شائع کر دوں گا۔* اگرچہ ماریک صاحب اس بات پر زور دے رہے تھے کہ یہ پرچہ بہت پرانا ہو گیا ہے اور اسے ان کے عہدِ نوجوانی کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھنا چاہیے (۱۹۵۸ء میں ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی)۔ مگر میں نے کہا کہ اس کے باوصف اس کی اپنی تاریخی اہمیت ہے۔ (دُرّانی، پراگ۔ ۴؍اگست ۱۹۹۰ء)

۳۔ یہ خطوط اقبال نے ہائیڈل برگ میں اپنی جرمن زبان کی استانی مِس ایما ویگے ناسٹ (Emma Wegenast) کو ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۳ء کے درمیانی عرصے میں لکھے تھے۔ اور ان ۲۷ خطوط کے عکوس، مع دو اصل مسوّدوں کے، اب جناب امان اللہ ہوبوہم** (Hobohm) کے پاس محفوظ ہیں۔ مزید تفاصیل اور تمام خطوں کے تراجم اور Transcripts کے لیے دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں کا بابِ نہم (دُرّانی، اطالوی الپس، ۱۹؍اگست ۱۹۸۹ء)***

❁❁❁

* پس تحریر: یہ ترجمہ اب موجودہ کتاب میں بطور ضمیمہ (۱) شامل کر لیا گیا ہے۔ (دُرّانی)

** موصوف کا صحیح نام محمد امان ہوبوم ہے۔ (دُرّانی، ۲۲؍اکتوبر ۲۰۰۲ء)

*** علامہ کے اِن سب اصل (Original) دست نوشت خطوں کے عکوس اب اقبال یورپ میں کی طبعِ دوم (فیروز سنز لاہور ۱۹۹۹ء) اور طبعِ سوم (انجمن ترقیِ اُردو (ہند)، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ (دُرّانی، ۳۱؍اکتوبر ۲۰۰۶ء)

باب چہارم

کیمبرج

۱۵/تا ۱۷/ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو میونخ میں وہ فائل دریافت کرنے کے بعد، جس کا گذشتہ باب میں ذکر آیا، میں برمنگھم پہنچا تو دو ہفتے بعد افکار کراچی کا نومبر ۱۹۸۷ء کا شمارہ مجھے موصول ہوا۔ اس کے بہرۂ خطوط (یارانِ محفل) میں معروف اقبال شناس پروفیسر جناب جگن ناتھ آزاد* کا ایک خط بھی شامل تھا، جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ: ''افکار کے شمارۂ اپریل ۱۹۸۷ء میں پروفیسر ممتاز حسین نے پروفیسر سعید اختر دُرّانی کی کتاب اقبال یورپ میں پر اپنے مضمون میں یہ سوال اٹھایا ہے: ''اس سے زیادہ ایک سوال اخلاقی نوعیت کا اُٹھتا ہے۔ وہ یہ کہ کیا علامہ اقبال نے اپنے مقالے کی اس کیفیت سے میونخ یونی ورسٹی کو مطلع کیا تھا کہ میں نے اصلاً اس مقالے کو کیمبرج یونی ورسٹی میں بی-اے کی ڈگری کے لیے پیش کیا تھا؟''۔ اس کا جواب ڈاکٹر درّانی سوال اُٹھانے کے باوجود نہیں دے پائے...... لہٰذا اس مسئلہ کو وہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ (پھر پروفیسر آزاد اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں)...... قرائن یہ بتاتے ہیں کہ میونخ یونی ورسٹی کے اساتذۂ فلسفہ و یگے ناسٹ، سینے شال، فرالین رین (نوٹ از مصنف...... یہ خواتین میونخ یونی ورسٹی کے شعبۂ فلسفہ سے وابستہ نہ تھیں۔ ان غلط فہمیوں کے لیے زیادہ تر مس عطیہ فیضی ذمہ دار ہیں۔ دُرّانی) اور یونی ورسٹی کی انتظامیہ سے وابستہ حضرات، اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہے ہوں گے...... (ورنہ) اس صورت میں تو ڈگری دینے کا سارا عمل ہی خلافِ ضابطہ ہو جاتا، بلکہ ناممکن العمل ہو جاتا۔ کیوں کہ اقبال کے میونخ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی حاصل کرنے میں مندرجہ ذیل تمام مراحل غائب ہیں: (۱) عنوان کی تجویز اور اس کی منظوری۔ (۲) سپروائزر کا تقرر۔ (۳) تھیس لکھنے کی مدت کا تعین۔ (۴) بیرونی ممتحنوں کا تقرر۔ (۵) تھیس کا جائزہ۔ (۶) زبانی امتحان۔ (نوٹ از مصنف۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی یہ ساری باتیں

* افسوس کہ اِن یگانۂ روزگار اقبال شناس بلکہ حافظ و عاشق اقبال، اور میرے دیرینہ کرم فرما کا بروز ۲۴/ جولائی ۲۰۰۴ء (دہلی میں) انتقال ہو گیا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را (دُرّانی۔ یکم نومبر ۲۰۰۶ء)

درست ہیں۔اور صفحاتِ بالا میں یعنی اس کتاب کے بابِ سوم، معنونہ ''میونخ'' میں ان سب سوالات کے جواب موجود ہیں۔ دُرّانی)۔(افکار میں مطبوعہ اپنے خط کے آخر میں جناب جگن ناتھ صاحب نے فرمایا کہ)......ڈاکٹر سعید اختر دُرّانی نے اس ضمن میں بہت وقیع اور گراں قدر کام کیا ہے۔اس لیے میں ان سے گزارش کروں گا کہ وہ چونکہ ہم لوگوں کے مقابلے میں کیمبرج سے زیادہ قریب ہیں، کیمبرج کی انتظامیہ سے وہ رابطہ قائم کریں۔ممکن ہے کہ اس کا کوئی ریکارڈ نکل آئے کہ کیمبرج یونی ورسٹی نے اقبال کے مذکورہ ڈسرٹیشن کے اعلیٰ معیار کے پیشِ نظر اور اپنے یہاں پی ایچ ڈی کی ڈگری نہ ہونے کے باعث، میونخ یونی ورسٹی کو لکھا [ہو] کہ وہ اس ڈسرٹیشن کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے دیکھنا چاہیں تو انھیں یہ بھیجا جاسکتا ہے۔(نوٹ از مصنف: میرے خیال میں یہ قیاسات مبنی بر حقیقت نہیں ہیں۔دُرّانی) اگر اس قسم کے ریکارڈ کا کوئی سراغ مل جائے تو یہ تمام ٹوٹی پھوٹی کڑیاں جڑ جائیں۔اور تھیسس کی مکمل روداد ہمارے سامنے آجائے۔

جب جناب جگن ناتھ آزاد صاحب نے مدیر افکار کو یہ خط لکھا ہوگا تو انھیں یہ گمان نہ گذرا ہوگا کہ میونخ یونی ورسٹی کے بارے میں ان کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات اس خط کی اشاعت سے پیشتر ہی مکمل ہو چکے ہوں گے، اور کیمبرج یونی ورسٹی کے بارے میں ان کی فرمائش بھی کس قدر جلد پوری ہو جائے گی!

وہ یوں کہ اگرچہ ایک عرصے سے میرے ذہن میں یہ خیال موجود تھا کہ کسی وقت کیمبرج یونی ورسٹی کے Archives میں علامہ کے بارے میں پس انداختہ یا باقی ماندہ کاغذات اور دستاویزوں کی تلاش کرنی چاہیے (جہاں جون ۱۹۸۲ء میں مَیں نے اُن کے پی ایچ ڈی کے مقالے کی ہیئتِ نخستین کا سراغ لگایا تھا جو انھوں نے مارچ ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخل کیا تھا۔) لیکن اس سلسلے میں مَیں نے تا حال کوئی عملی قدم نہ اُٹھایا تھا۔اب میونخ یونی ورسٹی والی فائل کی دریافت، اور اس کے دو ہفتے بعد جناب جگن ناتھ آزاد کا اس بارے میں خط پڑھ کر، میرے سمندِ شوق کو ایک اور تازیانہ لگا۔اور میں نے فیصلہ کیا کہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

ایک مزید ''قِران السعدَین'' کا مثیل یہ امر ہوا کہ ان تمام باتوں کے چند ہی روز بعد ہماری اقبال اکیڈیمی (یوکے) نے (جس کا میں صدر نشیں ہوں) برمنگھم یونی ورسٹی میں ایک بین الاقوامی مذاکرہ بعنوان ''اقبال اور تصوف'' (Iqbal and Mysticism) بروز ہفتہ ۷ر نومبر ۱۹۸۷ء منعقد کیا۔

(اس کی پوری کارروائی حال ہی میں اقبال اکادمی پاکستان کے انگریزی مجلّے *Iqbal Review* کے Winter 1988 کے شمارے میں چھپ چکی ہے۔) اس مذاکرے کے مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر محمد اجمل (سابق وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی اور پاکستان کے وفاقی معتمدِ تعلیم) تھے،* جو ہماری دعوت پر خاص طور سے لاہور سے تشریف لائے تھے۔ مذاکرے کے بعد انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کیمبرج یونی ورسٹی کا دورہ بھی کرنا چاہیں گے۔ چنانچہ میں نے ۱۸ر نومبر ۱۹۸۷ء کو ان کے دورۂ کیمبرج کا انتظام کیا، اور وہاں کے چند اقبال شناسوں اور ماہرین فلسفہ وتصوف (Metaphysics) کے ساتھ ملاقات ٹھہرائی۔

کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری

ڈاکٹر اجمل کے متوقع ورود سے ایک روز پیشتر، یعنی منگل ۱۷ر نومبر ۱۹۸۷ء کو، میں خود کیمبرج چلا گیا، جہاں مجھے کچھ اور کام بھی تھے، اور اپنے پرانے کالج کیز (Caius) میں شب باش ہوا۔ منگل کو کیمبرج پہنچتے ہی دوپہر کے کھانے سے پہلے میں کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری میں جانکلا، اور وہاں کی بے حد لائق اور عربی، فارسی اور کئی ایک اور مشرقی زبانوں کی ماہر خاتون، محترمہ Jill Butterworth کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان صاحبہ سے مجھے پہلے سے شرفِ نیاز حاصل تھا، کیوں کہ تابستان ۱۹۸۶ء کے دوران انھوں نے علامہ اقبال کے بارے میں کئی اہم نسخوں تک مجھے رسائی بہم پہنچائی تھی (مثلاً پروفیسر آربری کا غیر مطبوعہ ترجمۂ گلشنِ رازِ جدید از اقبال، جس پر ایک الگ مضمون تحریر کر چکا ہوں، اگرچہ اس کے چھپنے کی تاحال نوبت نہیں آئی۔**) میں نے ان کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا، کہ کس طرح حال ہی میں علامہ کی میونخ یونی ورسٹی کی پی ایچ ڈی والی فائل کا سراغ میں نے نکالا ہے۔ کیا یہ ممکن ہوگا کہ کیمبرج یونی ورسٹی سے علامہ نے Dissertation (تحقیقی مقالہ) لکھ کر بی اے کی جو ڈگری حاصل کی تھی، اس کے تدریجی مراحل سے متعلق کاغذات کا بھی کھوج نکالا جا سکے؟ انھوں نے اس سلسلے میں میری مدد کرنے کی حامی بھری اور کہا کہ وہ کیمبرج یونی ورسٹی کے Archives کی نگران

---

* افسوس کہ یہ عالمِ بے بدل، جو میرے قرابت دار بھی تھے، ۳۰ر جنوری ۱۹۹۴ء کے روز (اسلام آباد میں) وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (دُرّانی، یکم نومبر ۲۰۰۶ء)

** اب یہ کتابچہ کراچی یونی ورسٹی سے شائع ہونے کے لیے زیرِ ترتیب ہے۔ (دُرّانی، ۲۲ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)۔ پس تحریر: اور بہت سی تاخیر وتعویق کے بعد یہ کتاب بالآخر دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوگئی ہے۔ (دُرّانی، یکم نومبر ۲۰۰۶ء)

خاتون، محترمہ ڈاکٹر الزبتھ لیڈھم۔گرین (Dr E.S.Leedham-Green) کے ساتھ اس سلسلے میں بات کریں گی۔ میں نے انھیں تمام متعلقہ اطلاعات اور تاریخیں بہم پہنچا دیں جو میرے علم میں تھیں۔یعنی یہ کہ شیخ محمد اقبال اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں بطور ایک Advanced Student کے داخل ہوئے تھے، اور انھوں نے (Moral Sciences) (علومِ اخلاق) کی فیکلٹی میں ۱۹۰۷ء کے اوائل میں اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان *The Development of Metaphysics in Persia* داخل کردیا ہوگا، جو یونی ورسٹی نے ۷رمارچ ۱۹۰۷ء کو منظور کرلیا اور اس پر ۱۳رجون ۱۹۰۷ء کو انھیں بی اے کی ڈگری عطا کی گئی۔ (مجھے یہ تفصیلات ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین Dr Philip Gaskell صاحب نے ۱۹۷۷ء میں بہم پہنچائی تھیں۔)

دوپہر کے کھانے کے بعد میں واپس لائبریری میں پہنچا تو جل بٹر وَرتھ صاحبہ نے محترمہ لیڈھم گرین کے ساتھ میرا تعارف کرایا اور میں نے دوبارہ انھیں مندرجہ بالا اطلاعات بہم پہنچائیں۔انھوں نے فرمایا کہ ان اطلاعات کی مدد سے وہ زیادہ وقت کے بغیر جنابِ اقبال کے بارے میں جو کاغذات اور تحریریں بھی یونی ورسٹی کے محافظ خانے میں موجود ہوں گی، ان کو برآمد کرلیں گی۔انھوں نے مجھ سے کہا کہ گھنٹے بھر کے بعد میں دوبارہ ان سے ملنے آؤں۔

اقبال کا تحقیقی مقالہ: بعض اندراجات، دستاویزات

یہ خاتون بھی میونخ یونی ورسٹی کے حفاظت خانے کے کارپرداز جناب مارٹن شُٹز Martin Schütz ہی کی سی مستعد نکلیں۔ (دیکھیے موجودہ کتاب کا باب سوم، معنونہ میونخ)۔اس سہ پہر کو سوا چار بجے مجھے یونی ورسٹی کے Divinity School (دبستانِ الٰہیات) میں ایک لیکچر Attend کرنے کے لیے جانا تھا، جو میری ایک جاننے والی خاتون (Dr Erica Hunter) دے رہی تھیں۔* چنانچہ جب میں اس لیکچر میں جانے سے پہلے چار بجے کے لگ بھگ دوبارہ محترمہ ڈاکٹر لیڈھم گرین کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے خوش خبری سنائی کہ وہ شیخ محمد اقبال کے بارے میں چار پانچ اندراجات اور دستاویزیں برآمد کرچکی ہیں! ان سب چیزوں کی فوٹو کاپیاں میں نے اس سے اگلے روز (یعنی بدھ ۱۸رنومبر

* وہ اس سے چند روز پیشتر ہماری اقبال اکیڈمی (برطانیہ) کے مذاکرے معنونہ ''اقبال اور تصوف'' میں بھی ایک مضمون پڑھ چکی تھیں، جہاں ڈاکٹر محمد اجمل ہمارے مہمانِ خصوصی تھے۔ میری ڈاکٹر ایریکا ہنٹر کے ساتھ ایک ڈیڑھ سال سے میل ملاقات تھی۔ (دُرّانی، یکم رنومبر ۲۰۰۶ء)

۱۹۸۷ء کو) یونی ورسٹی لائبریری سے محترمہ جل بٹروَرتھ کی مدد سے حاصل کیں، چونکہ اتفاق سے اس روز میرے پاس کافی وقت نکل آیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بدقسمتی سے ڈاکٹر اجمل صاحب، جو لندن میں اپنے ایک عزیز کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، خاصے بیمار ہو گئے۔ اور جب ڈاکٹر ایریکا ہنٹر اور میں نے کافی دیر تک ان کے استقبال کے لیے انتظار کرنے کے بعد انھیں فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تشریف نہ لا سکیں گے۔ اس پر ہمیں افسوس تو کافی ہوا (اور ان سب اصحاب کو جن سے انھیں ملنا تھا، ملاقات کی تنسیخ کے ٹیلی فون کرنے پڑے)، لیکن میں نے اس فالتو وقت کو غنیمت جانتے ہوئے دوبارہ یونی ورسٹی لائبریری جا کر سب دستاویزوں کی فوراً کاپیاں نکلوا لیں، کہ کہیں بعد کو یونی ورسٹی والے یہ نہ کہیں کہ بغیر خاص اجازت کے ان کی نقلیں مہیا کرنا ممکن نہ ہوگا۔ (جیسا کہ چند سال قبل علامہ کے تحقیقی مقالے کی نقل حاصل کرنے کے سلسلے میں ہوا تھا!)

ان دستاویزوں کے مطالعے سے کئی دلچسپ باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ شروع میں اقبال نے اپنے مقالے کا جو عنوان تجویز کیا تھا وہ کیا تھا۔ اور بعد ازاں وہ کس طرح ایک حد تک ارتقا پذیر ہوا۔ دوسرے یہ کہ ان کے مقالے کے ممتحنین کون تھے اور ان کی رائے اس مقالے کے متعلق کیا تھی۔ وغیرہ وغیرہ

سب سے پہلی تحریر علمِ اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی میٹنگ کا ایک شذرہ (Minute) ہے۔ (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۳)۔ یہ میٹنگ جمعہ ۶ / اکتوبر ۱۹۰۵ء کو (یعنی اقبال کے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخلے کے محض پانچ روز بعد) پچھلے پہر کے چار بجے سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منعقد ہوئی تھی، اور اس میں مندرجۂ ذیل اصحاب شامل تھے، یعنی صدرِ محفل، پروفیسر سورلی (Professor W.R.Sorley)[۱] پروفیسر وارڈ (Professor James Ward)۔[۲] ڈاکٹر کینز Dr J.N.Keynes۔[۳] ڈاکٹر میک ٹیگرٹ (Dr J.M.E. Mc Taggart)۔[۴] اور مسٹر ریورز Rivers۔[۵]

اس میٹنگ کے شذرہ نمبر ۲ کے مطابق:

پنجاب یونی ورسٹی کے محمد ''اِگبال'' (Igbal، کذا) ایم-اے کی جانب سے ایک درخواست (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۴) موصول ہوئی ہے کہ بطور ایک اعلیٰ درجے کے طالب علم (Advanced Student) کے انھیں ایک تحقیقی کورس میں داخلے کی اجازت دی جائے۔ ان کے مجوزہ مضمون کا عنوان ہے:

The Genesis and Development of Metaphysical Conceptions in Persia

(یعنی ''ایران میں علمِ مابعد الطبیعیات کے تصورات کی تولید و ارتقا'')۔
اس درخواست کو منظور کر لینے کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ بھی بالاتفاق طے پایا کہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ سے استدعا کی جائے کہ وہ اس طالب علم کی تعلیم کی نگرانی فرمائیں، اور ڈاکٹر میک ٹیگرٹ نے ایسا کرنے کی ہامی بھر لی۔''

اس شذرے کے نیچے دستخط ہیں W.R.Sorley اور ۱۷/ (یا ۱۶/) مارچ ۱۹۰۶ء کی تاریخ درج ہے۔ (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۳)۔

یہاں برسرِ تذکرہ میں اس بات کا اضافہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ جب اس امر پر غور کیا جائے کہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ دراصل یوروپی (اور بالخصوص ہیگیلین Hegelian:) فلسفے کے ماہر تھے، اور غالباً عجمی فلسفے کی نشو و نما سے زیادہ واقف نہ ہوں گے، تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے اقبال کے طرزِ تحقیق اور عمومی فلسفیانہ تصورات اور معلومات کے ضمن میں تو ضرور مدد کی ہوگی (اور یہ بھی معلوم ہے کہ اقبال کے قیامِ کیمبرج کے دوران، جہاں وہ دونوں ٹرنٹی کالج سے منسلک تھے، یعنی اقبال بطور طالب علم اور ڈاکٹر میک ٹیگرٹ بطور فیلو، وہ ان کے ساتھ مسئلہ وحدت الوجود وغیرہ پر بحث کیا کرتے تھے)، مزید برآں اقبال کے تحقیقی مقالے کے ابتدائی ابواب میں یونانی فلسفے پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے سلسلے میں ڈاکٹر میک ٹیگرٹ نے شاید اقبال کی رہنمائی کی ہوگی، لیکن عجمی اور اسلامی فلسفے اور یونانی فلسفے کے اس پر اثرات کی چھان بین میں پورا یا زیادہ تر کام خود اقبال ہی نے سرانجام دیا ہوگا۔ اس بات کی شہادت میونخ یونی ورسٹی کی فائل میں درج اس خط سے بھی ملتی ہے جو اس تھیسس کے بارے میں پروفیسر طامس آرنلڈ نے میونخ بھیجا تھا، یعنی پروفیسر آرنلڈ کا یہ بیان کہ ''صاحبِ تحریر (یعنی اقبال) نے ایسے بہت سے مواد سے استفادہ کیا ہے جو پیش ازیں یا تو غیر مطبوعہ تھا، یا یورپ میں بہت نامعلوم تھا۔*'' ان حقائق کے پیشِ نظر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کیمبرج یونی ورسٹی میں اقبال نے تحقیق کرنے کا جو ڈول ڈالا (اور اس کا جو عنوان تجویز کیا) وہ زیادہ تر خود ان کی اپج تھی۔ اگرچہ مجھے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اس میدان کے انتخاب میں اقبال نے پروفیسر آرنلڈ سے بھی ضرور مشورہ کیا ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کی اوّلیں صلاح پروفیسر آرنلڈ ہی نے دی ہو۔

---

* یہاں یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ اس مقالے کی تعریف میں اور اس کے پس منظر کے بارے میں، یہ مذکورہ خط (ر-ک ص ۱۰۱) پروفیسر آرنلڈ نے لکھا تھا نہ کہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ نے۔ (دُرّانی، ۲۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کیمبرج اور میونخ میں یہ مقالہ پیش کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں انھوں نے لندن (Luzac & Co. :1908) سے اسے شائع کرایا، تو پروفیسر آرنلڈ کے نام اس کے انتساب میں اقبال نے لکھا کہ: ''یہ چھوٹی سی کتاب اس ادبی اور فلسفیانہ تربیت کا میوۂ نخستین ہے، جو میں گذشتہ دس برس سے* آپ سے پا رہا تھا'' (دیکھیے ''اقبال یورپ میں'' کے مضامین متعلقہ سرطامس، اور فلسفۂ عجم کی دریافت)۔ یعنی اقبال اس کتاب کا انتساب پروفیسر آرنلڈ کے نام کر رہے ہیں اور انھی کی فلسفیانہ تربیت کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ کا اس کتاب یا اس مقالے کے آغاز میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

اب میں کیمبرج یونی ورسٹی کی ''اقبال فائل'' کے دوسرے اندراج کی طرف آتا ہوں۔ (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۵) جس کے متعلقہ حصے کا ترجمہ یوں ہے:

''علم اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی ایک میٹنگ جمعرات ۷/ مارچ ۱۹۰۷ء کو سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منعقد ہوئی۔

حاضرین: ڈاکٹر کینز (صدر نشین)۔ پروفیسر وارڈ۔ پروفیسر سورلی۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ، مسٹر ریوز۔

۲- پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن (اور درآں صورت کہ مسٹر نکلسن [۵] یہ ذمہ اُٹھانے سے انکار کریں، تو پھر پروفیسر براؤن [۶]) کو اس تحقیقی مقالے کے لیے ریفری (حکم) مقرر کیا گیا، جو ایک ریسرچ اسٹوڈنٹ مسٹر اگبال (Igbal، کذا) نے بعنوان *(The Development of Metaphysics in Persia)* ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا پیش کیا ہے۔

۳- طے پایا کہ پروفیسر سورلی سے درخواست کی جائے کہ وہ جناب نکلسن کے ساتھ اس تحقیقی مقالے کے بارے میں رابطہ قائم کریں۔''

(دستخط) جے-این-کینز
۷/ مئی ۱۹۰۷ء

اِسی صفحے پر اگلی میٹنگ کی رُوداد یوں درج ہے۔ (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۶):

''علم اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی میٹنگ، سنڈیکیٹ بلڈنگز میں بروز منگل، مئی ۱۹۰۷ء ڈھائی بجے بعد از ظہر منعقد ہوئی۔

---

* یعنی گورنمنٹ کالج لاہور میں ۱۸۹۸ء سے (جب پروفیسر آرنلڈ علی گڑھ سے وہاں تشریف لائے) تادمِ تحریر (لندن، ۱۹۰۸ء)۔ (دُرّانی، یکم نومبر ۲۰۰۶ء)

حاضرین: ڈاکٹر کینز (صدر نشین)۔ پروفیسر وارڈ۔ پروفیسر سورلی۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ۔ اور مسٹر ریوز"

(اس میٹنگ کے پہلے حصے میں بورڈ نے عام امور و معاملات پر مختلف فیصلے کیے۔ جن کے نیچے جناب جے۔این کینز (صدر نشین) کے دستخط مورخہ ۱۵ر مئی ۱۹۰۷ء ثبت ہیں۔ پھر اس کے بعد کارروائی یوں جاری رہی:)

"علمِ اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کی ایک میٹنگ سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منگل ۷ر مئی ۱۹۰۷ء کے روز، بورڈ کی میٹنگ کے بعد منعقد ہوئی۔ وہی ممبر (یعنی مندرجۂ بالا) موجود تھے۔ (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۷)

۱- گذشتہ میٹنگ کی روداد پڑھ کر سنائی گئی اور مصدّق ہوئی۔

۲- مسٹر اقبال کے مقالے

(The Development of Metaphysics in Persia) پر پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن کی رپورٹیں پڑھ کر سنائی گئیں، اور اس بات کا کلّی اتفاق سے فیصلہ کیا گیا کہ بورڈ کی رائے میں یہ مقالہ دنیائے علم میں ایک تازہ اضافے کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کا مالک ہے"

(یہاں "امتیازی حیثیت" (of distinction as) کے الفاظ کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے، اور شاید ڈاکٹر کینز کی لکھائی میں ہے۔ دُرّانی) اس شذرے کے نیچے جے۔این۔کینز (صدر نشین) کے دستخط مورخہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء ثبت ہیں۔

مندرجہ بالا دو دستاویزوں سے یہ نکتہ پہلی مرتبہ کھلتا ہے کہ جناب آر۔اے نکلسن علامہ اقبال کے تحقیقی مقالے کے ریفری (حَکَم) رہے تھے۔ ورنہ میں نے اپنی کتاب اقبال یورپ میں اور دوسرے مضامین میں انھیں اقبال کا استاد تصور کیا تھا۔

کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری کے Archives کی مہتمہ، محترمہ ڈاکٹر الزبتھ لیڈھم گرین نے منگل ۱۷ر نومبر ۱۹۸۷ء کو مجھے جو کاغذات (Documents) بہم پہنچائے، ان میں سے باقی ماندہ دستاویزوں کا ماجرا یوں ہے:

پہلا اقتباس یونی ورسٹی آرکائیوز کیمبرج میں محفوظ اس کتاب سے ہے، جس کا عنوان تھا:

Advanced Students (درجۂ اعلیٰ کے طلبہ)
Cambridge University Regist. 116 (کیمبرج یونی ورسٹی رجسٹر، ۱۱۶)
Dr J.N. Keynes, The Registry, (Cambridge) (ڈاکٹر جے این کینز (رجسٹرار) کیمبرج)

یعنی یہ اس سلسلے کی ایک سو سولھویں جلد تھی۔ اس میں نمبر۲۳۷ پر مندرجہ ذیل ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر ملتی ہے (جبکہ نمبر۲۲۷، جو علومِ مشرقی کے خصوصی بورڈ کی طرف سے جاری کی گئی سند ہے، وہ طبع شدہ صورت میں ہے۔ اس بورڈ کی ڈگری کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر ای۔ جی براؤن تھے۔[۶] جنھیں فارسی دانش ور، اُن کے Initials (یعنی EGB) کی رعایت سے تفننِ طبع کے لیے ''عجب'' کا لقب دیا کرتے تھے)۔ بہرحال اس کتاب یا رجسٹر میں نمبر۲۳۷ پر مندرجہ ذیل دستی تحریر رقم ہے (دیکھیے دستاویز نمبر۱۸):

''درجۂ اعلیٰ کا طالب علم: کام (یعنی تصنیف) کی منظوری

علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی رائے میں ٹرنٹی کالج کے درجۂ اعلیٰ کے طالب علم، شیخ محمد اقبال کا پیش کردہ کام جو ایک مقالے بعنوان ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا پر مشتمل ہے، علم و دانش میں ایک تازہ اضافے کی حیثیت سے دارائے امتیاز ہے۔

(دستخط) جے۔این۔کینز
صدر نشین، خصوصی بورڈ برائے علم الاخلاق
مورخہ ۷رمئی ۱۹۰۷ء

یہاں برسرِ تذکرہ شاید ایک معمولی سے نکتے کی طرف اشارہ کرنا غیر مناسب نہ ہو، کہ اگرچہ علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی میٹنگ منعقدہ ۷رمارچ ۱۹۰۷ء میں (جس کی رُوداد پر ڈاکٹر کینز نے ۷رمئی ۱۹۰۷ء کو دستخط کیے، اور جو بطور دستاویز نمبر۱۵ درج کی جا چکی ہے) مسٹر اقبال کو ''ریسرچ اسٹوڈنٹ'' کے نام سے پکارا گیا ہے، اس کے برعکس اِس سند میں، جو ابھی اوپر نقل کی گئی ہے (یعنی نمبر۲۳۷، جس پر بھی ڈاکٹر کینز ہی کے ۷رمئی ۱۹۰۷ء کے دستخط ہیں۔ دیکھیے دستاویز نمبر۱۸) شیخ محمد اقبال کا لقب Advanced Student درج کیا گیا ہے، جو کہ دراصل ان کا صحیح لقب یا رتبہ تھا (کیوں کہ ٹرنٹی کالج اور یونی ورسٹی کی دوسری دستاویزوں میں ان کا درجہ یہی ظاہر کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ کیمبرج آنے سے پہلے پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کر چکے تھے)۔ ویسے آج کل برطانوی یونی ورسٹیوں میں ریسرچ اسٹوڈنٹ اس طالب علم کو کہتے ہیں جو پی ایچ ڈی کی ڈگری کا امیدوار ہو۔ اور Advanced Student اس کو کہتے ہیں جو مثلاً M.Sc. یا M.Phil. (ماسٹر ڈگری یعنی پی ایچ ڈی سے کم تر ڈگری) کا اُمیدوار ہو۔ بہرصورت چونکہ ۱۹۲۰ء سے پہلے کیمبرج یونی ورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ابھی جاری ہی نہیں ہوئی تھی، اس لیے شاید ریسرچ اور ایڈوانسڈ اسٹوڈنٹ کے درمیان ایسا باریک فرق ان دنوں خاص معنی نہ رکھتا تھا۔

ڈاکٹر لیڈھم گرین (Leedham-Green) کا دیا ہوا چوتھا کاغذ (جہاں تک مجھے یاد ہے) اسی کتاب (یعنی رجسٹر کی جلد نمبر ۱۱۶) کی فہرست مطالب یا خلاصہ تھا، اور یہاں شمارہ ۴۳ے پر بھی یہی اندراج داخل ہے، (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۷ کا زیریں حصہ)، یعنی:

۴۳ے- ایس-ایم اقبال، ٹرنٹی (کالج) کی پیش کش (یعنی تصنیف) کی علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کی جانب سے منظوری، ۷رمئی ۱۹۰۷ء۔

منگل ۱۷رنومبر ۱۹۸۷ء کو کیمبرج یونی ورسٹی آرکائیوز میں جو ریکارڈ مجھے دستیاب ہوئے، ان میں کی آخری دستاویز ایک لمبی سی Slip (چیپی یا پھریری) ہے، جس کا عکس شاملِ ہٰذا ہے (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۹)۔ اس میں اقبال کے مختصر احوال درج ہیں۔ اس میں ابتداً اقبال کا نام Igbal تحریر کیا گیا ہے۔ (اور یہی ہجے میونخ والی فائل اور دستاویزوں میں بھی جا بجا نظر آتے ہیں، بلکہ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ میں بھی ان کے نام کو یوں ہی Spell کیا گیا ہے، اور اسی طرح علم الاخلاق کی ڈگری کمیٹی کے، اوپر نقل کیے گئے تین میں سے دو شذروں میں اس نام کا یہی حشر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوروپی زبانوں میں Q بغیر U کے، یعنی QU کے سوا، مروج نہیں ہے)۔ لیکن پھر کسی شخص نے کافی عرصے بعد (غالباً علامہ کی وفات کے موقعے پر، کیوں کہ اس کے نیچے لکھا ہے "ورق الٹیے" اور اقبال کی وفات کی تاریخ درج ہے)، ان ہجوں کو درست کر کے Iqbal لکھ دیا ہے۔ بلکہ پورا یوں تحریر کیا ہے: اقبال...... شیخ سر محمد۔

اس سلپ میں اور جو اندراجات ہیں، ان میں یونی ورسٹی میں داخلے کی تاریخ ۲۱/اکتوبر ۱۹۰۵ء دی گئی ہے (جبکہ ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ برائے ۱۸۸۲ء تا ۱۹۱۳ء میں ان کا داخلہ یکم/اکتوبر ۱۹۰۵ء کے روز ہوا)۔ کالج میں ان کا درجہ (Rank)، "P" دکھایا گیا ہے، جس سے مراد "Pensioner" ہے (یعنی ایسا طالب علم جس کو کیمبرج یونی ورسٹی کی جانب سے وظیفہ وغیرہ نہ ملتا ہو بلکہ وہ خود اپنے خرچ پر تعلیم پا رہا ہو)۔ ان کے ڈگری پانے کی تاریخ ۱۳رجون ۱۹۰۷ء دی گئی ہے، جس کی اطلاع مجھے اولاً ۱۹۷۷ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب فلپ گیسکل (Dr Philip Gaskell) نے دی تھی۔ لیکن اس سلپ میں اور موجودہ مضمون میں منقول مختلف دستاویزوں یا اسناد میں، اقبال کے تحقیقی مقالے کی منظوری کی جو تاریخ درج ہے، یعنی منگل ۷رمئی ۱۹۰۷ء، وہ نئی ہے اور اس تاریخ سے مختلف ہے جو ڈاکٹر گیسکل نے میرے نام اپنے خط مورخہ ۱۷رفروری ۱۹۷۷ء میں ان الفاظ کے ساتھ بہم پہنچائی تھی:

The Registry confirms that Iqbal was admitted as an Advanced Student and that he submitted a dissertation (apparently on a Moral Sciences topic) which was approved for the B.A. degree, by special dispensation, on 7 March 1907. He took that degree on 13 June the same year, but never took the M.A.[ے]

میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر گیسکل، یا کیمبرج یونی ورسٹی رجسٹری، کو یہاں تھوڑا سا تسامح ہوا ہے۔ کیوں کہ (جیسا کہ اوپر نقل کی گئی ایک دستاویز میں دیکھا جا سکتا ہے)۔ ۷رمارچ ۱۹۰۷ء کو دراصل اقبال کے مقالے کے ممتحن مقرر ہوئے تھے (صرف ان Minutes پر تصدیقی دستخط ۷رمئی ۱۹۰۷ء کے تھے)، جبکہ ڈگری کی منظوری ۷رمئی ۱۹۰۷ء کو دی گئی۔ (اور اس میٹنگ کی رُوداد پر دستخط ۳۰راکتوبر ۱۹۰۷ء کو کیے گئے)۔ غالباً یونی ورسٹی کی ڈگری کانووکیشن ۱۳رجون (۱۹۰۷ء) کو منعقد ہوئی ہوگی۔ * اس کے علاوہ یہاں اس بات کا ذکر بھی شاید مفید رہے کہ ان تمام کاغذات میں ہمیں کہیں Special Dispensation (یعنی خاص اجازت) کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ اقبال کی بی اے کی ڈگری ان کو بندھے بندھائے اور مروّجہ اصول و ضوابط ہی کے مطابق جاری کی گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر گیسکل کو Special Board for Moral Sciences پر Special Dispensation کا دھوکا ہوا ہو۔

اس سلپ میں باقی جو اندراجات دیکھے جاسکتے ہیں، وہ یوں ہیں: (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۹)

کالج: ٹرنٹی۔ (طالب علم کی حیثیت): درجۂ اعلیٰ کا دانش جُو (ایڈوانسڈ اسٹوڈنٹ)۔ مقالے (کے داخلے) کی فیس ادا کی گئی، ۹رمئی ۱۹۰۷ء۔ مقالے کی منظوری از ڈگری کمیٹی، خصوصی بورڈ برائے علم الاخلاق: ۷رمئی ۱۹۰۷ء

اس سلپ کی پشت پر (دیکھیے: دستاویز نمبر ۲۰) جو نوٹ دیا گیا ہے، اس میں یہ اطلاعات ریکارڈ کی گئی ہیں: ''مرحوم: (دیکھیے ٹائمز (لندن) برائے ۲۲راپریل ۱۹۳۸ء'' (یعنی علامہ کی وفات کے دوسرے روز کا شمارہ)۔

۱۹۳۸ء کی کتاب *Who's Who* (کون، کون ہے) میں اُن کا نام یوں دکھایا گیا ہے:

"Muhammad Iqbal, Sheikh Sir"

---

* کیمبرج یونی ورسٹی کی رسومِ اجرائے اسناد (Convocation ceremonies) عموماً ہر سال، وسط جون کے لگ بھگ ہی سرانجام پاتی ہیں۔ (دُرّانی، ۲۵راپریل ۲۰۰۷ء)

اس نوٹ کے نیچے کسی صاحب کے نا قابلِ شناخت دستخط ثبت ہیں۔

ان سطور کے ساتھ ان دستاویزوں کے بارے میں میرا بیان اور تحلیل و تجزیہ ختم ہوتا ہے جو اکتوبر، نومبر ۱۹۸۷ء میں مَیں نے میونخ اور کیمبرج یونی ورسٹیوں کے حفاظت خانوں (Archives) میں دریافت کیں۔ لیکن اس مضمون کے تتمے کے طور سے ایک آخری دستاویز کا ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، جو ڈاکٹر صدیق شبلی نے اپنے طور سے کیمبرج یونی ورسٹی کے (Archives) سے ڈاکٹر لیڈھم گرین Leedham-Green ہی کے توسط سے حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر شبلی نے یہ دستاویز (جو علامہ اقبال کی درخواست ہے بنام سینئر ٹیوٹر ٹرنٹی کالج کیمبرج مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء) بزمِ اقبال لاہور کے تحقیقی مجلے اقبال (جلد ۳۷، شمارہ ۱-۲، بابت جنوری-اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۷۷ تا ۸۱) میں شائع کی تھی۔ اس دستاویز کے درج کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آیندہ تحقیق کرنے والوں کو آسانی رہے۔ (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۴)

علامہ اقبال کو میونخ یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی جو ڈگری ملی، وہ لاطینی زبان میں تھی۔ آخر میں اس کا عکس اور انگریزی ترجمہ بھی شامل کیا جا رہا ہے (دیکھیے: دستاویز نمبر ۲۲)

❁❁❁

حواشی

۱- پروفیسر Sorley سورلی (Litt.D.) کیمبرج یونی ورسٹی میں (بمقام کنگز کالج)، Knightbridge Professor of Moral Philosophy تھے۔ ان کا تذکرہ شیخ سر عبدالقادر نے بانگِ درا کے دیباچے میں کیا ہے، اور بقول لارڈ بٹلر (جو علامہ کے دوست مانٹیگو بٹلر کے صاحبزادے اور ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۸ء تک ٹرنٹی کالج کیمبرج کے استاذِ اعظم تھے)، وہ بٹلر صاحب کے خالو تھے۔

۲- میرے پارینہ کالج کیز (Caius) کے سابق استاذِ اعظم (Master) ڈاکٹر نیڈھم Dr Joseph Needham نے جو امسال یعنی دسمبر ۱۹۸۹ء میں ۸۹ برس کے ہو جائیں گے،* مجھے اُس شام (۱۷رنومبر ۱۹۸۷ء) کو بتایا کہ وہ Selwyn College کے پروفیسر وارڈ کو اچھی طرح جانتے تھے، اور یہ صاحب Borad of Graduate Studies کے (جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے) سر رشتہ کار تھے۔ یعنی یوں ڈاکٹر نیڈھم کے توسط سے انگلستان میں تا حال ایسے لوگ موجود ہیں جو نوجوان اقبال کو جاننے والوں کو جانتے تھے۔ اور حال ہی میں مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ پروفیسر جیمز وارڈ غالباً وہی ہیں جن کے فلسفے کا علامہ اقبال نے کافی اثر لیا ہے۔ (دُرّانی، آسٹریا، ۲۰ر اگست ۱۹۸۹ء)

۳- ہوسکتا ہے کہ یہ صاحب مشہور عالمِ اقتصادیات John Maynard Keynes کے، جو (۱۹۳۰ء کے عشرے میں) کیمبرج یونی ورسٹی میں پروفیسر تھے، والد یا قریبی عزیز ہوں۔** ڈاکٹر جے-این کینز اُس زمانے میں یا کم از کم ۱۹۰۷ء میں علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کے چیئرمین تھے اور یونی ورسٹی کے رجسٹرار بھی تھے۔ (اِس عہدے دار کو کیمبرج یونی ورسٹی میں Registrary کہتے تھے۔)

۴- ہیگل Hegel کے فلسفے کے نامور اور مستند عالم، جن کے Neo-Hegelian طرزِ فکر نے اقبال پر بھی اثر کیا۔

۵- مسٹر (بعد از آں پروفیسر) آر-اے نکلسن، جنھوں نے ۱۹۲۰ء میں علامہ اقبال کی مثنوی اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ شائع کرکے اقبال کو مغربی دنیا سے روشناس کیا۔ لگے ہاتھوں میں ذکر کردوں کہ جولائی ۱۹۸۶ء

---

* افسوس کہ اس نابغۂ روزگار ہستی کا انتقال ۱۹۹۵ء میں ہوگیا۔ انھوں نے چین کی سائنس اور طب کی قدیم تاریخ پر جو گراں مایہ کام تنِ تنہا سر انجام دیا، وہ تمام چینی قوم سے ایک ساتھ مل کر نہ ہوسکتا تھا۔ (دُرّانی، ۲ر نومبر ۲۰۰۶ء)

** اب ایک حالیہ مضمون سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ مینارڈ کینز کے والد Neville Keynes واقعی اُن دونوں کیمبرج یونی ورسٹی کے رجسٹرار تھے۔ (دُرّانی، ۲۲ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)

میں کیمبرج یونی ورسٹی کی اورینٹل فیکلٹی میں، مَیں نے اس کتاب کے ایک بے بہا نسخے کا کھوج لگایا جس پر علامہ کے اپنے ہاتھ کی، کی ہوئی ہزار ہا تصحیحات موجود ہیں (جو انھوں نے غالباً ڈاکٹر نکلسن کی درخواست پر کی تھیں)۔ ان میں سے تقریباً نوے فی صد تصحیحات ڈاکٹر نکلسن نے من وعن قبول کرلیں اور ۱۹۴۰ء میں شائع شدہ اس کتاب کے دوسرے اڈیشن میں انھوں نے اپنے ترجمے میں یہ ترمیمات داخل کردیں، اگرچہ اس کے دیباچے وغیرہ میں انھوں نے علامہ کی اس امداد کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس تمام ماجرے پر میں نے انگریزی میں ایک مفصّل مضمون تیار کیا ہے، اگرچہ یہ ابھی تک چھپا نہیں۔* (دُرّانی، ہوہن لمبرگ (Hohenlimburg) جرمنی، ۲۲راگست ۱۹۸۹ء)

۶- پروفیسر ای-جی-براؤن (E.G.Browne)، جو کیمبرج یونی ورسٹی میں ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۶ء تک عربی زبان کے پروفیسر Sir Thomas Adams's Professor of Arabic رہے۔ ان کی چار جلدوں پر مشتمل تاریخ ادبیاتِ ایران شہرۂ آفاق ہے۔ اس کتاب کی جلد چہارم (مطبوعہ ۱۹۲۴ء) میں علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے کا ذکر ملتا ہے (ص ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۶)۔ اس تاریخ کی پہلی جلد ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر براؤن اس متعلقہ زمانے (۱۹۰۶-۰۷ء) میں اورینٹل اسٹڈیز ڈگری کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے۔ (دُرّانی، ہوہن لمبرگ Hohenlimburg، جرمنی ۲۲راگست ۱۹۸۹ء)۔

۷- یاد رہے کہ کیمبرج یونی ورسٹی سے بی اے آنرز کے بعد ایم اے کی ڈگری چند سال بعد ایک مقررہ فیس (جو صرف چند پاؤنڈ ہے) داخل کرنے پر اپنے آپ مل سکتی ہے۔

❁❁❁

* یہ کتاب مع اقبال کی تمام دست نوشت تصحیحات کے، اور اُن کے مفصّل تجزیے کے ساتھ ۲۰۰۱ء میں کراچی یونی ورسٹی پریس سے شائع ہوگئی ہے۔ (دُرّانی، ۲۲راکتوبر ۲۰۰۲ء)

ضمیمے

(۱)

محمد اقبال کی تاریخِ ولادت

یان ماریک: ترجمہ سعید اختر دُرّانی

حواشی

(۲)

(دریائے) نیکر کو سلام

تتمّہ

(۳)

کوائفِ حیات، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان

ضمیمہ (۱)

محمد اقبال کی تاریخِ ولادت*

یان ماریک Jan Marek
ترجمہ: سعید اختر دُرّانی

۲۱ راپریل ۱۹۵۸ء کے روز ہم نے عظیم ہندی۔ پاکستانی شاعر اور مفکّر کی برسی منائی ہے، جس کی وفات آج سے بیس سال پہلے ہوئی تھی۔ یہ برسی نہ صرف اسلامی جمہوریۂ پاکستان نے منائی (جس کے رہنماؤں نے محمد اقبال کو غلط طور سے اپنے ''پاک وطن'' اور ملّت کا روحانی خالق تصور کیا ہے[۱])، بلکہ اس کے منانے والوں میں جرمنی، ولندیز اور انگلستان کے یورو پی مسلمان بھی شامل تھے، بالخصوص لندن کے اسلامی ثقافتی مرکز کے مقام پر۔

آج تیس سال سے زیادہ ہونے کو آئے کہ اسلامی تجدّد کے پیروکار وہاں جمع ہوئے تھے اور انھوں نے اِحیائے اسلام کے پُر جوش نقیب، سر محمد اقبال کے نام پر ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ لندن کی ''اقبال سوسائٹی'' کی تاسیس ۱۹۲۶ء میں ہوئی، یعنی اس شاعر کی وفات سے بارہ برس قبل۔ شاعرِ موصوف نے اس کے پہلے اجلاس میں خود شرکت کی۔[۲] سوسائٹی آٹھ سال تک پبلک سرگرمیوں میں مصروف رہی، لیکن اس کے بعد مقامی تعاون کے فقدان کی وجہ سے یہ معدوم ہوگئی۔ اقبال کی دسویں برسی کے موقعے پر لندن میں مقیم پاکستانیوں نے اسے دوبارہ جاری کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں برطانیۂ عظمٰی میں پاکستان کے ہائی کمشنر، عزت مآب جناب حبیب رحمت اللہ کے زیرِ سیادت اس انجمن کی تنظیم نو قرار پائی۔[۳] اس وقت سے اس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور ۱۹۵۳ء میں معروف انگریز ماہرِ ایرانیات پروفیسر اے۔ جے۔ آربری اس کے صدر منتخب ہوئے۔

دوسری اقبال سوسائٹیاں بھی، فارسی لقب ''بزمِ اقبال'' کے نام سے کراچی اور شاعر کے وطنِ مالوف کے صدر مقام لاہور، میں قائم کی گئیں۔ لاہور کی اقبال اکیڈمی[۴] اقبال کی تصنیفات اور کام کا

---

* مضمون مطبوعہ *Archiv Orientální* (Prague)، جلد ۲۶، ص ۶۱۷ تا ۶۲۰۔ ۱۹۵۸ء

فلسفیانہ اور مذہبی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے میں مصروف ہے۔ اور وہ ۱۹۵۲ء سے ایک دلچسپ سہ ماہی رسالہ شائع کررہی ہے، جس کا نام محض اقبال ہے اور جو ہر ایسے موضوع کے مطالعے کے لیے وقف ہے جس میں اقبال کو دلچسپی ہوسکتی تھی، خواہ وہ فلسفہ ہو، یا مذہب، یا ادبیات یا کچھ اور۔

یہ انجمنیں، اور ان کے علاوہ متعدد دیگر ثقافتی اور تعلیمی ادارے، ہر سال اپریل کے مہینے میں یادگاری جلسے منعقد کرتے اور اپنے رسالوں کے خصوصی ''اقبال نمبر'' شائع کرتے ہیں۔ اقبال کی تاریخِ وفات ساری اسلامی دنیا میں معلوم ہے اور ۲۱/ اپریل کا دن ''یومِ اقبال'' کے طور سے منایا جاتا ہے۔

ہمارے بطل ہائے عظیم کی یاد ان کی تاریخِ پیدائش کے روز منانے کا رواج ہے، تو محمد اقبال کی صورت میں ایسا کیوں نہیں ہے اور یومِ اقبال اس کی وفات کی برسی کے روز کیوں منایا جاتا ہے؟ اس کا جواب دینا مشکل نہیں ہے اور وہ اس لیے کہ ہمیں محمد اقبال کی صحیح تاریخِ پیدائش معلوم نہیں ہے۔ اگر ہم کسی ایسی اہم شخصیت کی تاریخِ ولادت سے غافل ہوتے جو آج سے کم از کم دو صدیاں پہلے گذری ہوتی تو یہ بات قابلِ تعجب نہ ہوتی۔ لیکن یہ امر ایک ایسے مصنف کے حوالے سے ضرور تعجب خیز ہے جو ہمارے چیک شاعر اوٹاکر بژیزینا (Otakar Brezina) سے تقریباً پانچ سال اور انگریز ناولسٹ جان گالزوردی سے قریب دس سال کم عمر ہے۔

جب ہم اس کی صحیح تاریخِ پیدائش کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلی مشکل تو مشرقیوں کی تعینِ زمان کے بارے میں معروف بے یقینی اور بچوں کی ولادت کے تحریری ریکارڈوں کی مکمل غیر موجودگی ہے۔ کیوں کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک رجسٹرار کے دفتر میں بچے کی پیدائش کا اندراج ہندوستان کے غیر عیسائیوں کے لیے لازمی نہیں تھا۔ خاندان کے اندر بچے کی تاریخِ ولادت عموماً کسی ایسے خاص وقوعے یا حادثے کے تعلق سے یاد رکھی جاتی تھی جو خاندان کے گرد و نواح یا بود و باش پر گذرا ہوتا (مثلاً گاؤں کے چودھری کے گھر میں آگ لگ جانے کے ایک ہفتے بعد)، یا گردش پذیر مذہبی تہواروں کے ناتے سے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تاریخوں کو مختلف تقویموں میں بیان کرنے میں ایک مزید پریشانی بھی پنہاں ہے اور وہ یہ کہ کسی اور تقویم کی تاریخوں کو ہمارے (مغربی) کیلنڈر میں منتقل کرنا نسبتاً مشکل اور خالی از صحت ثابت ہوتا ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ اقبال کے سالِ ولادت کے تعین میں (مہینے اور دن کے ذکر کی تو بات ہی چھوڑیے) اقبال کی زندگی اور اس کے کام کے دانش جُو کس حد تک اختلاف رکھتے

ہیں۔ سب سے زیادہ ذکر سنہ ۱۸۷۳ء کا ہوتا ہے۔[۵] بعض مقامات پر مہینہ اور دن تک دیا جاتا ہے۔ یعنی ۲۲ر فروری ۱۸۷۳ء۔[۶] کم تر ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۵ء کے سال بھی مختلف ہندوستانی اور پاکستانی ماخذوں میں بیان کیے جاتے ہیں، اور پھر اس سے زیادہ مرتبہ سنہ ۱۸۷۶ء کا ذکر ملتا ہے (مثلاً ولفرڈ کینٹ وَیل سمتھ Wilfred Cantwell Smith ...... ''ہندوستان میں اسلامِ جدید'' *Modern Islam in India*، لندن ۱۹۴۶ء، ص ۱۰۱۔ یا ہیلمتھ فون گلازے نپ Helmuth von Glasenapp ''ہندوستانی ادبیات'': Die Literaturen Indiens، پوٹسڈم Potsdam ۱۹۲۹ء، ص ۲۲۷)۔ بالعموم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۷۳ء کا سال مختلف یوروپی اور ایشیائی دانش وَروں نے اقبال کے نخستین تذکرہ نگاروں سے اخذ کیا ہے۔ دیگر مستشرقین جیسے کہ اسمتھ، گلازے نپ اور بالخصوص جی۔ طفرل G.Taffarel[۷] بعد والی تاریخ ۱۸۷۶ء پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن طفرل خود اپنے مقالے میں متضاد (اور غلط۔ نوٹ از مترجم) بیانات رقم کرتا ہے۔[۸] یعنی: ''بروز ۲۱ر اپریل (یعنی ۱۹۳۸ء) سر محمد اقبال کا بمبئی میں دل کے عارضے سے انتقال ہوا۔ گذشتہ جنوری میں، ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقعے پر، ہندوستان کے مختلف مراکز میں جلسے منعقد ہوئے تھے، خاص کر بمبئی اور حیدر آباد (دکن) کی عثمانیہ یونی ورسٹی میں۔ نیز ان کے کام پر کئی مقالے شائع ہوئے تھے جن میں ہندوستانی ادیبوں اور سیاست دانوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا''۔

آیئے اب اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیے کہ کئی ایک قابل مصنّفین نے سنہ ۱۸۷۷ء پر اقبال کے سالِ ولادت کی حیثیت سے زور دیا ہے۔ محترمہ وی۔کوبچکووا (V.Kubíckovà) فارسی ماخذ کے تطابق میں اپنے مقالے: "Novoperská Literatura XX. Stoleti" (بیسویں صدی کے جدید فارسی ادب کی تاریخ[۹]) میں اقبال کی مدتِ حیات یوں بیان کرتی ہیں: محمد اقبال (۱۹۳۸ء/۱۳۵۷-۱۸۷۷/ ۱۲۹۴ھ)۔ پروفیسر جے۔ ڈبلیو۔ فیوک (J.W.Fueck)[۱۰] نے غالباً ہجری تاریخ ۳ر ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ کو ۱۹ر نومبر ۱۸۷۷ء میں تبدیل کرنے کی کوشش کی (ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح تاریخ ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کے اِملا کی غلطی ہو)۔ انھوں نے اقبال کی تاریخِ وفات غلط طور سے یکم اپریل ۱۹۳۸ء (1-4-1938) بیان کی ہے، مگر اس بیان کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی+ گوٹفریڈ سیمون Gottfried Simon بھی اپنی *Reformbewegungen im Islam*[۱۱] (تحریکاتِ احیائے اسلام) میں ۱۸۷۷ء ہی بیان کرتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا ماخذ موجود ہے جس کی بنا پر کافی بھروسے کے ساتھ (مندرجۂ ذیل)

نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ اقبال خود اپنے اُن خودنوشت سوانح حیات میں بیان کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے میونخ یونی ورسٹی، جرمنی، والے تھیسس میں شامل کیے ہیں[۱۲] کہ: ''میں ۳ ذوقعد ۱۲۹۴ ہجری (۱۸۷۶ عیسوی) کے روز سیالکوٹ، پنجاب (ہندوستان) میں پیدا ہوا تھا۔'' لیکن یہ حساب کہ ۱۲۹۴ھ = ۱۸۷۶ء صحیح نہیں ہے۔ سال ۱۲۹۴ھ کا آغاز ۱۶رجنوری ۱۸۷۷ء سے قبل نہیں ہوتا ہے۔[۱۳] ذی القعدہ ۱۲۹۴ ہجری کا تیسرا روز، ۱۸۷۷ عیسوی کے ۹رنومبر (جمعہ) کے برابر ہے۔

اپنے خودنوشت سوانحِ حیات میں اقبال نے اپنی تعلیم کا مزید حال یوں بیان کیا ہے۔ ''چند سال کے بعد مَیں ایک مقامی مدرسے میں داخل ہوا اور اپنے یونی ورسٹی کیریئر کی ابتدا کی۔ میں نے پنجاب یونی ورسٹی کا ابتدائی امتحانِ عام Public Examination ۱۸۹۱ء میں پاس کیا۔ ۱۸۹۳ء میں مَیں نے میٹریکیولیشن کا امتحان پاس کیا اور سکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا، جہاں میں نے دو سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی کا انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۹ء میں، مَیں نے لاہور گورنمنٹ کالج سے بالترتیب بی اے اور ایم اے کے امتحان پاس کیے۔''[۱۴]

امتحانات پاس کرنے اور ہائی اسکول میں داخل ہونے سے متعلق بیانات بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اقبال ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ہندوستان کے ہائی اسکولوں اور یونی ورسٹیوں کے دستور کے لحاظ سے یہ امر بہت زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ اقبال نے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں اپنی عمر کے سولھویں سال میں داخلہ لیا، نہ کہ اس قدر دیر سے کہ وہ بیس سال کے ہو چکے تھے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ انھوں نے بی اے بیس برس کی عمر میں کیا نہ کہ چوبیس کی، اور یہ کہ انھوں نے ایم اے کا درجہ بائیس سال کی عمر میں حاصل کیا، نہ کہ چھبیس سال کی پختہ عمر میں۔

ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شاعر کی ساٹھویں سالگرہ کے موقعے پر جلسے منعقد کیے گئے تھے۔ چنانچہ اقبال نہ تو ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے ہوں گے نہ ۱۸۷۶ء میں، بلکہ ۱۸۷۸ء میں، یا کم از کم سنہ ۱۸۷۷ء کے اواخر میں۔

تو خلاصہ یوں ہے:

الف- میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال بروز جمعہ ۹رنومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ یہ تاریخ خود اقبال کے اس بیان پر مبنی ہے جو انھوں نے اپنی خودنوشت سرگذشت میں پیش کیا ہے (یعنی سوم ذی القعدہ، ۱۲۹۴ ہجری)

ب- چند اور فروتر ثبوت بھی ملتے ہیں جو سنہ ۱۸۷۷ء کے حق میں ہیں:

۱- ہائی اسکول کے امتحانوں کے پاس کرنے اور مختلف قسم کی درس گاہوں (مصنف مقالہ نے ''اسکولوں'' لکھا ہے۔ دُرّانی) میں داخلے کی تاریخیں، ہندوستان کے انگریزی اسکولوں میں طلبہ کی اوسط عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

۲- اقبال کی ساٹھویں سالگرہ منانے کی تقریبات جو ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان منعقد ہوئیں، جب شاعر ابھی زندہ تھا۔

۳- جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، بعض دانش ور بھی مختلف مآخذ کی روشنی میں ۱۸۷۷ء ہی پر زور دیتے ہیں۔

ہاں، یہ ضرور ہے کہ ہم کتابت کی غلطیوں پر منحصر غلط شماریوں (Miscalculations) سے احتراز نہیں کر سکتے۔ (تمت: پراگ، شنبہ ۴راگست ۱۹۹۰ء)

❁❁❁

حواشی

۱- مترجم نے جب اگست ۱۹۹۰ء میں جناب یان ماریک سے پراگ میں ملاقات کی اور اس بیان کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اُس زمانے میں جب یہ مضمون لکھا گیا (یعنی ۱۹۵۸ء میں)، تو ان کے ملک (چیکوسلواکیا) کی حکومت مملکتِ پاکستان سے عناد رکھتی تھی، اور ایسے خیالات کی تشہیر کرتی تھی۔ اب جناب ڈاکٹر ماریک کا ذاتی نقطۂ نظر اس بارے میں بدل گیا ہے۔ (دُرّانی)

۲- مترجم کے خیال میں یہ اطلاع صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ ۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال انگلستان میں موجود نہ تھے۔ اس سوسائٹی کی بنیاد (جہاں تک مجھے علم ہے) دراصل علامہ کے ۱۹۳۱ء کے دورۂ انگلستان کے دوران رکھی گئی تھی، جب وہ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان تشریف لائے تھے۔

۳- دیکھیے Art and Letters (ہنر و ادب) جلد ۲۷، ۱۹۵۳ء، ص ۲۵۔

۴- مترجم کے خیال میں یہ تنظیم اقبال اکیڈمی نہیں، بزمِ اقبال (بمقام لاہور) تھی۔ (یاد رہے کہ بزمِ اقبال کا نام ابتدا میں اقبال اکیڈمی تھا، پھر بزمِ اقبال ہوا۔ (وحید قریشی))

۵- بالخصوص اقبال کے سوانحِ حیات کے قدیم ہندوستانی تذکروں میں۔ مگر کئی ایک تازہ مقالات میں بھی۔ مثلاً اے ایم شمل (A-M. Schimmel): محمد اقبال ۱۸۷۳ء- ۱۹۳۸ء Welt des Islams N.S. III 1954, p.145 ۔رسالہ دنیائے اسلام۔ علی مراد (Ali Merad) محمد اقبال، ایک جدید مسلمان مفکر ۱۹۳۸ء- ۱۸۷۳ء (فرانسیسی زبان میں) *Mohammad Iqbal, un penseur musulman moderne* 1873-1938 (Iblā* XVIII 1955, p.339) ریاض الحسن: ہندوستانی مسلمان شاعر محمد اقبال ۱۹۳۸ء- ۱۸۷۳ء (اطالوی زبان میں) *Il poeta musulmano indiano Mohammed Iqbal* (Oriente Moderno XX, 1940, p.605) 1873-1938 این-بی-رائے (N.B.Roy): اقبال کی شاعری کا پس منظر (انگریزی زبان میں) (*The Vishvabharati Quarterly* XX, 1955, p.321)

۶- اے بوسانی A.Bausani: نغمۂ آسمانی *Il poema celeste* (اقبال کے جاوید نامے کا اطالوی ترجمہ)، روم، ۱۹۵۲ء، ص ۹، اور علی نہاد طرلان (Ali Nihat Tarlan) Sarktan Haber (اقبال کے پیامِ مشرق کا ترکی ترجمہ)، انقرہ، ۱۹۵۲ء، ص XI یا ۱۲۱۔

---

* Ibla = Institut des Belles Lettres des Arabes (Tunis)

۷- جی-طفریل (G.Taffarel) محمد اقبال کا تذکرۂ حیات (اطالوی زبان میں): *Notizie biografiche su Mohammed Iqbal* : Oriente Moderno XVIII,1938, p.322 ۱۹۳۸ء ص ۳۲۲ جو دکن ٹائمز میں شائع ہونے والے ایک مضمون پر مبنی ہے۔

۸- Il 21 dello scorso aprile morí a Bombay di mal di cuore Sir Mohammed Iqbäl. Nel precedente gennaio in occasione del suo sessantesimo compleanno in vari centri dell 'India e specialmente a Bombay e Haiderabad del Dekkan (Presso I'Università Othmäniyyah) furono tenute conferenze e scritti articoli sulle opera sua, con larga partecipazione di litterati e politici indù

۹- یان ریپکا (Jan Rypka) اور معاونین:
"Déjiny perské a tádžické literatury"
(تاریخ ادبیاتِ فارسی وتاجیک)...... پراگ ۱۹۵۶ء، ص ۱۳۰۵ اور مابعد۔

۱۰- J. W. Fueck: Muahmmad Iqbal und der indomuslimische Modernismus, Westoestliche Abhandlungen, Rudolf Tschudi zum 70. Geburgstag, Wiesbaden 1954, p.357
جے ڈبلیو فیوک: محمد اقبال اور مسلم ہند کا دورِ جدید: مقالاتِ شرق وغرب، رڈولف چُودی کی سترویں سالگرہ پر: ویزبادن ۱۹۵۴ء، ص ۳۵۷)

۱۱- اس کی کتاب کے تبصرے کے مطابق، جس کے لیے دیکھیے *The Moslem-World* جلد ۲۷ (XXVII) ۱۹۳۷ء، ص ۴۱۳

۱۲- دیکھیے ایم اقبال، ایران میں علمِ ما بعد الطبیعیات کا ارتقا۔

M. Iqbäl : *The Development of Metaphysics in Persia,* Inaugural Dissertation der Philosophischen Fakultät Sekt. I. (resp. II) der Ludwig- Maximilians Universität, München, London 1908, Lebenslauf. (افتتاحی مقالہ برائے کُلّیۂ فلسفہ، سیکشن اوّل (یا دوم) لڈوگ میکسی میلین یونی ورسٹی، میونخ۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۸ء۔ کوائف حیات)

نوٹ از مترجم: اکتوبر ۱۹۸۷ء میں میونخ یونی ورسٹی لائبریری کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر بُوزاش (L.Buzás) نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے خیال میں کلیۂ فلسفہ یا یونی ورسٹی کے جس کارپرداز کے ذمے اس مقالے کے لیے اُس سیکشن کا تعین کرنا تھا، جس کے ماتحت اقبال کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جارہی تھی، اس نے تساہل یا تغافل کی بنا پر بجائے ایک سیکشن کے دونوں درج کردیے (یعنی سیکشن اوّل یا دوم)۔ امسال (اگست ۱۹۹۰ء میں)

جناب یان ماریک نے پراگ میں اس خیال کا مجھ سے اظہار کیا کہ شاید اس مقالے کا موضوع ان دو سیکشنوں اوّل و دوم کے بین بین رہا ہو۔ چنانچہ دونوں کا نام درج کر دیا گیا۔ لیکن بعد ازآں جب میں نے اقبال کی ''میونخ فائل'' کا بغور مطالعہ کیا تو وہاں نظر آیا کہ میونخ یونی ورسٹی کے ''شاہی کُلیۂ فلسفہ'' کے ڈین، جناب بریمن Dr H. Breymann نے اپنے سرٹیفکیٹ میں بالخصوص سیکشن اوّل کا اندراج کیا ہے۔ (دُرّانی)

۱۳- بمطابق ''اسلامی اور عیسوی تقویموں کی مساواتی فہرستیں'' از ایف-وُستن فیلڈ-ماہلر، دوسرا اڈیشن، لائپ زِگ ۱۹۲۶ء۔ (F.Wüstenfeld-Mahler'sche Vergleichungstabellen der Mohammededanischen und Christlichen Zeitrechnung, 2. Aufl. Leipzig 1926.)

۱۴- فلسفۂ عجم، کوائفِ حیات* (*Development of Metaphysics*,...... Lebenslauf)

❁❁❁

* دیکھیے میری کتاب اقبال یورپ میں (لاہور، ۱۹۸۵ء و ۱۹۹۹ء۔ اور نئی دہلی، ۲۰۰۴ء) جہاں ان کوائفِ حیات کا عکس دکھلایا گیا ہے۔ (دُرّانی، ۲/نومبر ۲۰۰۶ء)

ضمیمہ (۲)

(دریائے) نیکر کو سلام

بانگ درا میں اقبال کی ایک مشہور نظم، جو انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی کے دوران (۱۹۰۷ء میں) جرمنی کے خوب صورت شہر ہائیڈل برگ میں لکھی تھی، اس عنوان کے تحت درج ہے:

ایک شام

(دریائے نیکر، ہائیڈل برگ، کے کنارے پر)

جیسا کہ موجودہ کتاب کے متن میں ذکر ہوا ہے، اس نظم کے اردو متن کا جرمن زبان میں ''لفظی منظوم ترجمہ'' ہائیڈل برگ کے روزنامے *Heidelberger Tageblatt*، بابت ۱۴؍مارچ ۱۹۱۶ء میں (یعنی جنگِ عظیم اوّل کے دوران) شائع ہوا تھا۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ بقول اقبال، یہ نظم ''دریائے نیکر کے کنارے، رات کے دو بجے لکھی گئی۔'' یہ ترجمہ دوسری مرتبہ اُسی اخبار کے اُس شمارے میں طبع ہوا تھا جو علامہ کے قدیمی مکان (58 Neuenheimer Landstrasse) پر، جو بالکل دریائے نیکر کے کنارے پر واقع ہے، انتسابی تختی کی تنصیب کے موقع پر بروز بدھ ۲۹؍جون ۱۹۶۶ء شائع ہوا تھا۔

علامہ کے مکان پر انتسابی تختی کی تنصیب کے چند برس بعد، یعنی بروز جمعہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۶۹ء رائین نیکر اخبار *Rhein-Necker Zeitung* میں شائع شدہ ایک خبر کے مطابق، پاکستان کے سفیرِ کبیر، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان، اور حکومت المانیہ اور مقامی ریاست کے کئی ایک سربرآوردہ زعماء کی موجودگی میں، دریائے نیکر کے کنارے ایک یادگاری پتھر نصب کیا گیا، جس پر علامہ کی مذکورہ نظم کا (روزنامہ ہائیڈل برگ میں شائع شدہ) ترجمہ کندہ تھا۔ اس پتھر کی تصویر موجودہ کتاب کی طبعِ نو میں شائع کی جارہی ہے۔

زیرِ نظر ضمیمے کی اشاعت کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اس سنگِ یادگار پر جو ترجمہ کندہ ہے، اس میں شعروں کی ترتیب وہ نہیں ہے جو بانگ درا میں ہے۔ اس بات کی مزید تحقیق باعثِ دلچسپی ہوگی کہ کیا ۱۹۰۷ء میں اقبال کی اس نظم کی ہیئتِ اوّل وہ تھی جو روزنامہ ہائیڈل برگ (۱۹۱۶ء) میں شائع

ہوئی تھی؟ یا اُن دنوں بھی بانگ درا والی ترتیب قائم ہو چکی تھی۔ ہاں ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اقبال کی اردو نظم کا جرمن ترجمہ، روزنامہ ہائیڈل برگ کے لیے، کس شخص نے کیا تھا۔

قارئین کی سہولت کے لیے میں پہلے وہ نظم اُس ترتیبِ شعری کے مطابق درج کرتا ہوں، جو بانگ درا میں ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر مصرع کا (موجودہ) نمبر شمار درج کرتا ہوں۔ اس کے بعد، یادگاری پتھر پر کندہ مصرعے، وہاں پر ملحوظ رکھی گئی ترتیب کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں اور ہر مصرع پر وہ نمبر لگایا گیا ہے جو بانگ درا کے مطابق ہے۔ ظاہر ہے کہ جرمن ترجمے میں ہر جگہ من وعن (Exactly) وہ مفہوم یا استعمالِ الفاظ نہیں ہے، جو اصل اردو متن میں ہے (اور عموماً ترجمے میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے)۔ ہاں، یہ ممکن ہے کہ ۱۹۰۷ء یا ۱۹۱۶ء سے لے کر ۱۹۲۴ء میں بانگ درا کی اشاعت کے درمیانی عرصے میں اقبال نے نظم میں کچھ تبدیلیاں کر دی ہوں۔ علامہ عموماً نظر ثانی کرتے ہوئے اپنے کلام میں معتدبہ تبدیلیاں کر دیا کرتے تھے۔

تکمیلِ مطالب کی خاطر میں جرمن عبارت کا انگریزی ترجمہ بھی بطور تتمہ اس ضمیمے کے آخر میں درج کرتا ہوں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب میں نے اپنی کتاب میں مندرج جرمن عبارت کا (جو *Heidelberger Tageblatt* بابت بدھ ۲۹ر جون ۱۹۶۶ء سے نقل کی گئی تھی) بغور مقابلہ یادگاری پتھر پر موجود عبارت سے کیا، تو چند ایک لفظی اختلافات نظر آئے۔ چنانچہ میں جرمن عبارت کی ہر دو ہیئت (Versions) بھی تتمے میں پیش کر رہا ہوں۔ سنگِ یادگار پر کندہ تحریر بہرہٴ تصاویر (یعنی تصویر نمبر ۱۳) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بانگ درا اور لوح یادگار میں ترتیب شعری کے اختلافات کی ایک دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ جرمن ترجمے میں قافیوں کا نظام (Rhyme Scheme) اردو نظم سے بالکل مختلف ہے۔ اردو نظم، جس کے سات اشعار (یعنی ۱۴ مصرعے) ہیں، اُس میں جو نظام قوافی اختیار کیا گیا ہے وہ ہے: (a, a) - (c, c) - (d, d) ...... (ط،ط) جب کہ جرمن نظم میں (جس کے چھ شعر، یعنی ۱۲ مصرعے ہیں)، نظام قوافی کچھ یوں ہے۔ (a, b)، (a, b) - (c, d)، (c, d) - (e, f)، (e, f) - یوں نظم کی ہیئتِ المانوی میں بانگ درا کے دو مصرعے حذف کر دیے گئے ہیں۔ یعنی: شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی (بانگ درا، مصرع ۲)۔ اور: فطرت بے ہوش ہوگئی ہے (بانگ درا، مصرع ۵)۔

ایک شام (بہ مطابق بانگ درا)

۱ خاموش ہے چاندنی قمر کی ۲ شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
۳ وادی کے نوافروش، خاموش ۴ کہسار کے سبز پوش، خاموش
۵ فطرت بے ہوش ہو گئی ہے ۶ آغوش میں شب کے سو گئی ہے
۷ کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے ۸ نیکر کا خرام بھی سکوں ہے
۹ تاروں کا خموش کارواں ہے ۱۰ یہ قافلہ بے درا رواں ہے
۱۱ خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا ۱۲ قدرت ہے مراقبے میں گویا
۱۳ اے دل، تو بھی خموش ہو جا
۱۴ آغوش میں غم کو لے کے سو جا!

❁ ❁ ❁

(دریائے) نیکر کو سلام (بہ مطابق سنگِ یادگار)

۱۱ خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا ۱۲ قدرت ہے مراقبے میں گویا
۳ وادی کے نوافروش ، خاموش ۴ کہسار کے سبز پوش، خاموش
۹ تاروں کا خموش کارواں ہے ۱۰ یہ قافلہ بے درا رواں ہے
۱ خاموش ہے چاندنی قمر کی ۶ آغوش میں شب کے سو گئی ہے
۷ کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے ۸ نیکر کا خرام بھی سکوں ہے
۱۳ اے دل، تو بھی خموش ہو جا ۱۴ آغوش میں غم کو لے سو جا

❁ ❁ ❁

یہاں شاید اس بات کا بیان بے محل نہ ہو کہ اقبال کی یہ نظم، شہرۂ آفاق جرمن شاعر گوئٹے کی اُن سادہ اور پُر کار نظموں کی یاد دلاتی ہے جو اقبال اُن دنوں اپنی جرمن اتالیق مِس ایما ویگے ناسٹ کی مدد سے پڑھ رہے تھے۔ سالہا سال بعد علامہ نے (انگریزی زبان میں) اپنے خط مورخہ ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء میں ایما کو لندن سے لکھا (جہاں وہ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے): ''...... میں ہائیڈل برگ کے وہ ایّام کبھی فراموش نہ کرسکوں گا جب آپ نے مجھے گوئٹے کا

''فاؤسٹ'' پڑھایا، اور دیگر کئی طرح سے میری مدد کی تھی۔ وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے!...... میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ میں ہائیڈل برگ آؤں، اور آپ سے اسی پرانے مقام پر ملاقات کروں۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے، جس کے کنارے پر ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے......''
اگر چہ پھر علامہ کو اپنا پروگرام بدلنا پڑا اور یوں وہ ایما سے عمر بھر دوبارہ نہ مل سکے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

اس ضمیمے کے خاتمے سے پہلے ایک آخری بات بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آج سے قریب سولہ سال پیشتر (یعنی ستمبر ۱۹۹۲ء میں) علامہ کے برادرزادے جناب شیخ اعجاز احمد صاحب نے کراچی میں اپنی وہ بے بہا بیاض مجھے عطا کی جس میں انھوں نے اپنے ایک ہم وطن، ڈاکٹر شاہ نواز کی مدد سے ۱۹۱۹ء میں اپنے قیامِ سیال کوٹ کے دوران بڑی خوش خط تحریر میں اقبال کا وہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام نقل کروانا شروع کیا تھا جو شیخ صاحب موصوف ۱۹۱۲ء کے لگ بھگ سے اپنی کاپیوں میں جمع کر رہے تھے۔ دراصل اس ضخیم بیاض کا بیش تر حصہ شیخ اعجاز احمد کے (بقول خود ''بدخط'') قلم سے لکھی ہوئی نقول پر مشتمل ہے۔ اس بیاض میں درج بہت سی نظموں وغیرہ کی پیشانی پر شیخ صاحب نے اپنے ہاتھ سے ان مندرجات کے پس منظر کے بارے میں بڑے کار آمد شذرات (Notes & Comments) بھی تحریر کیے ہیں۔ (مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے میرا مضمون معنونہ ''شیخ اعجاز احمد کی جمع کردہ بیاض اقبال'' مطبوعہ اقبالیات بابت جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔ ص ۱۱۱ تا ۱۳۲)۔

اس نابغۂ روزگار بیاض کا اصل نسخہ میں نے چند سال قبل (جون ۱۹۰۵ء میں) جناب محمد سہیل عمر، ناظم اقبال اکادمی پاکستان کو اس استدعا کے ساتھ دے دیا تھا کہ وہ اس کو اکادمی کے حفاظت خانے (Archives) میں محفوظ کریں، اور علاوہ ازیں (شیخ اعجاز احمد صاحب کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے) ضروری شیرازہ بندی اور تنظیم و تہذیب کے بعد اسے اکادمی کی جانب سے شائع بھی کریں۔ افسوس یہ کتاب تاحال اشاعت پذیر نہیں ہو سکی، لیکن بہر حال، میں نے اس مخطوطے کی ایک فوٹو کاپی اپنے پاس محفوظ کر لی تھی۔ آج میں نے اس بیاض کی دوبارہ ورق گردانی کی، کیونکہ مجھے یاد تھا کہ اس میں، میں نے اقبال کی زیر بحث نظم دیکھی تھی۔ چنانچہ منکشف یہ ہوا کہ اس قلمی بیاض کے صفحہ ۲۲۹ پر یہ نظم یوں درج ہے:

(ہائیڈل برگ۔ ستمبر ۱۹۰۷ء)

دریائے نیکر کے کنارے

ایک شام ---خاموشی

اس عنوان کے تحت یہ نظم بالکل اُسی ترتیبِ اشعار کے ساتھ درج ہے، جو بانگ درا میں نظر آتی ہے۔ آخری شعر کے دائیں پہلو پر شیخ صاحب موصوف نے لکھا ہے (بانگ درا) اور بائیں پہلو پر تحریر کیا ہے (ہمایوں مارچ ۲۲ء)۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ کم از کم مارچ ۱۹۲۲ء میں اشعار کی ترتیب وہی تھی، جو بانگ درا (اشاعتِ اوّل، لاہور، ستمبر ۱۹۲۴ء) میں شائع ہوئی ہے۔ البتہ یہ واضح نہیں کہ رسالہ ہمایوں میں نظم کے لکھے جانے کی تاریخ (یعنی ستمبر ۱۹۰۷ء) درج تھی یا نہیں۔ کم از کم بانگ درا میں تاریخ موجود نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اب علامہ کے خطوط بنام ایما ویگے ناسٹ چھپ چکے ہیں (دیکھیے میری کتاب، اقبال یورپ میں، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۵ء)، لہٰذا ہمیں اس تاریخِ تحریر کے، اُن خطوط کے مندرجات کے ساتھ تطابق کا ثبوت میسر ہے، کیونکہ جناب اقبال ستمبر ۱۹۰۷ء میں واقعی ہائیڈل برگ میں موجود تھے۔

(دُرّانی، برمنگھم، ۴ر ستمبر ۲۰۰۸ء)

تتمّہ

اخبار روزنامہ ہائیڈل برگ بابت بدھ ۲۹/جون ۱۹۶۶ء میں شائع شدہ جرمن نظم، اور دریائے نیکر کے کنارے نصب یادگاری پتھر پر کندہ تحریر بطور تتمہ نیچے درج کی جا رہی ہے۔ اختلافِ نسخ کی صورت میں، سنگِ یادگار پر کندہ الفاظ جلی (Bold) حروف کے ذریعے اُجاگر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تتمّے میں جرمن نظم کا انگریزی زبان میں لفظی ترجمہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

(دُرّانی۔ ۱۱/جنوری ۲۰۰۹ء)

تتمّہ

اقبال کی نظم 'ایک شام' کا جرمن متن

بہ مطابق روزنامہ ہائیڈل برگ بابت ۲۹/جون ۱۹۶۶ء، وسنگِ یادگار (حروفِ جلی)

GRUSS AN DEN NECKAR

STILL IST **[DER]** BERG UND DER FLUSS UND DAS TAL.

ES SCHEINT DIE NATUR IN SINNEN VERSUNKEN.

DIE GEFIEDERTEN SAENGER VERSTUMMEN ZUMAL

UND DER WALD AM/**[AN DEM] HUEGUL**/[HUGEL] RUHT SCHLUMMERTRUNKEN.

DIE KARAWANE DER STERNE ZIEHT

OHNE GLOECKCHENKLINGEN AUF HIMMLISCHEN WEGEN

STILL LEUCHTET DER MOND, DIE BEWEGUNG IST MUED,/**[ENTFLIEHT]**

IM SCHOSSE DER NACHT WILL SIE/[SICH] SCHLAFEN SICH/LEGEN.

SO STARK IST DER STILLE ZAUBERMACHT

DASS DER NECKAR RUHT, NICHT WEITERFLIESSEND

NUN WERDE/[SEI] AUCH DU STILL/[STILLE], MEIN HERZ, IN DER NACHT

UND SCHLAFE, DAS [LEID]IN DICH VERSCHLIESSEND.

MOHAMMED IQBAL

(نوٹ۔ سنگ یادگار کا متن تصویر نمبر ۱۳ میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔)

تتمّہ

اقبال کی نظم 'ایک شام' (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ کے کنارے پر) کے جرمن متن کا انگریزی زبان میں لفظی ترجمہ

Salutation to the Neckar

Still is the hill and the river and the valley
It seems as if Nature is immersed in meditation.

The feathered singers fall silent indeed
And the forest on the hillsiderests slumber-drunk.

The caravan of stars moves along
Without the sound of bells, on its heavenly path.

Silently shines the moon: its movement flees
In the lap of the night to lie down to sleep.

The enchantment of silence is so powerful
That the Necker rests; flowing no more.

Now you, too, my heart be silent in the night
And sleep, your sorrow locked within you.

(Translated from the German by Inge and Saeed Durrani)

ضمیمہ (۳)

کوائفِ حیات

عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان

(سفیرِ کبیر پاکستان درالمانیہ)

اس کتاب کے بابِ اوّل (ہائیڈل برگ) میں کئی مقامات پر جرمنی میں پاکستان کے سفیرِ کبیر، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان کا ذکرِ خیر آیا ہے، کہ اپنے زمانۂ سفارت (۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۰ء) کے دوران انھوں نے کس قدر پُرعزم اور دُور بین طریقے سے جرمنی میں حضرتِ علّامہ کی مختلف یادگاریں قائم کیں۔ ان میں جنابِ مکرّم کے مندرجہ ذیل کارنامے شامل ہیں:

۱- علامہ کی دیرینہ قیام گاہ واقع ہائیڈل برگ (58 Neuenheimer Landstrasse) پر یادگاری تختی کی تنصیب (جمعہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۶ء)۔ کتاب کے بہرۂ تصاویر میں عکوس نمبر ۸ و ۹ ملاحظہ کیجیے۔

۲- وفاقی شاہراہ نمبر ۳۷ (Bundesstrasse 37) کے ایک حصے کی ''اقبال کنارہ'' کے نام سے رسمِ تسمیہ (جمعہ ۱۴ر فروری ۱۹۶۹ء)، جب دریائے نیکر (Neckar) کے کنارے پر Iqbal-Ufer کے نام کی تختیوں کی نقاب کشائی کی گئی۔ دیکھیے کتاب کے بہرۂ تصاویر میں تصویر نمبر ۱۲۔

۳- دریائے نیکر کے کنارے پر ایک سنگِ یادگار (Gedenkstein یعنی Memorial Stone کی تنصیب اور نقاب کُشائی (جمعہ، ۱۹ر دسمبر ۱۹۶۹ء)۔ اس پتھر پر علامہ کی مشہور نظم ''ایک شام (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ کے کنارے پر)'' کا جرمن ترجمہ کندہ ہے۔ یہ نظم اقبال نے ستمبر ۱۹۰۷ء میں لکھی تھی۔ اس لوح یادگار کی تصویر (نمبر ۱۳) کتاب کے بہرۂ تصاویر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ضمیمہ نمبر ۲ بھی ملاحظہ کیجیے۔

۴- میونخ کے Habsburger Platz (ہابزبُرگ چوک) میں علامہ کے نام کی یادگاری لاٹھ کی تنصیب اور نقاب کُشائی (مورخہ ۲۲ر اپریل ۱۹۶۸ء)۔ اس لاٹھ کی تصویر (نمبر ۲۴، الف، ب)، زیرِ نظر کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سالِ گذشتہ (۲۰۰۸ء میں)، میں نے اپنے اقبالیاتی دوست، عزّت مآب جناب توحید احمد (سابق سفیرِ پاکستان در آئرستان۔Eire/Ireland) کے توسط سے جناب عبدالرحمٰن خان کے صاحب زادے، جہانگیر خان صاحب کے ساتھ رابطہ قائم کیا، کہ اُن سے علامہ کے اس عظیم عقیدت مند کے کچھ کوائف حیات معلوم کیے جائیں، جس نے جرمنی میں علامہ اور پاکستان کا نام بلند کرنے میں اس قدر مساعی جمیلہ انجام دی تھیں—— کہ باغیرت قومیں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں۔ مجھے خوشی ہے کہ عزت مآب عبدالرحمٰن خان صاحب کے فرزندِ ارجمند، جہانگیر خان (اور جہانگیر خان صاحب کر کے فرزند جناب بلال خان) کی مدد سے مجھے یہ کوائفِ حیات میسر آ گئے ہیں، جو اِن اصحاب کے شکریے کے ساتھ قارئین کے پیش خدمت ہیں۔ ان کوائف کا اردو ترجمہ میرا کیا ہوا ہے۔ جناب بلال خان کی اطلاع کے مطابق، اُن کے والد ماجد (جناب جہانگیر خان صاحب)، مارچ ۲۰۰۸ء میں حکومت پاکستان کی ''وزارتِ نفتِ خام و وسائل فطری'' (Ministry of Petroleum and Natural Resources) کے ایڈیشنل سیکرٹری کے عہدے سے سبک دوش ہو کر وظیفہ یاب ہوئے ہیں۔ (مجھے افسوس ہے کہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی ''انجمنِ دانش جُویانِ پاکستان'' کے بڑے سرگرم صدر جناب M. S. Boikhan کے کوائفِ حیات دست یاب نہیں ہو سکے، ورنہ وہ بھی یہاں درج ہو جاتے۔ کیونکہ، جیسا کہ کتاب میں بیان ہوا ہے، جرمنی میں علامہ اقبال کی یادگاروں کے قیام میں انھوں نے بھی بڑا قابلِ تعریف کردار ادا کیا تھا۔

(دُرّانی۔۱۶؍جنوری ۲۰۰۹ء)

جناب عبدالرحمٰن خان کے مختصر کوائفِ حیات

- ☆ ولادت: یکم جنوری ۱۹۰۷ء۔ درویش نامی گاؤں۔ ہری پور ہزارہ ڈویژن۔
- ☆ بی اے آنرز۔ علی گڑھ یونیورسٹی۔ ۱۹۲۷ء۔
- ☆ ایل ایل بی۔ دہلی یونیورسٹی۔ ۱۹۳۱ء۔
- ☆ انتخاب بطور سب جج۔ ۱۹۳۱ء۔
- ☆ ملازمت: کوہاٹ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ مردان۔ نوشہرہ و پشاور۔
- ☆ سنئیر سب جج بننے کے بعد پولیٹیکل سروس کے لیے منتخب ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں افغانستان میں بمقام جلال آباد تقرر ہوا۔ وہاں بطور قنصل، قیام پاکستان تک فرائض انجام دیتے رہے۔*

☆ پاکستان بننے پر وہ پاکستان کی فارن سروس میں لے لیے گئے اور کابل میں ہمارے ملک کے سفارت خانے میں بطور فرسٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔

☆ ۱۹۵۳ء میں کراچی میں بطور ڈائریکٹر، فارن آفس تقرر ہوا۔

☆ ۱۹۵۵ء میں، واشنگٹن میں پاکستانی سفارت خانے میں بطور منسٹر متعین ہوئے۔

☆ یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو ترقی پا کر جکارتہ، انڈونیشیا میں پاکستان کے سفیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

☆ ۱۹۵۹ء میں آسٹریلیا میں تقرر ہوا۔ لیکن پوسٹنگ منسوخ کر کے انھیں بطور سفیرِ پاکستان، افغانستان بھیجا گیا۔ (اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی تھی اور صدر (ایوب خان) نے بذاتِ خود انھیں کابل جانے کو کہا)۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تناؤ بڑھتا گیا اور پھر سرحد پر کچھ جھڑپوں کے بعد افغانستان کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات منقطع ہو گئے۔ چنانچہ انھیں پاکستان واپس آنا پڑا۔

☆ ۱۹۶۲ء میں بطور سفیر، برسلز (بلجیم) میں تقرر ہوا۔

☆ ۱۹۶۵ء میں بون (جرمنی) میں بطور سفیر تقرر ہوا۔

☆ ۱۹۷۰ء میں جرمنی میں چھ سال کی سروس کے بعد ریٹائر ہو کر واپس وطن کو لوٹے۔

اعزازات

۱- ستارۂ قائداعظم۔

۲- ستارۂ پاکستان (۱۹۶۵ء کی جنگ میں خدمات کی بنا پر)

۳- جرمن گرینڈ کراس (جرمن سفارت خانے سے تصدیق کے بعد Order یعنی درجے کی توثیق ہو سکے گی)۔

۴- ملک شام کا نشان/وِسام (سفارت خانۂ شام سے تصدیق کے بعد Order یعنی درجے کی توثیق ہو سکے گی)

---

* انھی دنوں راقم الحروف کے ماموں، جناب فاروق حیدر دُرّانی بھی جلال آباد کی British Legation (سفارتی چوکی) میں مامور تھے۔ (دُرّانی)۔

نوٹ از جناب جہانگیر خان (فرزندِ ارجمند)*

میرے والد صاحب ایک بہت بلند کردار اور راسخ العقیدہ انسان تھے۔ وہ شراب نوشی سے کاملاً محترز رہے اور کبھی صوم وصلوٰۃ کو قضا نہ ہونے دیا۔ اپنی زندگی کے دوران انہیں کئی ایک جاں گداز المیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ دو بیٹے ۲۱ اور ۳۸ سال کی عمر میں جاں بحق ہوئے۔ ۲۸ سالہ بہو اور ۳۸ اور ۴۲ سال کی عمر کے دو داماد (اور یہ دونوں، صدر ایوب خان کے صاحب زادے تھے) اللہ کو پیارے ہوئے۔ ان وفیات کے دوران آپ یہ کبھی نہ جان سکتے تھے کہ وہ کس عذاب سے گذر رہے ہیں۔ ہمارے علاقے میں [اب بھی] لوگ اُن کی مثال دے کر اوروں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں کہ دیکھیے انھوں نے کیسے یہ درد سہارے تھے۔

ان کی زندگی کا ایک غیر معمولی پہلو یہ بھی تھا کہ انھوں نے بیس سال کی عمر میں اپنا گاؤں چھوڑا اور پھر اگلے تقریباً پچاس سال تک وہ ملک سے باہر دنیا بھر میں گھومتے رہے۔ لیکن جب ریٹائر ہونے کے بعد انھوں نے اپنے گاؤں میں قیام پذیر ہونے کا فیصلہ کیا، تو پھر کراچی اور لاہور کے دو دو مرتبہ کے دورے کے علاوہ کبھی وہاں سے باہر قدم نہ رکھا۔ (میں خود اسلام آباد میں رہتا ہوں۔ لیکن میں انھیں اپنے یہاں چند راتوں سے زیادہ قیام کرنے پر بصد مشکل آمادہ کر سکا۔)

وہ اپنے گاؤں میں قیام پذیر رہے اور ملاقاتیوں کے لیے اُن کے دروازے ہمہ وقت کھلے رہتے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ممتاز ترین اور انتہائی لائقِ تعظیم شخص سمجھے جاتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی لوگ اُن کا ذکر بڑے والہانہ انداز سے کرتے ہیں اور یہ بھی کہ ریٹائر ہونے کے ۲۷ برس بعد جب اُن کا جنازہ اٹھا تو ہزارہ میں آج تک اس سے بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ اور یہ اس بات کے باوصف کہ اُس دوران میں وہ کسی سرکاری منصب پر فائز نہ تھے۔

میرے دل میں اُن کا مقام ہمیشہ ایک ایسی چٹان کے مانند رہا ہے جو ہر طوفان سے نبرد آزما ہو سکتی ہے۔ وہ شفقتِ پدری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ ایک اعلیٰ ترین محبِّ وطن تھے اور ہمہ وقت دوسروں کی مدد کرنے اور اپنے سایۂ عاطفت کے تلے جگہ دینے کو تیار رہتے تھے۔

ان کی زندگی بڑی پاک صاف، اور منظم تھی۔ جب وہ فوت ہوئے تو انھیں کوئی مرض لاحق نہ تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اُن کے کولہے کی ہڈی (Hipbone) ٹوٹ گئی جس نے اُن کے جسم میں زہر پھیلا دیا۔

---

* اردو ترجمہ از مصنفِ کتاب (دُرّانی)، ۱۷ر فروری ۲۰۰۸ء

میرے علاقے کے لوگ اب بھی انھی کی وجہ سے مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ وہ ترکہ نہیں جو انھوں نے میرے لیے چھوڑا۔ اصل ورثہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے کس طرح محبت، عزت اور تلطف کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ وہ میرے لیے وقار اور مروّت (Grace) کا ایک زندہ مجسمہ تھے اور سبھی لوگ اسی حیثیت سے انھیں یاد کرتے ہیں۔

☆ وفات: ۲۳ جنوری ۱۹۹۷ء (بہ عمر نوے سال۔ دُرّانی)۔ اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے۔
ماخذ اطلاعات۔ جناب جہانگیر خان صاحب۔ (ای میل، مرسلہ دس جنوری ۲۰۰۸ء)

❁❁❁

اشاریہ

(یہ اشاریہ صرفِ متنِ کتاب پر محیط ہے)

شخصیات

آرائے نکلسن: ۴۲، ۴۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۱۲

آرنلڈ بارفیلڈ: ۸۸، ۸۹

آئن سٹائن: ۸۴

ابو سینا: ۸۰

ارنسٹ البرٹ: ۹، ۵۷

اشوک کمار سنگھوی: ۱، ۲، ۴، ۱۸، ۲۰، ۵۹

اکرام چغتائی: ۷

البرٹ فرانس ویگے ناسٹ: ۷، ۵۷، ۶۵

امان اللہ ہو بوم/محمد امان ہو بوم: ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۴۰، ۹۷

ای.جی براؤن: ۱۰۷، ۱۱۲

ایس اے رضوی: ۲۹

ایف ڈبلیو طامس: ۸۵

ایم اے کے نیازی: ۳۴

این میری شمل: ۲۲، ۲۹، ۳۱، ۴۲، ۷۲، ۷۳، ۹۶

اے جے آربری: ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۱۰۱

بٹلر، لارڈ: ۱۱۱

براؤن: ۱۰۵

بوزاش: ۴۳، ۴۴، ۶۲، ۷۵، ۸۳، ۸۴، ۸۵،
۸۶، ۸۷

بیگم سوئسلر: ۲۶، ۳۳، ۳۴

بیگم عطاء الرحمٰن: ۳۵

پنڈت نہرو: ۲۶، ۳۹

توحید احمد: ۹۶

جگن ناتھ آزاد: ۹۹، ۱۰۰

ڈیٹروِیگے ناسٹ: ۴۷، ۵۷، ۶۳

ڈیوڈ: ۴۷

ذوالفقار علی بھٹو: ۱۷

سعید اختر درانی/ایس اے درانی: ۶، ۹، ۱۰، ۱۱،
۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۷، ۲۹، ۳۰،
۳۱، ۳۲، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۳،
۴۴، ۴۵، ۵۰، ۵۱، ۵۵، ۵۶، ۳۹، ۶۰،
۶۳، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۱، ۷۳، ۷۴،
۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۵،
۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵،
۹۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵،
۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲

سونیا: ۴۷

سوئسلر: ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸،
۲۹، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۲، ۴۵،

۴۷، ۶۲
شہناز درانی: ۲۰، ۳۷، ۴۹، ۵۶، ۶۱، ۶۲، ۶۸
شیریں ہوبوم: ۵۰
صدیق شبلی: ۲، ۱۲، ۱۳، ۴۸، ۱۱۰
طامس آرنلڈ: ۸۰، ۸۴، ۸۸، ۸۹، ۱۰۴، ۱۰۵
عبدالرحمٰن بجنوری: ۷۳
عبدالرحمٰن خان (سفیرِ پاکستان): ۲۷، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۳۶
عبدالسلام: ۶
عبدالعزیز خالد: ۱۵
عبدالقادر، سر: ۱۱۱
عطاء الرحمٰن: ۳۵
عطیہ بیگم (فیضی): ۷، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۲۱، ۵۵، ۷۲، ۷۷، ۸۷، ۹۹
فرالین رین: ۹۹
کارل ہائنز برن ہارٹ: ۲۰، ۲۷، ۳۹، ۴۶، ۴۹، ۵۶، ۶۱، ۶۲، ۶۸
گستاف ویگے ناسٹ: ۶۹
لارنس بارفیلڈ: ۸۸، ۸۹
مانٹیگو بٹلر: ۱۱۱
محمد اجمل: ۱۰۱، ۱۰۳
محمد سہیل عمر: ۸۸
مطیع اللہ: ۲۷
ممتاز حسن: ۴۰
ممتاز حسین: ۹۹
منشی طاہر الدین: ۳۸
نادیہ گیتی آرا: ۶۳، ۶۴، ۶۵
نسیم احمد: ۱۷
وجے لکشمی پنڈت: ۳۹
وحید الدین، سیّد: ۲۴، ۲۵، ۷۶
وحید قریشی: ۹۵
ہنس شیرر: ۲۶
ہیگل: ۱۱۱
ہیلا ویگے ناسٹ: ۴۸
ہائنے: ۱۲
Adolof Wagenaste(ایڈولف ویگے): ۱۵، ۴۹، ۶۹،
Annie France (اینی فرانس): ۴۷، ۵۸، ۶۳
Arnold (آرنلڈ): ۷۹، ۸۱، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۶
Bettina : ۱۳، ۱۷
Carl Wagenaste(کارل ویگے ناسٹ): ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۴، ۱۵، ۵۲، ۶۸
Dietrich Wolf (ڈیرش وولف): ۳۳
E Kuhn (ای کوہن): ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۸۷، ۸۹، ۹۶
E. S. Leedham (الزبتھ لیڈھم گرین): ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۰
Edith Schmidt Wagenast (ایڈتھ

(شمٹ وگے ناسٹ): ۷، ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۹، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۴، ۵۰، ۶۲، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۰

Elsa Wagenaste (ایلسا وگے ناسٹ): ۱، ۲، ۳، ۱۹، ۳۸، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۶۷، ۶۹

Elsie W hayden : ۲۶

Emma Wagenast (ایما وگے ناسٹ): ۱، ۲، ۳، ۴، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۸، ۸۸، ۹۲، ۹۷، ۹۹

Erica Hunter (اریکا ہنٹر): ۱۰۲، ۱۰۳

Firtz Hommel (فرٹز ہومل): ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۹۱، ۹۶

Fraulein Kadernatt : ۱۶

Frieda (فریڈہ): ۶۸

Fritz Wagenast : ۴۹

Frua Maria Schutze : ۲

Georg : ۱۳

Georj Von Hertling (جارج فون ہرٹ لنگ): ۷۹، ۸۰، ۸۱

Gerken (گرکن): ۳۶

Gisela : ۲۰

Goetz (گوئٹے): ۱۲، ۱۷، ۳۰، ۳۹، ۴۰، ۵۱، ۶۴

Grethe (گریٹے): ۵۷، ۵۸

H. Breymann (ایچ برےمن): ۸۲، ۸۶

H. Loewe : ۷۸

Hanneliese Ecker scherrer : ۲۶

Hans Mast (ہنس ماسٹ): ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۹۰، ۹۳، ۹۴

Hans Wagenaste (ہانس وگے ناسٹ): ۲، ۴۷، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۹

Hella Kirchhoff (ہیلا کرش ہوف): ۳، ۴، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۴، ۲۵، ۳۲، ۳۹، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۵۲، ۵۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۹

Herr Hans Joachim Hecker (ہیکر): ۹۳، ۹۴

Herr Metzrtoth : ۱۶، ۵۵

Ian Stephens (این سٹیفنز): ۷۱

J.M.E Mc Taggart (میک ٹیگرٹ): ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶

J.N. Keynes (کینز): ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۱

James Ward (وارڈ): ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۱

Jan Marek (یان مریک): ۸۶، ۹۰، ۹۲، ۹۶، ۹۷

Jill Butterworth (جل بٹرورتھ): ۱۰۱ تا ۱۰۳
John Manhard Keynes (مینارڈ کینز): ۱۱۱
Joseph Needham (نیڈھم): ۱۱۱
Jusatz (یوزاتس): ۳۲
Kiesinger (کیزنگر): ۲۸
Klemm (کلیم): ۲۸،۳۲،۳۳،۳۴
Laetitia Boehm (لیٹیشیا بوہم): ۷۴،۷۵
Lipps (لپس): ۸۱،۸۲،۸۳،۸۷
Ludwing Wagenaste (لڈونگ وگے): ۶۴،۶۹
M. S. Boikhan (بوئی خان یا بھائی خان): ۲۷،۲۹،۳۱،۳۲،۳۳
Margot Becke (مارگو بیکے): ۳۲
Martin Schuts (مارٹن شٹز): ۷۵،۷۶،۷۸،۷۹،۸۲،۱۰۲
Munzinger (ورزمنسگر): ۳۵،۳۶
Neville Keynes : ۱۱۱
Oberburgermeister (لارڈ میئر سنڈل): ۳۱،۳۵،۷۱
Otto Weganast : ۵۳،۶۵،۶۹
Philip Gaskell (فلپ گیسکل): ۷۲، ۱۰۸،۱۰۹
Regina : ۳۱
Reinhidle (بیگم ہنس): ۶۴،۶۷
Richard Wagenaste (رچرڈ وگے ناسٹ): ۲
Rivers (ریورز): ۱۰۳،۱۰۵،۱۰۶
Ruth (روتھ): ۵۷
Schütze (بیگم): ۲۰
Scherrer (شیرر): ۱۶،۲۱،۲۵،۲۶،۳۰،۳۹، ۴۲
Schick (شک): ۸۲،۸۳،۸۴،۸۶
Seneschal (سینے شال): ۱۶،۹۹
Sir Thomas Adams : ۱۱۲
Sophie Wagenast (صوفی وگے ناسٹ): ۲،۳،۴،۶،۷،۱۲،۱۳،۱۴،۱۷،۱۸،۲۱، ۲۴،۳۰،۳۲،۳۳،۴۹،۵۰،۵۷،۵۹، ۶۰،۶۱،۶۸،۷۰
UDO (وگے ناسٹ): ۵۹،۶۴
Vermeer (ورمیر): ۱۳
Vollmer (وولمر): ۸۲
Von Trutschler (فون ٹرچلر): ۳۶
W.R. Sorley (سورلی): ۱۰۳تا۱۰۶،۱۱۱
Wilhelm Hahn (ولہلم ہان): ۳۲،۳۳
Wolfgang : ۱۳،۱۴
Wolfgang Kirchhoff : ۱۳
Wustenfeld Mahler : ۹۷

اماکن

آسٹریا: ۴۴،۶۲،۱۱۱
آئرلینڈ: ۹۶
اٹلی: ۶،۹،۱۱،۱۲،۴۴،۶۲،۶۵

احمد آباد: ۱
الجیریا: ۴۴
المانیہ: ۲۹،۳۲،۳۶،۴۶،۴۷،۷۴،۹۶
امریکہ: ۹،۱۴،۲۶
انڈیا: دیکھیے ہندوستان
انگلستان: ۱۲،۱۹،۲۶،۶۶،۸۹،۱۱۱
ایران: ۹،۷۹،۱۰۴
بادور تھمبرک: ۳۲
برسلز: ۹۶
برطانیہ: ۲۰،۳۱،۷۱،۷۴،۸۸،۱۰۰،۱۰۲
برلن: ۲۷،۹۱
برمنگھم: ۲۵، ۲۷، ۳۸، ۴۳، ۴۴، ۵۴، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۴، ۷۷، ۸۸، ۹۴، ۹۹، ۱۰۰
بون: ۹، ۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۱، ۳۶، ۳۹، ۶۸
بویریا: ۸۰
پاکستان: ۹،۱۰،۱۲،۱۳،۱۶،۲۱،۲۲،۲۷،۲۸،۲۹، ۳۱،۳۲،۳۳،۳۴،۳۵،۳۶،۴۳،۴۸، ۵۳،۶۳، ۷۱، ۷۳، ۷۸، ۸۵، ۸۸، ۹۰،۹۶،۱۰۰،۱۰۱
پراگ: ۸۶،۸۹،۹۲،۹۶،۹۷
پنجاب: ۱۰۱،۱۰۳،۱۰۷
پیکنگ: ۶۸
ٹانک: ۲۷
ٹری اسٹے (Trisete): ۶،۹،۱۱،۶۵
جرمنی: ۱،۴،۶،۸،۱۰،۱۵،۱۶،۲۷،۲۸،۲۹،۳۱، ۳۵،۳۶،۴۰،۴۷،۴۹،۵۱،۵۹،۶۰، ۶۲،۶۳،۷۲،۷۳،۷۴،۷۵،۷۸،۹۳، ۹۶،۱۱۲
جنوبی افریقہ: ۴۷، ۵۷، ۶۳
چیکوسلواکیہ: ۹۰، ۹۴، ۹۶
چین: ۱۱۱
دریائے نیکر: ۵، ۱۷، ۱۹، ۲۴، ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۰، ۵۱
دہلی: ۱۷، ۹۴، ۹۹
ڈارمشٹاٹ: ۲۰، ۳۹، ۶۱، ۷۹
روس: ۲۲
سرحد: ۲۷
سیالکوٹ: ۵۰، ۹۴
شکاگو: ۲۶، ۵۷
شیلنگ سٹراسے: ۹۴
علی گڑھ: ۸۸
فرانس: ۵۷
فرینکفرٹ: ۲۲، ۴۷، ۶۱، ۶۲
کراچی: ۲، ۴۲، ۴۸، ۷۱، ۷۶، ۹۴، ۹۹، ۱۰۱، ۱۱۲
کلکتہ: ۱۷
کیمبرج: ۱، ۱۵، ۲۶، ۳۰، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۶، ۸۴، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴،

۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲
لائپزگ: ۴۷، ۹۶، ۹۷
لاہور: ۸، ۱۱، ۱۶، ۱۸، ۲۲، ۳۲، ۴۰، ۴۴، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۶۰، ۶۹، ۷۲، ۷۳، ۹۱، ۹۴، ۹۵، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۰
لکی مروت: ۲۷
لندن: ۷، ۸، ۱۰، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۴۰، ۵۰، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۶۵، ۶۶، ۷۰، ۷۲، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۱، ۹۵، ۱۰۵، ۱۰۹
لوئزن اسٹراسے: ۵۴، ۵۵، ۵۶
ماسکو: ۲۲
میکسیکو: ۹۶
میونخ: ۱، ۱۵، ۲۰، ۲۱، ۲۷، ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۵۴، ۶۲، ۶۶، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۰
نتھیا گلی: ۵۹
نوئین ہائمر لنڈ شٹراسے: ۲۷
وی اینا: ۶۴
ویبلنگ: ۳۳
ویرونا: ۶۵
ویسٹ انڈیز: ۹
ہائیڈل برگ: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۵، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۷۰، ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۸۷، ۹۴، ۹۷
ہائیل برون: ۱، ۲، ۳۸، ۴۱، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۶، ۶۹، ۷۴، ۸۸، ۹۴
ہسپانیہ: ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۵۶، ۶۲، ۶۶، ۷۴
ہندوستان: ۱۳، ۲۹، ۳۲، ۴۰، ۵۰، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۷
ہنگری: ۶۲
ہوہن لمبرگ: ۱۱۲
یمن: ۶۵
یورپ: ۹، ۵۱، ۵۵، ۷۸، ۷۹، ۹۰، ۱۰۴
Alicante (الیقانتے): ۴۱، ۴۳، ۷۴
Ansbach (یوزاتس): ۳۲
Ansbach : ۷۸
Bella Orcheta: ۴۱
Elche (ایلچے): ۴۳
Habsburger : ۹۳
Neuenheimer Landstrasse: ۳۲
Schwabia : ۴۸
Unterschleissheim: ۸۳
Worms: ۴۱

یونیورسٹیاں و دیگر ادارے

آکسفورڈ یونیورسٹی: ۲۶
آئینۂ ادب، لاہور: ۷۲
اطالوی ایلپس: ۹۷
اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، لاہور: ۱۶، ۲۲، ۶۳، ۷۳، ۷۸، ۸۵، ۸۸، ۱۰۰، ۱۰۱
اقبال اکیڈمی یوکے (برطانیہ): ۲۰، ۳۱، ۴۷، ۸۸، ۱۰۰، ۱۰۲
انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی: ۳۲، ۴۰، ۵۰، ۹۷
انجمن دانشِ جویان پاکستان: ۲۷، ۳۴
انجمن طلبہ پاکستان: ۲۷، ۲۸، ۳۴، ۳۵
انڈیا آفس لائبریری: ۸۹، ۹۰
برمنگھم یونیورسٹی: ۴۴، ۶۲، ۱۰۰
بزمِ اقبال، لاہور: ۹۵، ۱۱۰
بون یونیورسٹی: ۳۹، ۶۸
پاکستان اٹامک انرجی کمیشن: ۲۷
پاکستانی سفارت خانہ (بون): ۹
پنجاب یونیورسٹی پاکستان (لاہور): ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۷
ٹرنٹی کالج کیمبرج: ۷۲، ۹۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱
جرمن پاکستان فورم: ۲۷، ۲۹، ۴۰
چاپ نو: ۷۲
ڈسل ڈورف: ۷، ۱۴، ۱۵، ۶۸
زیورک یونیورسٹی: ۸۴
شاہی یونیورسٹی (میونخ): ۸۶
فیروز سنز، لاہور: ۱۱، ۱۸، ۳۲، ۴۰، ۹۷
کراچی یونیورسٹی: ۱۰۱، ۱۱۲
کراچی یونیورسٹی پریس: ۴۲
کنگز کالج: ۱۱۱
کیز کالج (Caius College): ۷۱، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۱۱،
کیمبرج یونیورسٹی: ۱۵، ۲۶، ۴۲، ۴۳، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۶، ۸۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲
گورنمنٹ کالج، لاہور: ۱۰۵
لائن آرٹ پریس، کراچی: ۷۶
لاہور یونی ورسٹی ہندوستان: ۹۱
لندن یونیورسٹی: ۶۵، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۸۸
لنکنز اِن لندن: ۹۵
ماربرگ یونیورسٹی (جرمنی): ۱۵
میونخ یونیورسٹی: ۴۲، ۴۴، ۶۲، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۵، ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۰
ہائیڈل برگ یونیورسٹی: ۶، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۲۵، ۲۷، ۳۴، ۴۲

اخبارات، رسائل اور کتب

اسرارِ خودی: ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۱۱۱

افکار، ماہنامہ، کراچی: ۲، ۳۹، ۴۸، ۹۴، ۹۹، ۱۰۰

اقبال: ۷، ۱۵، ۵۵، ۷۴، ۷۷

اقبال یورپ میں: ۱۱، ۱۶، ۱۸، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۳۹، ۴۰، ۴۵، ۵۰، ۵۹، ۶۳، ۶۶، ۶۹، ۷۳، ۷۶، ۷۸، ۸۵، ۹۰، ۹۶، ۹۷، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۶

اقبال، سہ ماہی، لاہور: ۱۱۰

المعتزلہ: ۹۶

بانگِ درا: ۱۱۱

تاریخ ادبیاتِ ایران: ۱۱۲

سیارہ، ماہنامہ، لاہور: ۹۵

عہد نامۂ عتیق: ۷۸

فاؤسٹ: ۱۷، ۵۱

فلسفۂ عجم: ۸۵، ۱۰۵

گلشنِ راز جدید: ۴۲، ۱۰۱

میری زندگی کی یادیں: ۷۹

نسخہ ماربرگ: ۸۶

نوائے وقت، لاہور، روزنامہ: ۷، ۴۴، ۹۵

Botschaft Des Ostens (پیامِ مشرق): ۳۱

Current World Archaeology: ۶۵

Gabriel's Wing: ۷۲، ۷۳

Heidel berg, Daily: ۷، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۴۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱

Information: ۴۳

Iqbal: ۱۲

Iqbal Review: ۱۹، ۱۸۸، ۱۰۱

Iqbal in Pictures: ۲۵، ۷۶

Iqbal's leters to Atiya Begum: ۷، ۱۵

Post: ۴۳

Rhein Neckar Zeitung, Daily: ۳۱، ۳۵، ۳۶

The Civilization of the east: ۷۸

The Dawn, Karachi: ۱۷

The Development of Metaphysics in persia: ۷۳

The Statesman, Dehli: ۷۱

Times, London: ۱۰۹

Verzeichnis Der An Den Deutschen: ۹۱

Who's Who: ۱۰۹

❁❁❁

فہرست دستاویزات

نمبر شمار	تفصیل	صفحہ نمبر
۱	میونخ یونی ورسٹی کے کُلیۂ فلسفہ میں اقبال کے داخلے کی درخواست (جرمن اصل، مع جرمن وانگریزی ٹائپ اسکرپٹ)	۱۴۷۔۱۴۹
۲	میونخ یونی ورسٹی میں اقبال کے داخلے کی فیس کی رسید (جرمن اصل، مع جرمن وانگریزی ٹائپ اسکرپٹ)	۱۵۰
۳	میونخ یونی ورسٹی میں اقبال کے تحقیقی مقالے کے بارے میں ان کے نگران پروفیسر ہومل کے خیالات (جرمن اصل، مع جرمن وانگریزی ٹائپ اسکرپٹ)	۱۵۱۔۱۵۵
۴،۵	میونخ یونی ورسٹی میں اقبال کے تحقیقی مقالے کے بارے میں پروفیسر فون ہرٹلنگ اور پروفیسر لپس کی آراء (جرمن اصل، مع جرمن وانگریزی ٹائپ اسکرپٹ)	۱۵۶۔۱۵۸
۶	میونخ یونی ورسٹی میں اقبال کے تحقیقی مقالے اور اس پر زبانی امتحان کے بارے میں پروفیسر گوہن کا نوٹ اور دوسرے اساتذہ کے دستخط (جرمن اصل، مع جرمن وانگریزی ٹائپ اسکرپٹ)	۱۵۹۔۱۶۱
۷	میونخ یونی ورسٹی کی فیکلٹی میٹنگ میں اقبال کے امتحانی مضامین کے تعین کا فیصلہ (جرمن اصل، مع جرمن وانگریزی ٹائپ اسکرپٹ)	۱۶۲

۸ میونخ یونی ورسٹی میں اقبال کے زبانی امتحان کے نتائج کا ریکارڈ ۱۶۳۔۱۶۵
(جرمن اصل، مع جرمن و انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۹ میونخ یونی ورسٹی سے اقبال کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دیے جانے کی سفارش ۱۶۶۔۱۶۸
(جرمن اصل، مع جرمن و انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۰ میونخ سے پروفیسر طامس آرنلڈ کے نام اقبال کا پہلا پوسٹ کارڈ ۱۶۹
مورخہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۰۷ء
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۱ میونخ سے پروفیسر آرنلڈ کے نام اقبال کا دوسرا پوسٹ کارڈ ۱۷۰
مورخہ ۳/نومبر ۱۹۰۷ء
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۲ کیمبرج سے پروفیسر آرنلڈ کے نام اقبال کا خط مورخہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۰۶ء ۱۷۱
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۳ (۱۳:۱) بلدیہ میونخ کے چیف آرکائیوسٹ کا خط بنام پروفیسر دُرّانی ۱۷۲۔۱۷۳
(جرمن، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

(۱۳:۲) ۱۴۱۔ شیلنگ اسٹرا سے کے رجسٹر میں اقبال کے قیام (اکتوبر ۱۹۰۷ء) کے اندراجات ۱۷۴تا۱۷۶
(قلمی، مع جرمن، انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۴ ٹرنٹی کالج، کیمبرج کے سینئر ٹیوٹر کے نام موضوعِ تحقیق کے بارے میں اقبال کا خط ۱۷۷۔۱۷۸
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۵ اقبال کی درخواست کی کیمبرج یونی ورسٹی سے منظوری نگرانِ تحقیق کا تقرر (اکتوبر ۱۹۰۵ء و مارچ ۱۹۰۶ء) ۱۷۹
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۶ اقبال کے تحقیقی مقالے کے حکموں کا تقرر ۱۸۰
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۷ گذشتہ میٹنگ کی کارروائی کی تصدیق (۱۵ مئی ۱۹۰۷ء) ۱۸۲-۱۸۱
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۱۹،۱۸ کیمبرج یونی ورسٹی کی طرف سے اقبال کے تحقیقی مقالے کے امتیازی حیثیت کے حامل ہونے کا سرٹیفکیٹ ۱۸۴-۱۸۳
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۲۰ کیمبرج یونی ورسٹی کے ریکارڈز میں اقبال کی ڈگری اور فیس وغیرہ کے اندراجات ۱۸۷-۱۸۵
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۲۱ دستاویز نمبر ۱۹ کی پشت پر اندراجات ۱۸۸
(قلمی، مع انگریزی ٹائپ اسکرپٹ)

۲۲ میونخ یونی ورسٹی سے اقبال کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کی سند ۱۹۱-۱۸۹
(لاطینی اصل، مع انگریزی ترجمہ)

۲۳ ویگے ناسٹ خاندان کا شجرۂ نسب ۱۹۲
(انگریزی)

VON DER
PHILOSOPHISCHEN FAKULTÆT I. SEKTION

München, den 21. Juli 1907

an

die Herren Hommel, v. Hertling, Lipps
u. sämtliche Ordinarien

Betreff:
Promotionsgesuch
des Herrn Sheikh Muhammad Iqbal
in München

Herr S. M. Iqbal
bewirbt sich um Zulassung zum Examen rigorosum unter
Vorlage der nötigen Zeugnisse und einer Dissertation
Development of Metaphysics in Persia
Er bezeichnet Philosophie als Hauptfach,
orientalische (arabische) und englische Philologie als Nebenfächer.
Ich ersuche die Herrn Hommel, v. Hertling, Lipps um das Votum
informativum, die übrigen Herren Ordinarii um ihre eventuelle
Meinungsäusserung.

Hochachtungsvollst
H. Paul.

Doc. 1.G

VON DER
PHILOSOPHISCHEN FAKULTAET I. Sektion Muenchen, den 21 Juli 1907

an
die Herren Hommel, v. Hertling, Lipps
u. saemtliche Ordinarien

Betreff:
Promotionsgesuch

des Herrn Sheikh Muhammad Iqbal

in Muenchen ....

Herr S. M. Iqbal ....

bewirbt sich um Zulassung zum Examen rigorosum unter Vorlage der noetigen Zeugnisse und einer Dissertation...

.............................Development of Metaphysics in Persia ....

Er bezeichnete ....Philosophie ....als Hauptfach,
.....orientalische (arabische) und englische Philologie ....als Nebenfaecher.

Ich ersuche die Herren .....Hommel, v. Hertling, Lipps......um das Votum informativum, die uebrigen Herren Ordinarii um ihre eventuelle Meinungsaeusserung.

Hochachtungsvollst

(Unterschrift) H. Paul

Doc. 1.E

FROM:
THE PHILOSOPHICAL FACULTY SECTION I Munich, **21 July 1907**

TO:
Messrs **Hommel, v. Hertling, Lipps**
and all Professors in Ordinary*

Regarding:
Application for doctoral graduation of

Mr Sheikh Muhammad Iqbal

in **Munich**

Mr S M Iqbal
applies for admission to the oral Ph.D. examination by submitting the required Certificates and a Dissertation ....

.....................**Development of Metaphysics in Persia...........**

He names ...... **Philosophy** .... as Principal Subject,

....**Oriental (Arabic) and English Philology**...........as Subsidiary Subjects.

I ask Messrs **.....Hommel, v. Hertling, Lipps** ....to give their vote, (and) the Other Professors in Ordinary* their possible opinion.

Yours most faithfully,
(sd) **H. Paul** **

*i.e. Full Professors (note by author)

**Professor; Linguist (note by author)

NB. (Important note by the author) In all the English translations of documents reproduced here and in the following pages, I have highlighted (i.e. given in **bold lettering**) the handwritten entries made by the University of Munich officials – in order to distinguish them from the already-printed material. (If the printed material was already **bold**, I have, of course, kept it as such. **SAD**)

N12

QUITTUNG

über

260 Mark

Zweihundertsechzig Mark,

welche Herrn S. M. Igbal

als Promotionsgebühren heute einbezahlt hat.

München, den 22. Juli 1907.

Doc. 2.G

N 12 **QUITTUNG**

ueber

260 Mark

Zweihundertsechzig Mark,

welche Herr S.M. Igbal (*sic*)

als Promotionsgebuehren heute einbezahlt hat.

Muenchen, den 22. Juli 1907

(Unterschrift) ?

Doc. 2.E

N 12 **RECEIPT**

For

260 **Mark**
Two hundred and sixty Marks,

that Mr **S. M. Igbal** (*sic*)

paid in today as graduation fees.

Munich, **22 July,** 19 **07**

(Sd) ?

In Deutschland beschäftigen sich nur sehr wenige Orientalisten ausschließlich mit islamischer Literatur; altarabische Poesie und außerdem noch Geschichte und Geographie sind die Gebiete, wo die meisten speciellen Arabisten zumeist arbeiten und zu Hause sind. Unter den wenigen eigentlichen Islamisten sind aber gegenwärtig bei uns meines Wissens gar keine, die die arabisch-persische Philosophie zu ihrer Lebensarbeit gemacht haben; Prof. Ign. Goldziher in Budapest ist einer der wenigen in Europa, die hier als Autorität gelten können. Und doch können wir eigentlich nur solche ein fachmännisches Urteil über eine Arbeit, wie die vorliegende es ist, abgeben. Dazu kommt noch, dass ein competenter Beurteiler Philosoph und Orientalist zugleich sein müsste, wie seinerzeit Schmölders in Breslau es war, oder noch früher unser berühmter Jos. Mar. Müller.

Es ~~kann~~ (konnte) daher nur meine Aufgabe sein, zu untersuchen, ob bei dieser Arbeit die notwendigen sprachlichen Grundlagen gegeben sind. Das kann ich nun glücklicherweise bejahen. Prof. Ikbal ist, wie es ja schon die beiliegenden englischen Zeugnisse und Empfehlungsschreiben aus Indien wie auch aus Cambridge und London, nicht anders erwarten lassen, ein ganz vorzüglich geschulter Kenner des Arabischen und Persischen. Davon überzeugte mich sowohl die persönliche Bekanntschaft mit ihm wie auch eine eingehende Durchsicht seiner Arbeit. Außerdem liegt mir ein Brief seines Lehrers, Prof. Arnold in London, der früher Professor der Philosophie an einer indischen Universität war und jetzt Sublibrarian des India Office in London und Professor des Arabischen an der dortigen Universität ist, über die vorliegende Arbeit, die er hat entstehen sehen und die ihm daher auch noch in Reinschrift vorlag, anzuführen:

Whitehall, India Office, Oct. 2d 1907

I have read Prof. Muhammad Ikbal's dissertation "The Development of Metaphysics in Persia" with much interest. So far as I am aware, this is the first attempt that has been made to trace the continuous development of ancient Iranian speculations as they have survived in Muhammadan philosophy and so bring out the distinctively Persian character of many phases of Muslim thought. The writer has made use of much material hitherto unpublished and little known in Europe, and his dissertation is a valuable contribution to the history of Muhammadan philosophy.

T. W. Arnold, Prof. of Arabic
University of London

Ich glaube also, soweit ich es beurteilen kann (einige Vertrautheit mit dem vorliegenden Gegenstand besitze ich insofern, als ich als Student mit großem Eifer meines verehrten Lehrers Otto Loth W. 4st. Vorlesungen über islam. Literaturgeschichte, wovon ein Drittel speciell über Dogmatik u. Philosophie handelte, gehört und durchstudiert habe), mit gutem Gewissen Prof. Ikbals Arbeit der Fakultät zur Annahme empfehlen zu können.

14 Oktober 1907 F. Hommel

Nachschrift: Was die mündl. Prüfung anlangt, so möchte ich, dem Charakter der ganzen Arbeit gemäß, in Übereinstimmung mit Collegen Kuhn vorschlagen, dass der Kandidat im Hauptfach eine halbe St. in Geschichte der Philosophie und eine halbe Stunde statt in Psychologie vielmehr in oriental. Religionsgeschichte (und hier wol am besten von Herrn Collegen Kuhn) geprüft werde; Zoroastrismus u. indische Religion liegt hier dem jedenfalls näher als die Religionen des alten vorderasiatischen Orients, deren Studium ich speciell betreibe.

Doc. 3.G

In Deutschland beschaeftigen sich nur wenige Orientalisten ausschliesslich mit islamischer Literatur : altarabische Poesie und ausserdem noch Geschichte und Geographie sind die Gebiete, worin unsere speziellen Arabisten zumeist arbeiten und zu Hause sind. Unter den wenigen eigentlichen Islamisten sind aber gegenwaertig bei uns meines Wissens gar keine, die die arabischpersische Philosophie zu ihrer Lebensarbeit gemacht haben; Prof. Ignac Goldziher* in Budapest ist einer der wenigen in Europa, die hier als Autoritaet gelten koennen. Und doch (sic) koennen doch eigentlich nur solche ein fachmaennisches Urteil ueber eine Arbeit, wie die vorliegende es ist, abgeben. Dazu kommt noch , dass ein competenter Bearbeiter Philosoph und Orientalist zugleich sein muesste, wie seinerzeit Schmoelders in Breslau es war, oder noch frueher unser beruehmter Jos. Max. Mueller**

Es konnte daher nur meine Aufgabe sein, zu untersuchen, ob bei dieser Arbeit die notwendigen sprachlichen Grundlagen gegeben sind. Das kann ich nun gluecklicherweise bejahen. Prof. Ikbal (*sic*) ist, wie es ja schon die beiliegenden englischen Zeugnisse und Empfehlungsschreiben aus Indien wie auch aus Cambridge und London nicht anders erwarten liessen, ein ganz vorzueglich geschulter Kenner des Arabischen und Persischen; hiervon habe ich mich sowohl durch die persoenlicheBekantschaft mit ihm wie auch durch eine eingehende Durchsicht seiner Arbeit ueberzeugt. Auch erlaube ich mir einen Brief seines Lehrers, Prof. Arnold in London, der frueher Professor der Philosophie an einer indische Universitaet war und jetzt Sublibrarian des India Office in London und Professor des Arabischen an der dortigenUniversitaet ist, ueber die vorliegende Arbeit, die er hat entstehen sehen und die ihm dann auch noch in Reinschrift vorlag, anzufuehren:

"Whitehall, India Office, Oct. 2nd 1907

I have read Prof. Muhammad Ikbal's (*sic*) dissertation "the Development of Metaphysics in Persia" with much interest. So far as I am aware, it is the first attempt that has been made to trace the continuous development of ancient Iranian speculations as they have survived in Muhammadan philosophy and so bring out the distinctively Persian character of many phases of Muslim thought. The writerhas made use of much material hitherto unpublished and little known in Europe, and his dissertation is a valuable contribution to the history of Muhammedan philosophy.

T.W. Arnold, Prof. of Arabic
University of London"

Ich glaube also, soweit ich es beurteilen kann (einige Vertrautheit mit dem vorliegenden Gegenstand besitze ich insofern, als ich als Student mit grossem Eifer meines verewigten Lehrers Otto Lotte 4rt.Vorlesung ueber islam.-Literaturgeschichte, wovon ein Drittel speciell ueber Dogmatik und Philosophie handelte, gehoert und durchstudiert habe), mit gutem Gewissen Prof. Ikbals (*sic*) Arbeit der Fakultaet zur Annahme empfehlen zu koennen.

14 Oktober 1907 Fr. Hommel

Nachschrift:

Was die muendl. Pruefung anlangt, so moechte ich, dem Character der ganzen Arbeit gemaess, in Uebereinstimmung mit Collegen Kuhn vorschlagen, dass der Kandidat im Hauptfach eine halbe St. in Geschichte der Philosophie und eine halbe Stunde statt in Psychologie vielmehr in oriental. Religionsgeschichte (und hier wo[h]l am besten von Herrn Collegen Kuhn) geprueft werde: Zoroastrianismus u. indische Religion liegt hierdann jedenfalls naeher als die Religion des alten vorderasiatischen Orients, deren Studium ich speciell betreibe.

---

* Remarks by the translator: Ignac Goldziher, b. Szekesfehervar 22 June 1850; d. Budapest 13 Nov. 1921. Hungarian Orientalist.

** Friedrich Max Mueller, b. Dessau 6 Dec. 1823; d.Oxford 1900. British Indologist
and Sanskritist of German origin; Professor at Oxford University.

Doc. 3.E

In Germany only a few orientalists are exclusively occupied with the Islamic literature. It is Arabic poetry, and besides that (Arabic) history and geography, that are the fields in which our special Arabists are mostly working and are quite at home in. Among the few actual Islamists presently here, as far as we know there are none at all who have chosen Arabic-Persian philosophy as their life's-work; Professor Ignac Goldziher* in Budapest is one of the few in Europe that may be considered as an authority in this field. And yet it is only they who can express an expert opinion on a thesis such as the one lying before us. In addition to that, a competent reviewer would need to be both a philosopher and an Orientalist, as formerly Schmölders in Breslau was, or even before that our famous Jos. Max. Müller**.

Therefore my task can merely have been to examine whether the required linguistic foundations were present in this thesis. Fortunately I can answer that now in the affirmative. Professor Ikbal (*sic*) is, as the enclosed English certificate, and reference letters from India as well as Cambridge and London, did not leave one to expect differently, <u>a very excellently educated scholar of Arabic and Persian</u> : of this I was convinced by my personal acquaintance with himself as well as by a thorough examination of his thesis. I also take the liberty to quote a letter by his teacher, Professor Arnold in London, who was formerly Professor of Arabic at an Indian University and is now the Sublibrarian of India Office in London and Professor of Arabic at the University there, concerning the present thesis, whose development he witnessed and that lay before him in its final form:

"Whitehall, India Office, Oct. 2nd 1907

I have read Prof. Muhammad Ikbal's (*sic*) dissertation "the Development of Metaphysics in Persia" with much interest. So far as I am aware, it is the first attempt that has been made to trace the continuous development of ancient Iranian speculations as they have survived in Muhammadan philosophy and so bring out the distinctively Persian character of many phases of Muslim thought. The writer has made use of much material hitherto unpublished and little known in Europe, and his dissertation is a valuable contribution to the history of Muhammedan philosophy.

T.W. Arnold, Prof. of Arabic
University of London"

I therefore believe that I am able, as far as I can judge (some knowledge of the present field I possess inasmuch as, in my student days, I heard and studied with much zeal the 4th lecture on Islamic literature, of which one third dealt especially with dogma and philosophy, of my deceased teacher Otto Lotte), to recommend in good conscience Professor Ikbal's (*sic*) thesis to the Faculty <u>for acceptance.</u>

14 October, 1907 (sd) Fr. Hommel

Postscript:
Regarding the oral examination, I should like to suggest, in agreement with my colleague Kuhn, that, in the light of the character of the whole thesis, the candidate be examined as his Principal Subject for half an hour in the history of philosophy, and for half an hour not in psychology but rather in the oriental history of religion (and here I suppose preferably by my colleague Kuhn); Zoroastrianism and Indian religion are in any case closer to him than the religions of the ancient Near-Eastern Orient that I am especially studying.

Remarks by the translator:
* Ignac Goldziher, b. Szekesfehervar 22 June 1850; d. Budapest 13 Nov. 1921. Hungarian Orientalist.

** Friedrich Max Müller, b. Dessau 6 Dec. 1823; d. Oxford 28 Oct. 1900. British Indologist and Sanskritist of German origin; Professor at Oxford University.

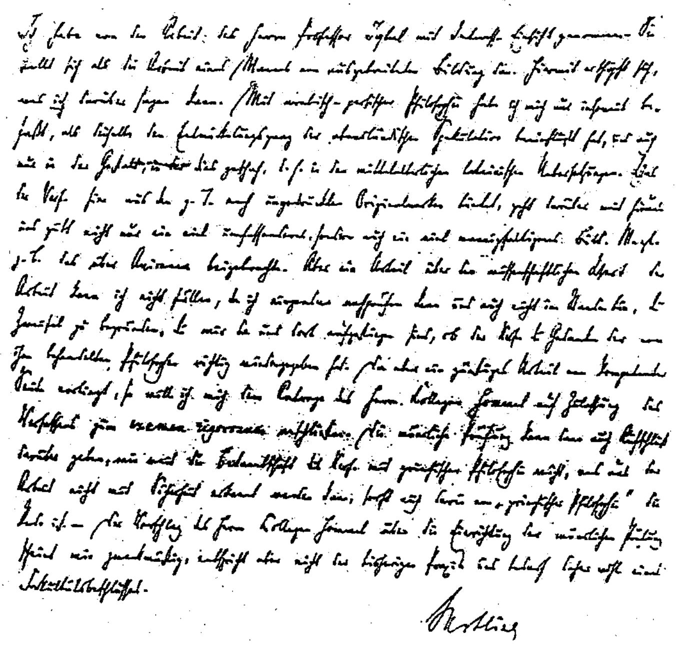

Doc. 4.G

Ich habe von der Arbeit des Herrn Professor Iqbal mit Interesse Einsicht genommen. Sie stellt sich als die Arbeit eines Mannes von ausgebreiteter Bildung dar. Hiermit erschoepft sich, was ich darueber sagen kann. Mit arabisch-persischer Philologie habe ich mich nur insoweit befasst, als dieselbe den Entwicklungsgang der abendlaendischen Spekulation beeinflusst hat, und auch nur in der Gestalt, in der dies geschah, d.h. in den mittelalterlichen lateinischen Uebersetzungen. Was der Verf. Hier aus den g.T. auch ungedruckten Originalwerken bietet, geht darueber weit hinaus und gibt nicht nur ein vielumfassenderes, sondern auch ein viel mannigfaltigeres Bild. M.gl.g.B. das ueber Avicenna beigebrachte. Aber ein Urteil ueber den wissenschaftlichen Wert derArbeit kann ich nicht faellen, da ich nirgendwo nachpruefen kann und auch nicht im Stande bin, die Zweifel zu begruenden, die mir da und dort aufgestiegen sind, ob der Verf. die Gedanken der von ihm behandelten Philosophen richtig wiedergeben hat. Da aber ein guenstiges Urteil von kompetenter Seite vorliegt, so will ich mich dem Antrag des Herrn Kollegen Hommel auf Zulassung des Verfassers zum Examen rigorosum anschliessen. Die muendliche Pruefung kann dann auch Aufschluss darueber geben, wie weit die Bekanntschaft des Verf. mit griechischer Philosophie reicht, und aus der Arbeit nicht mit Sicherheit erkannt werden kann, sooft auch darin von „griechischer Philosophie" die Rede ist. – Der Vorschlag des Herrn Kollegen Hommel ueber die Einrichtung der muendlichen Pruefung scheint mir zweckmaessig, entspricht aber nicht der bisherigen Praxis und bedarf daher eines Fakultaetsbeschlusses.

(Unterschrift) Hertling

Doc. 4.E

I have inspected Professor Iqbal's thesis with interest. It presents itself as the work of a man with an extensive education. Here ends what I can say about it. I have occupied myself with Arabic-Persian philology only so far as these influenced the development of the occidental philosophy, and there only in the manner in which this happened, i.e. in the medieval Latin translations. What the author presents here, and that largely from unpublished original works, exceeds the foregoing by far : and it does not merely produce a more extensive but also a more manifold picture. This is also valid for what has been said about Avicenna. But I cannot judge the scientific value of the thesis, since I cannot check anywhere and am not in a position to substantiate the doubts that appeared here and there as to whether the author has correctly reproduced the thoughts of the philosophers dealt with by him. However, since a favourable judgement by a competent source is lying before us, I will support the proposal of my colleague Hommel to admit the author to the oral Ph.D. examination. The oral examination may then give information as to how far the author's acquaintance with the Greek philosophy extends and which cannot be concluded from his thesis with certainty, even though "Greek Philosophy" is much dealt with therein. – The proposition of my colleague Hommel concerning the procedure of the oral examination appears to be convenient, but does not conform to established practice and therefore supposedly requires a decision by the Faculty.

(sd) Hertling

Zur Fällung eines selbständigen Urteils über die Arbeit bin ich nicht im Stande. Ich möchte mich aber für [illegible] Hertling [illegible] Antrag des Kollegen Hommel auf Zulassung [illegible] mündlichen Prüfung bzw. Herrn Kollegen Hommels darauf bezüglichen [illegible] [illegible] „Hauptfach" gelten [illegible]

Th. Lipps

Doc. 5.G

Zur Faellung eines selbstaendigen Urteils ueber die Arbeit bin ich nicht im Stande. Ich schliesse mich wie Herr Kollege von Hertling dem Antrag des Kollegen Hommel auf Zulassung an. Was die muendliche Pruefung bzw. Herrn Kollegen Hommel darauf bezueglichen Vorschlag angeht, so meine auch ich, dass ein besonderer Fakultaetsbeschluss noetig sein wird was soll als „Hauptfach“ gelten.

(Unterschrift) Th. Lipps

Doc. 5.E

I am not in a position to pass an independent judgement concerning the thesis. I support, as does my colleague von Hertling, the proposal of our colleague Hommel for admission. Concerning the oral examination, and the suggestion of our colleague Hommel referring thereto, I am also of the opinion that a special decision by the Faculty will be required with respect to what should be considered as the ‘Principal Subject’.

(sd) Th. Lipps

Ich kann mich dem Antrage des Herrn Collegen Hommel unbedenklich anschliessen, dass Herr Iqbal auf Grund seiner Arbeit zum mündlichen Examen zugelassen werde. Die Abhandlung ist sichtlich mit grossem Fleiss und voller Sachkenntnis zusammengestellt und verdient schon deswegen unsere Anerkennung, weil sie zeigt, wie ein europäisch gebildeter Orientale sich mit solchen Fragen auseinandersetzt. Über die Beurteilung des Zoroastrismus, Manichäismus u. s. w. liesse sich manches bemerken, doch kommt das bei dem geringen Umfang dieser einleitenden Abschnitte wenig in Betracht. Der Verfasser wird sich wohl den vom Herrn Collegen Hommel hinzugefügten Bitten entsprechend vielleicht noch im einzelnen zu verbessern wissen.

Da der Verfasser am 10. November wieder in England sein möchte, schlage ich vor, dass er Arabische (orientalische) Philologie als Hauptfach, Philosophie als eines der Nebenfächer wählte, wobei am besten Herr v. Hertling in diesem Nebenfache prüfen würde. Es bedürfte dann keines Fakultätsbeschlusses weiter.

E. Kuhn.

M., 26/10 07.

Soeben erfahre ich, dass Mittwoch Fakultätssitzung — also um so besser. 27/10

E. K.

Für Zulassung und Erledigung der Formfrage in der Fakultätssitzung: Vollmer.
28/X. 07.

Ebner Krumbacher
v. Bissing

Riegler
Pöhlmann
Schick
Wolfram
Muncker
Grein
Friedrich
Paul.
Heigel
Weyman
Simonsfeld
Graner

Doc. 6.G

Ich kann mich dem Antrage des Herrn Collegen Hommel unbedenklich anschliessen, dass Herr Iqbal auf Grund seiner Arbeit zum muendlichen Examen zugelassen werde. Die Abhandlung ist sicherlich mit grossem Fleiss und voller Sachkenntnis zusammengestellt und verdient schon deswegen unsere Aufmerksamkeit, weil sie zeigt, wie ein europaeisch gebildeter Orientale sich mit diesen Fragen auseinandersetzt. Ueber die Darstellung des Zoroastismus , Manichaeismus u.v.w. liesse sich manches bemerken, doch kommt das bei dem geringen Umfang dieser einleitenden Abschnitte wenig in Betracht. Der Verfasser wird sie nach den vom Collegen Hommel hinzugesetzen Literaturangaben vielleicht noch in einzelnen Punkten verbessern koennen.

Da der Verfasser am 10. November wieder in England sein moechte, schlage ich vor, dass er orientalische (arabische) Philologie als Hauptfach, Philosophie als eines der Nebenfaecher waehle, wobei am besten Herr v. Hertling in diesem Nebenfach pruefen wuerde. Es beduerfte dazu keines Fakultaetsbeschlusses weiter.

Sa., 26/10 '07

E. Kuhn

Soeben erfahre ich, dass Mittwoch Fakultaetssitzung – also um so besser.
27/10
E.K.

Fuer Zulassung und Erledigg der Formfrage in der Fakultaetssitzg (sd) Vollmer
28/ X. 07

Ebenso	(sd) Krumbacher* v.Brising	Ebenso	(sd) Riezler…
		"	...Pöhlmann
		"	...Schick…
		"	...Rahm ?...
		"	….Muncker
		"	....Auring ?...
		"	. ..Friedrich....
		"	….Paul*…
		"	....Neigels ?...
		"	…. Wegmann..
		"	…. Striehl ?...
		"	…..Grauert…

*Remarks by the translator :

K. Krumbacher, b. Kürnach 23 Sept. 1856, d. Munich 12 Dec. 1909; Byzantologist; since 1892, Professor in Munich.

H. Paul, b. Salbke 7 Aug.1846, d. Munich 29 Dec. 1921; Linguist.

NB. The sign ? stands for somewhat illegible signatures.

Doc. 6.E

I can support the proposal of my colleague Hommel without hesitation that Mr. Iqbal be admitted to the oral examination on the basis of his thesis. The dissertation was certainly compiled with much diligence and knowledge and clearly deserves our attention, because it shows how an Oriental person educated in Europe understands these questions. Concerning the presentation of Zoroastrianism, Manichaeism, etc., much could be said; but this hardly comes into question considering the brevity of these introductory chapters. The author may yet be able to improve them to a certain extent by taking into account the literature references added by my colleague Hommel. Since the author would like to be back in England on November 10, I suggest that he chooses Oriental (Arabic) Philology as the Principal Subject, and Philosophy as one of the Subsidiary Subjects, in which Mr. v. Hertling should preferably examine him. This should not require any further decision by the Faculty.

Sat., 26/10 '07 (sd) E. Kuhn

I have just heard that there will be a Faculty meeting on Wednesday – all the better.
27/10 (sd) E.K.
In favour of admission and settlement of the formal question in the Faculty meeting
(sd) Vollmer

28/X.07

I agree	(sd)	Krumbacher*	- Ditto -	(sd) Riezler…
		V.Brising	"	...Pöhlmann
			"	...Schick…
			"	...Rahm ?...
			"	….Muncker
			"	....Auring ?...
			"	. ..Friedrich....
			"	….Paul*…
			"	....Neigels ?...
			"	…. Wegmann..
			"	…. Striehl ?...
			"	…..Grauert…

*Remarks by the translator :

K. Krumbacher, b. Kürnach 23 Sept. 1856, d. Munich 12 Dec. 1909; Byzantologist; since 1892, Professor in Munich.

H. Paul, b. Salbke 7 Aug.1846, d. Munich 29 Dec. 1921; Linguist.

NB. The sign ? stands for somewhat illegible signatures.

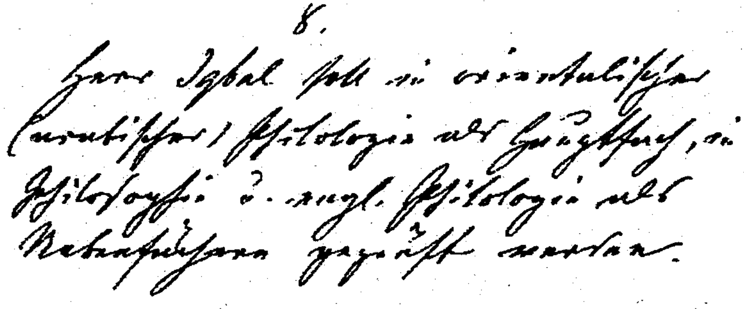
8.
Herr Iqbal soll in orientalischer (arabischer) Philologie als Hauptfach, in Philosophie u. engl. Philologie als Nebenfächern geprüft werden.

Doc. 7.G

Fakultaetssitzung

8.

Herr Iqbal soll in orientalischer (arabischer) Philologie als Hauptfach, in Philosophie u. engl. Philologie als Nebenfaechern geprueft werden.

Doc. 7.E

Faculty meeting

8.

Mr Iqbal shall be examined in Oriental (Arabic) Philology as the Principal Subject, in Philosophy and English Philology as Subsidiary Subjects.

Protokoll

über das Examen rigorosum des Herrn S. M. Iqbal

abgehalten am Montag den 4ten Nov. 1907
Nachmittags 5 Uhr im Senats-Sitzungs-Zimmer.

Anwesend die Herren Professoren:

1. Hommel Hommel
2. Lipps Lipps
3. Schick Schick
4. Kuhn Kuhn

und der unterzeichnete

Dekan Dr. H. Bergmann

Nachdem die vorschriftsmässigen Einladungen ergangen waren, fand die Prüfung zur angegebenen Stunde statt. An derselben beteiligten sich für das Hauptfach Orientalische (arabisch) Philologie

Herr Professor Hommel

für das Nebenfach Englisch Philol.

Herr Professor Schick

für das Nebenfach Philosophie

Herr Professor Lipps

In der darauffolgenden Beratung erhielt der Kandidat folgende Noten:

im Hauptfache I Note.

im I. Nebenfach II "

" II " III "

Als Gesamtresultat wurde festgestellt:

Note II Nicht

Doc. 8.G

Protokoll

ueber das Examen rigorosum des Herrn ..... S.M. Iqbal..

abgehalten am ...Montag.... den ....4ten Nov....................1907

Nachmittags .....5 ....Uhr im ....Senats ...Sitzungs-zimmer

Anwesend die Herren Professoren :

	(Unterschrift)
1. Hommel	Hommel
2. Lipps	Lipps
3. Schick	Schick
4. Kuhn	Kuhn

Nachdem die vorschriftsmaessigen Einladungen ergangen waren, fand die Pruefung zur angegebenen Stunde statt. An derselben beteiligten sich fuer

das Hauptfach ....Orientalische (arabische) Philologie
Herr Professor Hommel

und der unterzeichnete

Dekan ...Dr H. Breymann ....

fuer das Nebenfach ....Englische Philol.
Herr Professor ....Schick
Fuer das Nebenfach....Philosophie
Herr Professor............Lipps

In der darauffolgenden Beratung erhielt der Kandidat folgende Noten :
im Hauptfache................I Note
im I. Nebenfache .... II Note
" II " ....III Note
....
Als Gesamtresultat wurde festgestellt :
Note ....II Note ....
....

Doc. 8.E

RECORD

of the oral examination of Mr: .... **S. M. Iqbal**......

held on ....**Monday**.... ......the............................ **4th Nov.** 1907

in the.....**after** noon at ...5 ...o'clock in the .....**Senate**... Meeting Room.

Present the Professors:

	(signed)
1. **Hommel**	Hommel
2. **Lipps**	Lipps
3. **Schick**	Schick
4. **Kuhn**	Kuhn

Subsequent to the invitation being issued according to regulations, the examination took place at the specified hour. In the same participated for

the Principal Subject ....**Oriental (Arabic) Philology**

and the undersigned Dean **Dr H. Breymann**

Professor ......**Hommel** ....
....

for the Subsidiary Subject ...**English Philology**
Professor ..... **Schick** ....

for the Subsidiary Subject ......**Philosophy** ...
Professor ......**Lipps** ....

In the following consultation the candidate obtained the following Marks:

in the Principal Subject	**Mark I**
in the **1st Subsidiary Subject**	**Mark II**
in the **2nd Subsidiary Subject**	**Mark III**

As overall result was determined :

Mark II

München, den 4. Nov. 1907

Dekanat
der k. philosophischen Fakultät
1. Sektion.

An
das k. Universitäts-Rektorat.

Doktor-Promotion betreffend.

Nachdem Herr S. M. Iqbal
aus Sialkot
über die für Zulassung zur Doktor-Promotion erforderliche wissenschaftliche Vorbildung sowie über die vorgeschriebene Universitätsstudienzeit durch Zeugnisse sich ausgewiesen, eine von der philosophischen Fakultät 1. Sektion approbierte Abhandlung:
Development of Metaphysics in Persia

in gehöriger Weise vorgelegt, endlich die Doktor-Prüfung mit der Note II bestanden hat, so stellt der unterzeichnete Dekan an Seine Magnifizenz den Herrn Rektor als Protokollar der Universität das gehorsamste Ansuchen, die Erlaubnis zur Vornahme der Promotion erteilen zu wollen.

Dr. H. Breymann

z. Z. Dekan der phil. Fakultät
1. Sektion.

Genehmigt.

Der derzeitige Rektor: [illegible]

Doc. 9.G

Dekanat
der k. Philosophischen Fakultaet
I Sektion

Muenchen, den 4. Nov. 1907

An
das k. Universitaets – Rektorat.

Doktor – Promotion betreffend.

Nachdem Herr S. M. Iqbal
aus Sialkot

ueber die fuer Zulassung zur Doktor-Promotion erforderliche wissenschaftliche Vorbildung sowie ueber die vorgeschriebene Universitaetsstudienzeit durch Zeugnisse sich ausgewiesen, eine von der philosophischen Fakultaet I. Sektion approbierte Abhandlung :

Development of Metaphysics in Persia

in gehoeriger Weise vorgelegt, endlich die Doktor-Pruefung mit der Note II bestanden hat, so stellt der unterzeichnete Dekan an seine Magnifizenz den Herrn Rektor als Prokanzler der Universitaet das geziemende Ansuchen, um Erlaubnis zur Vornahme der Promotion urteilen zu wollen.

(sd) Dr H Breymann

z.Z. Dekan der phil. Fakultaet
I. Sektion

Genehmigt.
Der derzeitige Rektor : (Unterschrift) Endres

Doc. 9.E

Office of the Dean

Munich, **4 Nov. 1907**

of the Royal Philosophical Faculty
Section I

To
The Office of the Chancellor of the Royal University

Regarding a Doctoral Degree.

Pursuant to Mr **S.M. Iqbal**
from **Sialkot**

having proved by certificates and scientific education as well as the specified time of study at a university required for doctoral degree, and (having) submitted in accordance with regulations a thesis :

Development of Metaphysics in Persia

approved by the Philosophical Faculty Section I, (and having), finally, passed the Ph.D. examination with **Mark II**, so the undersigned Dean files the present application with the Chancellor, as the Pro-Chancellor of the University, (for him) to pass judgement on the permission regarding the doctoral graduation.

(sd) **Dr H. Breymann**

at present* Dean of the Philosophical Faculty
Section I

Approved
The present Chancellor : (sd) **Endres**

[*Note by the translator. z.Z. (zur Zeit): at this time, i.e. Acting]

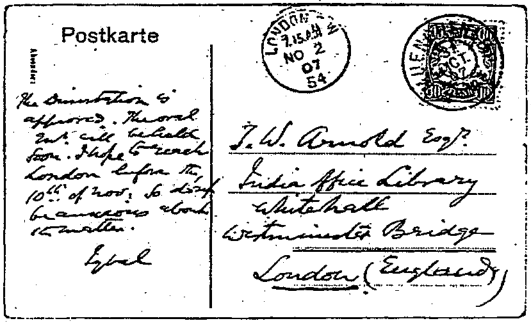

Doc. 10.E

[Munich
31 Oct. 1907]

The dissertation is
approved. The oral
exam. (?) will be held
soon. I hope to reach
London before the 10th of Nov. So don't
be anxious about
the matter.

(sd) Iqbal

Postcard addressed to:

T.W. Arnold Esqr.
India Office Library
Whitehall
Westminster Bridge
London . (England)

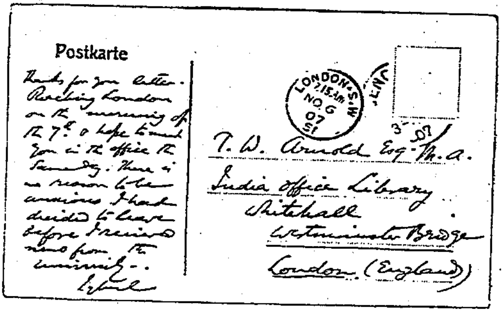

Doc. 11.E

[Munich
3 Nov. 1907]

Thanks for your letter.
Reaching London
on the morning of
the 7th & hope to meet
you in the office the
same day. There is
no reason to be
anxious. I had
decided to leave
before I received
news from the
University.

(sd) Iqbal

Postcard addressed to:

T.W. Arnold Esqr. M.A.
India Office Library
Whitehall
<u>Westminster Bridge</u>
<u>London</u> . (England)

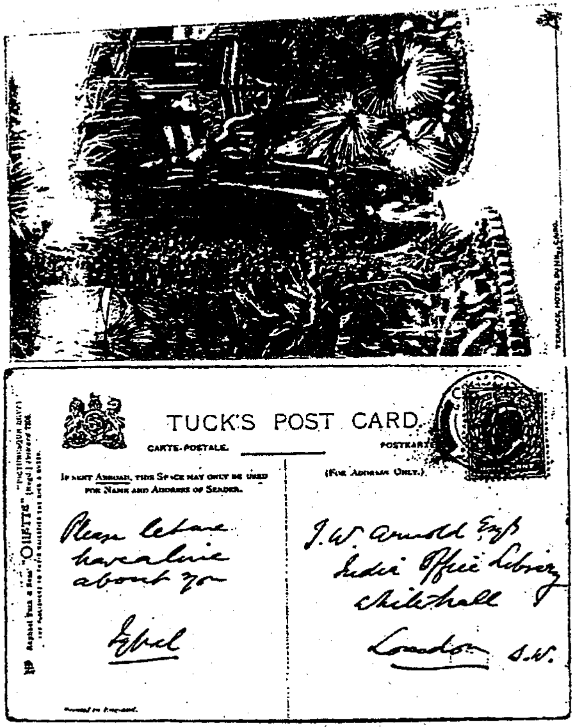

Doc. 12.E

[Cambridge
16 Oct. 1906]

Please let me
Have a line
about you.

(sd) Iqbal

Postcard addressed to:

T.W. Arnold Esqr
India Office Library
Whitehall
London S.W.

Lesesaalöffnung, Sprechzeit
Mo, Mi 8.30 – 16.00 Uhr
Di, Do 8.30 – 19.00, Fr 8.30 – 14.00 Uhr

Landeshauptstadt München, Stadtarchiv, Winzererstr. 68, 8000 München 40

Herrn
Prof. Dr. Dr. S. Durrain
Dept. of Physics
University of Birmingham
Birmingham B 15 2 TT
England

Zimmer 102 a
Telefon 089/1234031-34
Sachbearbeiter Frau Knüttel
Ihr Zeichen
Ihre Nachricht vom
Unser Zeichen 32/903 /87/Kn/Br
München, 28.10.87

Betreff:
Muhammad Igbal

Sehr geehrter Herr Professor Durrain,

in der Anlage übersenden wir Ihnen in Kopie den Meldebogen von Muhammad Igbal.
Das Haus Schellingstr. 41 gehörte damals einem Eduard Härting, Hoflieferant, Fabrikant und Großhändler für Fahrräder, Automobil- Näh- und Strickmaschinen. Der Akt des Hauses befindet sich in der Lokalbaukommission, Blumenstr. 28 b, 8000 München 2. Eine Fotografie liegt bei uns leider nicht vor.

Mit freundlichen Grüßen

i. A.

Hecker
Archivoberrat

Postgirokonto der Stadtkasse beim Postgiroamt München	BLZ 700 100 80	Kto. Nr	919-803
Konten der Stadtkasse bei Geldanstalten in München			
Stadtsparkasse München	BLZ 701 500 00	Kto. Nr	203000
Landeszentralbank in Bayern	BLZ 700 000 00	Kto. Nr.	70001700
Bayer. Landesbank, Girozentrale	BLZ 700 500 00	Kto. Nr	71000
Kreissparkasse München	BLZ 702 501 50	Kto. Nr	45005
Bank für Haus- und Grundbesitz eG	BLZ 700 901 00	Kto. Nr	130001
Bank für Gemeinwirtschaft AG	BLZ 700 101 11	Kto. Nr	1380000000
Bayer. Hypotheken- und Wechsel-Bank	BLZ 700 200 01	Kto. Nr	5804010000
Bayer. Vereinsbank	BLZ 700 202 70	Kto. Nr	81300
Commerzbank AG	BLZ 700 400 41	Kto. Nr.	2122000
Deutsche Bank AG	BLZ 700 700 10	Kto. Nr	2141000
Dresdner Bank AG	BLZ 700 800 00	Kto. Nr.	342000000
Bankhaus H. Aufhäuser	BLZ 700 306 00	Kto. Nr.	690600
Bankhaus Merck, Finck & Co.	BLZ 700 304 00	Kto. Nr	140007
Bankhaus Reuschel & Co.	BLZ 700 303 00	Kto. Nr	1003264
Allgemeine Deutsche Creditanstalt	BLZ 701 103 00	Kto. Nr	[illegible]
Bankhaus Max Flessa & Co.	BLZ 700 301 11	Kto. Nr	277000
Bayer. Volksbanken AG	BLZ 700 900 00	Kto. Nr	[illegible]
DG Bank Bayern	BLZ 701 600 00	Kto. Nr	106000
Bankhaus Maffei & Co.	BLZ 700 308 00	Kto. Nr	[illegible]
Münchner Bank eG	BLZ 701 900 00	Kto. Nr	2000
Volksbank München eG	BLZ 701 900 00	Kto. Nr	400

Doc. 13.1.E

English translation of Covering Letter

Reading-room opening, Consultation times
Mon, Wed 8.30 – 16.00 h
Tues, Thurs 8.30 – 19.00 h, Fri 8.30 – 14.00 h

State Capital Munich
City Archives, Winzererstr. 68, 8000 Munich 40

Room 102 a
Telephone 089/1234031-34
In charge Mrs Knuettel
To Your Ref.
Your communication dated
Our Ref. 32/903/87/Kn/Br
Munich, 28.10.87

Prof. Dr. Dr. S. Durrain (*sic*)
Dept. of Physics
University of Birmingham
Birmingham B 15 2TT
England

Reference:
Muhammad Igbal (*sic*)

Highly esteemed [Dear Sir] Professor Durrain (*sic*),

Enclosed please find a copy of the Registration-form of Muhammad Igbal (*sic*).

The house 41 Schellingstrasse belonged at that time to a certain Eduard Haerting,Purveyor to His Majesty, Manufacturer and Wholesaler for bicycles, automobiles,sewing- and knitting-machines. The deed of the house is lodged with the local Building Commission, 28 b, 8000 Munich 2. Unfortunately, we do not have a photograph available.

With kind regard

per pro.

(Sd)

Hecker
Chief Councillor for Archives

Kl. III. 17.10.07.	Legitimation
Vor- und Zunamen, Stand und Religion	Iqbal Sheik Muhammed W.S. 1907/08 muhamm.
Zeit und Ort der Geburt	10. Nov. 1876 Sialkot
Heimatgemeinde	Sialkot Indien Prov. Punjab
Zweck des Aufenthaltes	Studium.
Seit wann hier	15.10.07.
Bemerkungen	

Der Frau und der Kinder

Vor- und Zunamen.	Zeit und Ort der Geburt.	Religion.	Bemerkungen

15.10.07

n. London 6/11.07.

Form. 109.
Fach 550 mit 332.

Doc. 13.2.G

Kl(asse) III 17.10.07. **Legitimation**

Vor- und Zunamen, Sheik (*sic*)
*Stand Igbal Muhammad (*sic*)
O (?)
und Religion Muham(medan)

*Dr. phil. promot(ion) (?) W(inter) S(emester) 1907/08
l(au)t Mitteil(un)g des Sekretaer
der k(oeniglichen) Ludw(ig) Max(imilians) Universitaet
d(as) h(eisst) v(om) 31.3.08 No. 616

Zeit und Ort der Geburt 10. Juli 1876 Sailkot (*sic*)

Heimatgemeinde Sailkot (*sic*) indische Prov(inz) Punjab

Zweck des Aufenthaltes Studium

Seit wann hier 15.10.07.

Bemerkungen

Der Frau und der Kinder

Vor– und Zunamen.	Zeit und Ort der Geburt.	Religion.	Bemerkungen

Schellingstr(asse) 41/1
15.10.07 b(ei) Pens(ion)(?)
[Siegel der Pension Thurner(?)] Thurner.
(sd)
in(?) London Ju(ni)(?) 07.

Form. 109.
Fach 330 mit 332.

Doc. 13.2.E

Cl(ass) III	17.10.07.	Certificate

First and Family names — Sheik (*sic*)

*Status — Igbal Muhammad (*sic*)
O (?)
and Religion — Muham(medan)

*Dr. Phil(osophy) doctoral graduation(?) W(inter) S(emester) 1907/08
according to information from the Secretary
of the Royal Ludwig-Maximilians University
i.e. from 31.3.08, No.616

Date and Place of Birth — 10 July 1876 — Sailkot (*sic*)

Home Town — Sailkot (*sic*), Indian Prov(ince) (of) Punjab

Purpose of Stay — Study

Since when here 15.10.07.

Remarks

(of) Wife and Children

First and Family Names.	Date and Place of Birth.	Religion.	Remarks

Schellingstr(asse) 41/1
15.10.07 at Pension (?)
[Seal of Pension Thurner(?)] Thurner.
(sd)
in (?) London, Ju(ne) (?) 07.

Form. 109.
File 330 with 332.

To
The Senior Tutor
Trinity College
Cambridge.

Sir, I desire to enter the University of Cambridge as a research student. I passed the M.A. examination of Philosophy in the Punjab University in 1899. The following year I was appointed McLeod Arabic Reader by that University and attached to the staff of the Lahore Oriental College, and in 1903 was appointed Assistant Professor of Philosophy in the Lahore Government College. In evidence of my previous study and attainments I beg to state that I wrote a dissertation entitled "The Doctrine of Absolute Unity as explained and defined by Abdul Karim Al-Jilani" which was printed in the Indian Antiquary (Vol XXIX [1900] P. 237 ff.); a copy of which will be sent to you in a day or two.

My knowledge of Arabic and Persian and my acquaintance with European Philosophy (the study of which I began 12 years ago) suggest to me that I might make a contribution to the knowledge in the west, of some branch of Muhammadan Philosophy. I would propose as a subject of Research — "The genesis and development of Metaphysical concepts in Persia" or some contribution to the knowledge of Arabic Philosophy which the University might approve.

I beg further to say that I have attained the age of 21 years. The certificates required are also enclosed herewith.

Hoping that you will kindly place my application before the proper authorities

I beg to remain,
Sir,
Your most obedient Servant
Muhammad Iqbal M.A.
69 Shepherds Bush Rd.
London W.

29th Sep: 1905.

To

The Senior Tutor
Trinity College
Cambridge.

Sir,

I desire to enter the University of Cambridge as a research student. I passed the M.A. Examination of Philosophy in the Punjab University in 1899. The following year I was appointed M^cLeod Arabic Reader by that University and attached to the staff of The Lahore Oriental College, and in 1903 was appointed Assistant Professor of Philosophy in the Lahore Government College. As evidence of my previous study and attainments I beg to state that I wrote a dissertation entitled "The Doctrine of Absolute Unity as explained and defended by Abdul Karím Al-Jíláni"*, which was printed in the Indian Antiquary (Vol XXIX [1900] p. 237 ff.), a copy of which will be sent to you in a day or two.

My knowledge of Arabic and Persian and my acquaintance with European Philosophy (the study of which I began 12 years ago) suggest to me that I might make a contribution to the knowledge in the west, of some branch of Muhammadan Philosophy. I would propose as a subject of Research – "The genesis and development of Metaphysical concepts in Persia", or some contribution to the knowledge of Arabic Philosophy which the University might approve.

I beg further to say that I have attained the age of 21 years. The certificates required are also enclosed herewith.

Hoping that you will kindly place my application before the proper authorities

I beg to remain,
Sir,
Your most obedient Servant

Muhammad Iqbal M.A.
69 Shepherds Bush Rd
London W.

29th Sep : 1905.

* *Note from the Author:* In his PhD thesis for the University of Munich – though not in his Cambridge dissertation – viz. *The Development of Metaphysics in Persia*, Iqbal has corrected this name to Al-Jílí (see Luzac & Co. : London edition, pp. 150 *et seq.*), as pointed out in my book (اقبال یورپ میں , Iqbal Academy Pakistan : Lahore, 1985). S.A. Durrani, 16.09.1993

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 4 p.m. on Friday, 6 October 1905.

Present: Professor Sorley (in the Chair), Professor Ward, Dr. Keynes, Dr. McTaggart, & Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. An application was received from Muhammad Iqbal, M.A., of the Panjab University, for admission as an Advanced Student to a Course of Research, the subject proposed being "the genesis & development of metaphysical conceptions in Persia."

It was decided to grant the application.

It was agreed to request Dr. McTaggart to direct the studies of the student; & Dr. McTaggart consented to do so.

16 March 1906 W R Sorley

Doc.15.E

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 4 p.m. on Friday, 6 October 1905.

Present : Professor Sorley (in the Chair), Professor Ward, Dr. Keynes, Dr. McTaggart, and Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. An application was received from Muhammad Igbal (sic), M.A.,, of the Panjab University, for admission as an Advanced Student to a Course of Research, the subject proposed being "the genesis & development of metaphysical conceptions in Persia".

It was decided to grant the application.

It was agreed to request Dr. McTaggart to direct the studies of the student; and Dr. McTaggart consented to do so.

16(?)/17(?) March 1906 (sd) W R Sorley

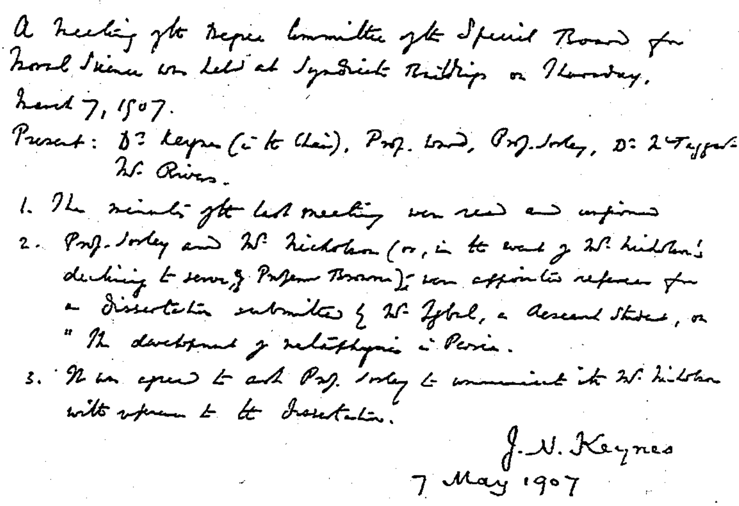

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Thursday, March 7, 1907.

Present: Dr Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr McTaggart, Mr Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed
2. Prof. Sorley and Mr Nicholson (or, in the event of Mr Nicholson's declining to serve, Professor Browne), were appointed referees for a Dissertation submitted by Mr Iqbal, a Research Student, on "The development of metaphysics in Persia.
3. It was agreed to ask Prof. Sorley to communicate with Mr Nicholson with reference to the Dissertation.

J. N. Keynes
7 May 1907

Doc. 16.E

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Thursday, March 7, 1907.

Present : Dr. Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr McTaggart, Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.
2. Prof. Sorley and Mr. Nicholson (or, in the event of Mr. Nicholson's declining to serve, Professor Browne), were appointed referees for a dissertation submitted by Mr. Igbal (sic), a Research Student, on "The Development of metaphysics in Persia".
3. It was agreed to ask Prof. Sorley to communicate with (?) Mr Nicholson with reference to the Dissertation.

(sd) J.N. Keynes

7 May 1907

A meeting of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 2.30 p.m. on Tuesday, May 7th, 1907.
Present. Dr Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr McTaggart and Mr Rivers.
1. The minutes of the last meeting were read & confirmed.
2. The Lecture-list for the year 1907-8 was approved.
3. A ~~An Application~~ letter was received from Mr E. Bullough of Trinity College

—·—·—·—·—

[illegible] in close proximity to the Department of Physiology".

J. N. Keynes
Chairman

15 May 1907

Doc. 17.E

A meeting of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 2.30 p.m. on Tuesday, May 7th, 1907.

Present. Dr. Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr. McTaggart and Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.
2. The Lecture List for the year 1907-8 was approved.

....

(sd) J.N. Keynes
Chairman

15 May 1907

A meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Tuesday, May 7, 1907 after the meeting of the Board.
The same members were present.
1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.
2. Reports on Mr Iqbal's dissertation on the "Development of Metaphysics in Persia" from Prof. Sorley and Mr Nicholson having been read, it was agreed unanimously that "in the opinion of the Board the dissertation is of distinction and an original contribution to learning".

J. N. Keynes
Chairman

30 October
1907

---

72 | Approval of work submitted by J. Howells (Christ.)
by Sp Bd for Oriental Studies 2 Nov 1906.

73 | Approval of work submitted by S. M. Iqbal. Trin.
by Sp Bd for Moral Science. 7 May 1907.

Doc. 18.E

A meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Tuesday, May 7, 1907 after the meeting of the Board.

The same members were present.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.
2. Reports on Mr. Iqbal's dissertation on the "Development of Metaphysics in Persia" from Prof. Sorley and Mr. Nicholson having been read, it was agreed unanimously that "in the opinion of the Board the dissertation is of distinction as an original contribution to learning".

(sd) J.N. Keynes
Chairman

30 October
1907

73. Approval of work submitted by S.M. Iqbal. Trin.
by Sp Bd for Moral Science. 7 May 1907. (Sd)

73.

Prof. Ward Registrar B.A.

Advanced Student: Work approved

The Degree Committee of the Special Board for Moral Science are of opinion that the work submitted by

Sheikh Muhammad Iqbal, of Trinity College, Advanced Student,

consisting of a Dissertation entitled "Development of Metaphysics in Persia",

is of distinction as an original contribution to learning.

J. N. Keynes,
Chairman of the Special Board for Moral Science.

7 May 1907.

Doc. 19.E

73.

[Illegible Remarks]
(sd)

Advanced Student : Work approved

The Degree Committee of the Special Board for Moral Science are of opinion that the work submitted by

Sheikh Muhammad Iqbal, of Trinity College, Advanced Student,

consisting of a Dissertation entitled

"Development of Metaphysics in Persia",

is of distinction as an original contribution to learning.

(sd) J.N. Keynes,
Chairman of the Special
Board of Moral Science.

7 May, 1907.

Surname	Christian Name	College	Rank in Coll.	Matriculation	Previous	General	Special	Tripos	Degrees	
					I.	I.	I.	I.	B.A.	18 June 1907
Iqbal	Muhammad	TRIN.	P	21 OCT		II.			M.A.	
	o Sir			1905	II.		II.	II.	LL.B.	
Iqbal	Sheikh / Muhammad								LL.M.	
[see over]	(Advanced Student)				III.	Fee for Dis? pd 9 May 1907			M.B.	
	Dissertation approved by Degree Committee of Sp. B. for Moral Sci. 7 Nov 1907								B.C.	

Doc. 20.E

SURNAME	CHRISTIAN NAME	COLLEGE	RANK IN COLL.	MATRICULATION	PREVIOUS	GENERAL	SPECIAL	TRIPOS	DEGREES	
					I.	I.	I.	I.	B.A.	13 June 1907
Iqbal (crossed out)	Muhammad	TRIN.	P.	21 OCT. 1905	.	II			M.A.	
					II.		II.	II.	LL.B.	
Iqbal [see over]	Sheikh/Sir Muhammad								LLM	
		(Advanced Student)			Fee for Dissn. pd. 9 May 1907				M.B.	
Dissertation approved by Degree Commee. of Sp. Bd. for Moral Sci. 7 May 1907									B.C.	

SURNAME	CHRISTIAN NAME	COLLEGE	RANK IN COLL.	MATRICULATION	PREVIOUS	GENERAL	SPECIAL	TRIPOS		DEGREES
					I.	I.	I.	I.	B.A.	13 June 1907
~~Iqbal~~	Muhammad	TRIN.	P	21 OCT		II.			M.A.	
	Sir			1905	II.		II.	II.	LL.B.	
Iqbal	Sheikh/Muhammad								LL.M	
[see over]					III.				M.B.	
									B.C.	

(Advanced Student) Fee for Dissn. pd. 9 May 1907

Dissertation approved by Degree Commee of Sp Bd for Moral Sci. 7 May 1907

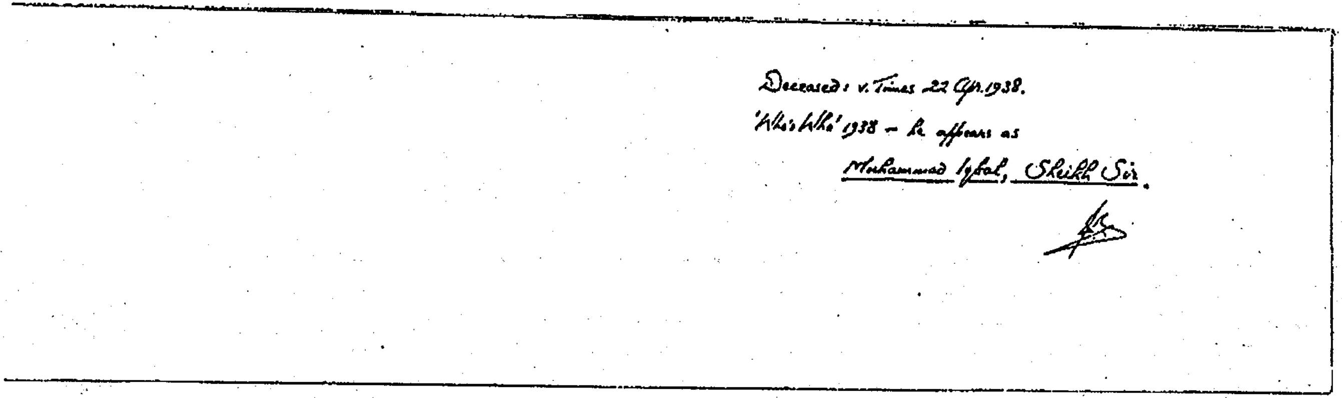
Deceased: v. Times 22 Apr. 1938.
'Who's Who' 1938 – he appears as
Muhammad Iqbal, Sheikh Sir.

Doc. 21.E

Deceased: v. Times 22 Apr. 1938.

'Who's Who' 1938 – he appears as
Muhammad Iqbal, Sheikh Sir.

[sd : Illegible]

~~8100~~

8105

SUB AUSPICIIS GLORIOSISSIMIS

AUGUSTISSIMI AC POTENTISSIMI DOMINI DOMINI

OTTONIS

BAVARIAE REGIS

COMITIS PALATINI AD RHENUM BAVARIAE FRANCONIAE ET IN SUEVIA DUCIS CET.

IN INCLYTA UNIVERSITATE LUDOVICO-MAXIMILIANEA MONACENSI

RECTORE MAGNIFICO

PLURIMUM REVERENDO AC DOCTISSIMO ET ILLUSTRISSIMO VIRO

MAXIMILIANO ENDRES

OECONOMIAE PUBLICAE DOCTORE POLITICAE ET HISTORIAE SILVATICAE PROFESSORE PUBLICO ORDINARIO CET.

PROMOTOR LEGITIME CONSTITUTUS

EXPERIENTISSIMUS ET SPECTATISSIMUS VIR

HERMANNUS WILHELMUS BREYMANN

PHILOSOPHIAE DOCTOR PHILOLOGIAE ROMANICAE AC FRANCOGALLICAE PROFESSOR PUBLICUS ORDINARIUS ORDINIS MER. S. MICHAELIS CL. III EQUES LLD. CET.

FACULTATIS PHILOSOPHICAE SECT. I P. T. DECANUS ET PROMOTOR LEGITIME CONSTITUTUS

PRAECLARO ET PERDOCTO VIRO AC DOMINO

SHEIKH MUHAMMAD IQBAL

EX OPPIDO SIALKOT

EXAMINIBUS RIGOROSIS MAGNA CUM LAUDE SUPERATIS

DISSERTATIONE INAUGURALI SCRIPTA TYPISQUE MANDATA

„THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA"

DOCTORIS PHILOSOPHIAE GRADUM

CUM OMNIBUS PRIVILEGIIS ATQUE IMMUNITATIBUS EIDEM ADNEXIS

DIE IV MENSIS NOVEMBRIS MDCCCCVII

EX UNANIMI ORDINIS PHILOSOPHORUM SECT. I DECRETO CONTULIT.

IN HUIUS REI TESTIMONIUM HOC PUBLICUM DIPLOMA SIGILLIS MAIORIBUS REGIAE LITERARUM UNIVERSITATIS ET FACULTATIS PHILOSOPHICAE ADIECTIS FACULTATIS EIUSDEM DECANUS ATQUE RECTOR MAGNIFICUS UNIVERSITATIS IPSI SUBSCRIPSERUNT.

LS LS

English Translation of
Sheikh Muhammad Iqbal's PhD Certificate (University of Munich)
from the Original Latin

Under the most glorious auspices
of the most august and powerful lord

OTTO, KING OF BAVARIA

Count of the Rhine Palatinate, Bavaria, Franconia and also Duke of Swabia

In the glorious University of Ludwig Maximilian in Munich
Under the Rector Magnificus
the greatly revered, most learned and illustrious man

MAXIMILIAN ENDRES

Doctor of Economics, and Public Professor Ordinarius[1] of Silvatic[2] Politics and History

The legitimately constituted Promotor
the most experienced and well-proven man

HERMANN WILHELM BREYMANN

Doctor of Philosophy, Public Professor Ordinarius of Romanic and French Philology

Knight of the Order of Merit (Class III) of St Michael, and also Doctor of Laws

Acting[3] Dean of the Faculty of Philosophy (Section I), and legitimately constituted Promotor

To the famous and learned man and exalted person[4]

SHEIKH MUHAMMAD IQBAL

from the town of Sialkot
After he had passed the rigorous examinations **with great praise (MAGNA CUM LAUDE)**
and having written and ordered to be printed his inaugural dissertation:

"The Development of Metaphysics in Persia"

Awarded the

Degree of Doctor of Philosophy

With all the privileges and exemptions that pertain to it
On the 4th Day of the Month of November 1907
By the unanimous decree of Section I of the Order of Philosophers

As a testimony of this award, this public diploma, to which are attached the High Seals with the Royal Letters of the University and the Faculty of Philosophy, did the Dean of this Faculty and the Rector Magnificus of the University sign [this document].

Translated by: Dr Christian W Troll
and Dr S A Durrani

Footnotes:

1. Professor Ordinarius is the normal or Full Professor (باقاعدہ - as against extra-ordinary or additional, temporary, etc.)

2. Silvatic literally means 'savage'. It probably indicates 'non-Greco-Roman' (e.g. 'European' languages, etc.). A parallel is عجمی or non-Arab - who were regarded by the Arabs as عجم ہیچ زبان . (i.e. unable to speak properly).

3. Acting: in the original document, P.T. (i.e. *pro tempore*)

4. In the original, Domino (i.e. Mr, Lord, etc: صاحب).

The Wegenast Family Tree (1805 - ~1987)

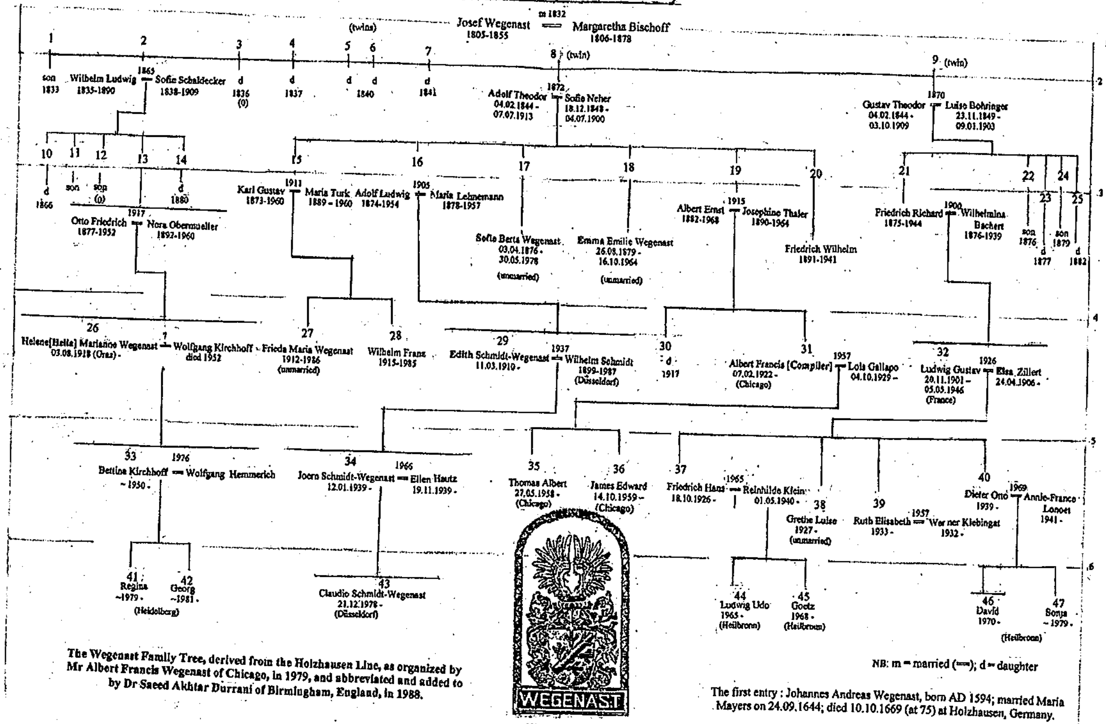

The Wegenast Family Tree, derived from the Holzhausen Line, as organized by Mr Albert Francis Wegenast of Chicago, in 1979, and abbreviated and added to by Dr Saeed Akhtar Durrani of Birmingham, England, in 1988.

The Family Crest

NB: m = married (==); d = daughter

The first entry : Johannes Andreas Wegenast, born AD 1594; married Maria Mayers on 24.09.1644; died 10.10.1669 (at 75) at Holzhausen, Germany.

تصویر نمبر۱ (الف) و (ب)

ایماویگے ناسٹ (عالم شباب)

ایماویگے ناسٹ (عالم پیری)

مِس ایما ویگے ناسٹ

ہائیڈل برگ میں تابستان ۱۹۰۷ء کے دوران، ''شیرر منزل'' (Pension Scherrer) میں اقبال کی جرمن زبان کی اتالیق، مِس ایما ویگے ناسٹ (Miss Emma Wagenast)، جنھوں نے اقبال کو گوئٹے اور ہائنے وغیرہ کا کلام پڑھایا۔ تصویر ۱ (الف) ایما کے عالمِ شباب کی شبیہہ ہے، اور ۱ (ب) اُن کے عالم پیری کی۔ (مدتِ حیات: ۲۶ راگست ۱۸۷۹ء تا ۱۶ راکتوبر ۱۹۶۴ء)

ایما ویگے ناسٹ کے ساتھ علامہ اقبال کی خط کتابت ۱۶ راکتوبر ۱۹۰۷ء سے ۲۱ رجنوری ۱۹۳۳ء تک جاری رہی۔ یہ تمام خطوط اور اُن کے عکس راقم الحروف نے اپنی کتاب ''اقبال یورپ میں'' (فیروز سنز، لاہور۔ ۱۹۹۹ء۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۲۰۰۴ء) میں شائع کر دیے ہیں۔

ایما اپنے آبائی قصبے ہائیل برون میں مدفون ہیں، جو ہائیڈل برگ سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

(تصاویر بہ شکریہ بیگم ایڈتھ شمٹ۔ ویگے ناسٹ (Frav Edith Schmidt-Wegenast) مرسلہ، اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ویگے ناسٹ بہنوں کی تصویر (۱۹۵۹ء)

ایما (بائیں ہاتھ پر) اور صوفی (دائیں) ویگے ناسٹ کی یہ نادر تصویر مجھے ان کی بھتیجی بیگم ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ نے (جوان خواتین کے بڑے بھائی ایڈولف کی بیٹی تھیں)، ڈسل ڈرف سے تحریر کردہ خط مورخہ ۲۷/ اگست ۱۹۸۸ء کے ساتھ بھیجی تھی۔ اس تصویر کی پشت پر انھوں نے لکھا تھا: جون ۱۹۵۹ء۔ بمقام ہائیڈل برگ۔'' [یعنی اُس وقت ایما قریب ۸۰ برس کی تھیں، اور صوفی کی عمر ۸۳ برس تھی۔ درانی]

اپنے خط میں ایڈتھ بیگم یوں رقم طراز ہوئی تھی: براہ کرم میری کم زور انگریزی سے قطع نظر فرمایئے۔ پچھلے چند برس میں میرے بڑھے ذہن سے ہر چیز محو ہوگئی ہے۔ [یادرہے کہ محترمہ کی تاریخ ولادت ۱۱/ مارچ ۱۹۱۰ء تھی، درانی] ٹری ایسٹے (Trieste) سے تحریر کیا ہوا آپ کا خوبصورت کارڈ مجھے مل گیا ہے۔ میں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا۔

اس خط کے ساتھ میں ہائیڈل برگ میں لی گئیں وہ دو تصویریں منسلک کرتی ہوں، جن کا میں نے وعدہ کیا تھا اور امید کرتی ہوں کہ آپ کو یہ پسند آئیں گی۔

[نوٹ۔ دوسری مذکورہ تصویر خانوادہ ویگے ناسٹ کی وہ شبیہہ ہے جو بطور تصویر نمبر ۳ دکھائی جارہی ہے۔ درانی]

خانوادہ ویگے ناسٹ (۱۹۴۹ء)

اس تصویر کے نیچے، جو محترمہ ایڈتھ شمٹ۔ ویگے ناسٹ نے اپنے خط مرقومہ ۲۷/اگست ۱۹۸۸ء کے ساتھ مصنفِ کتاب کی مرحمت فرمائی تھی، انھوں نے "Sisters & Brothers Wegenast-1949" کے نام اور عمریں یوں تحریر کی تھیں:

(L-R)	Sofie	Albert	Carlo	Adolf	Emma	
	(73)	(68)	(76)	(75)	(71)	years

یاد رہے کہ ایما کے چھوٹے بھائی البرٹ ارنسٹ کے صاحب زادے البرٹ فرانسس ویگے ناسٹ (مقیم شکاگو) کے جون ۱۹۸۹ء میں تیار کردہ شجرۂ نسب کے مطابق (دیکھیے موجودہ کتاب کی دستاویز نمبر ۲۳) ان سب بھائی بہنوں کے پورے نام، اور تاریخ ہائے ولادت یوں درج ہیں:

1- Karl Gustav Wegenast (25.02.1873).
2- Adolf Ludwig (16.05.1874).
3- Sofie Berta (03.04.1876).
4- Emma Emilie (26.08.1879).
5- Albert Ernst (10.09.1882).
6- Friedrich Wilhelm (08.06.1891).

یہ سب کے سب ہائیل برون میں پیدا ہوئے تھے۔ (سب سے چھوٹا بھائی، فریڈرش بروز ۹ جنوری ۱۹۴۱ء فوت ہو چکا تھا، بعمر ۴۹ سال، اور اس تصویر میں موجود نہیں)۔ ہاں، اگرچہ ایڈتھ خاتون نے اپنی پھوپھی ایما کی عمر ۱۹۴۹ء میں ۷۱ برس درج کی ہے۔ لیکن دراصل وہ اگست ۱۹۴۹ء میں ستر (۷۰) برس کی ہوئی تھیں۔ یہ تصویر جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد ۱۹۴۹ء میں ہائیڈل برگ میں کھینچی گئی تھی۔

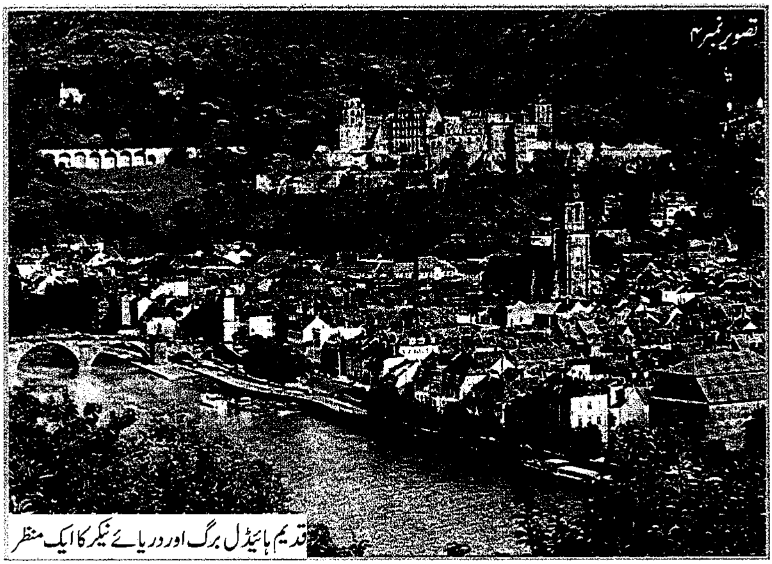

قدیم ہائیڈل برگ اور دریائے نیکر کا ایک منظر

قدیم ہائیڈل برگ اور دریائے نیکر کا ایک منظر

''خیابانِ فلسفیاں'' (Philosophenweg) سے قدیم ہائیڈل برگ اور دریائے نیکر (Neckar) کا ایک خوشگوار منظر۔ علامہ اقبال کی پارینہ اقامت گاہ یہیں واقع ہے (دیکھئے تصویر نمبر ۵)۔ دریائے نیکر کے کنارے کے ایک حصے کو Iqbal-Ufer (کنارۂ اقبال) کا نام دے دیا گیا ہے۔ عقب میں ہائیڈل برگ کا پُرانا قلعہ (Schloss) اور پیش منظر میں پرانی حویلیاں اور ایک خوب صورت گرجا دیکھا جا سکتا ہے۔ چوتھائی صدی بعد علامہ نے ایک خط بنام ایما ویگے ناسٹ (مورخہ ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء، از لندن) میں لکھا: ''۔۔۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے، جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے...... انھی مناظر سے متاثر ہو کر نوجوان اقبال نے (گوئٹے کی شاعری سے ہم آہنگ) اپنی وہ مشہور نظم لکھی تھی: ''ایک شام'' (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ، کے کنارے پر): خاموش ہے چاندنی قمر کی شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی ۔۔۔ کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے نیکر کا خرام بھی سکوں ہے۔

(ر۔ک: تصاویر ۱۲، ۱۳)

تصویر نمبر ۵

ہائیڈل برگ میں اقبال کی قیام گاہ

ہائیڈل برگ میں اقبال کی قیام گاہ (۱۹۰۷ء)

یہ ایک بہت بڑی اور خوب صورت حویلی ہے، جو دریائے نیکر (Neckar) کے کنارے پر واقع ہے۔ اس میں جناب اقبال اواخر جولائی ۱۹۰۷ء سے قریب وسط اکتوبر ۱۹۰۷ء تک مقیم رہے۔ اسے وہ ایما ویگے ناسٹ کے نام اپنے خطوں میں ''شیرر منزل'' (Pension Scherrer) یا ''ہائیڈل برگ اسکول'' کا نام دیتے ہیں، چونکہ یہاں پروفیسر ہنس شیرر نے بدیسی طلبہ کو جرمن زبان کی تعلیم دینے کے لیے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ اسی حویلی کے ایک حصے میں طلباء رہائش بھی رکھتے تھے اور ایک ملحق عمارت (Annex) میں اُن کا طعام واقع تھا۔ اس مکان کا پتا 58 Neuenheimer Landstrasse ہے اور ان دنوں یہ جناب ہنس سوئسلر Hans Zwissler اور ان کی بیگم صاحبہ (Gisela) کی ملکیت میں ہے، حویلی کی بیرونی دیوار پر پتھر کی ایک بہت بڑی تختی نصب ہے، جس میں علامہ کے وہاں قیام، اور ان کی زندگی کے بارے میں (جرمن زبان میں) معلومات درج ہیں۔ [دیکھیے تصاویر نمبر ۷ (الف) و (ب)]

(تصویر بہ شکریہ شہناز درانی۔ برن ہارٹ (Durrani-Bernhardt) ستمبر ۲۰۰۷ء)

شیر ر منزل میں اقبال کے زمانۂ قیام (۱۹۰۷ء) کے دستخط (؟)

ہائیڈل برگ میں اقبال کی پارینہ اقامت گاہ (58 Neuenheimer Landstrasse) یا ''شیرر منزل'' (Pension Scherrer) کے موجودہ مالک، جناب سوئسلر (Hans-Hellmuth Zwissler) مکان کے بازو میں واقع پرانے دارالطعام کی دیوار پر اُس جگہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جہاں، اُن کے بقول، چند سال قبل، شہتیروں کے اوپر سے پرانا پلاستر اکھاڑنے پر کئی قدیم طالب علموں کے دستخط نظر آئے، جن میں اقبال کا نام بھی شامل تھا۔ اب دیوار پر نیا پلاستر چڑھا دیا گیا ہے۔ (فوٹو: درانی، ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء)

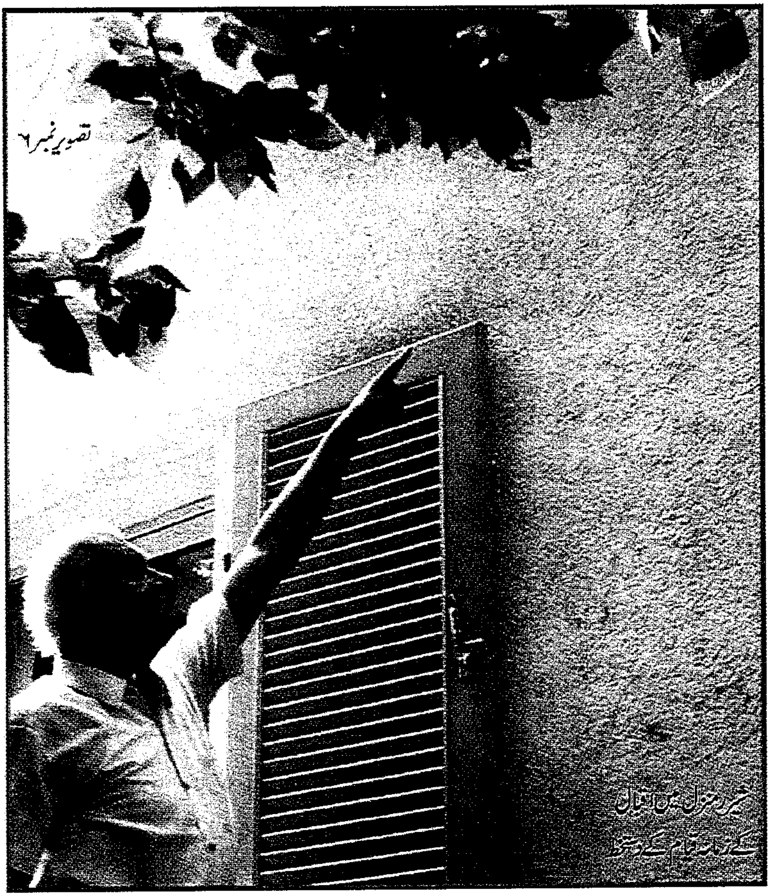

تصویر نمبر ۷ (الف) و (ب)

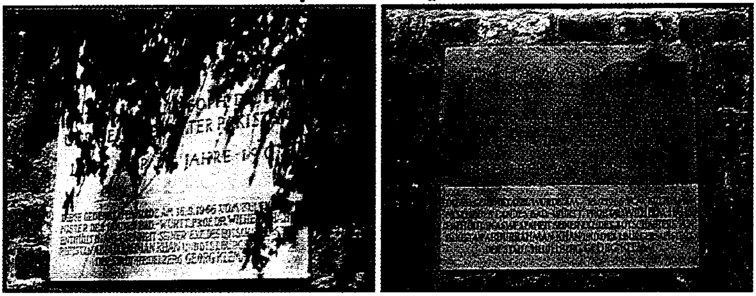

ہائیڈل برگ میں اقبال کی پرانی قیام گاہ پر نصب یادگاری تختی

ہائیڈل برگ میں اقبال کی پرانی قیام گاہ پر نصب یادگاری تختی

علامہ اقبال کی پرانی قیام گاہ (58 Neuenheimer Landstrasse) پر نصب موجود یادگاری تختی کے دو مناظر۔ تصویر ۷ (الف) مصنف نے ۱۹۷۹ء میں کھینچی تھی۔ اس میں انتسابی عبارت بڑی آسانی کے ساتھ پڑھی جا سکتی تھی۔ لیکن چونکہ درخت کی شاخیں عبارت کے ایک حصے پر سایہ فگن ہیں، اس لیے قارئین کی سہولت کی خاطر تصویر نمبر ۷ (ب) میں پوری عبارت دوبارہ دکھائی گئی ہے۔ (جب مصنف نے اپنے دورۂ ۱۹۸۴ء کے دوران یہ تختی ایک بار پھر ملاحظہ کی، تو یہ تحریر خاصی دُھندلی پڑ چکی تھی اور عبارت کے بعض حصے جھڑ رہے تھے) ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۶۶ء کی تقریب نقاب کشائی کے موقع پر لی گئی تصویر (یعنی موجودہ کتاب کی تصویر ۹) کے ساتھ مقابلہ کرنے پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اُس وقت (۱۹۶۶ء) والی تصویر میں کئی ایک ترمیمیں اور اضافے کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً موجودہ تختی میں علامہ کا سال ولادت ۱۸۷۷ء دکھایا گیا ہے۔ جب کہ پرانی تختی میں یہ سال ۱۸۷۶ء تھا۔ اسی طرح، موجودہ تختی کا زیریں حصہ بالکل نیا ہے۔ چنانچہ، جیسا کہ کتاب زیر نظر کے متعلقہ مضمون کے نکتہ ۷ میں ذکر کیا گیا ہے، گمان ہے کہ موجودہ تختی اپریل ۱۹۶۸ء میں نصب کی گئی تھی۔

حالیہ یادگاری تختی کی جرمن تحریر کا اردو ترجمہ☆ یوں ہے:

محمد اقبال☆☆

۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء

قومی فلسفی و شاعر اور پاکستان کے روحانی خالق

۱۹۰۷ء میں یہاں قیام پذیر رہے

اس یادگاری تختی کی نقاب کشائی پروفیسر ڈاکٹر ولہلم ہان[1]، وزیر ثقافت برائے ریاست بادن وُرتمبرگ[2] نے مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء، عزت مآب سفیر پاکستان جناب عبدالرحمٰن خان اور اول رئیس بلدیہ ہائیڈل برگ[3]، جناب گیورگ کلیم[4] کی موجودگی میں سر انجام دی۔

1- Prof. Dr. Wilhelm Hahn. 2- Baden Wurttemberg. 3-یعنی 'Highest' or 'Lord' Mayor. 4- Georg Klemm

☆ ترجمہ از مصنف ☆☆ نوٹ از مصنف۔ علامہ اپنے نام کے پہلے حصے کو ہمیشہ یوں spell کرتے تھے۔ یعنی Muhammad۔ جبکہ یہاں Mohammad تحریر ہے۔

ہائیڈل برگ میں علامہ کی قدیم قیام گاہ پر یادگاری تختی کی تنصیب کے دو مناظر

تصویر نمبر ۸۔ علامہ اقبال کی قدیم قیام گاہ (58 Neuenheimer Landstrasse Heidelberg) پر یادگاری تختی کی تنصیب مورخہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۶ء کا ایک منظر۔

درمیان میں (ہاتھ میں ایک دستاویز پکڑے ہوئے) ریاست بادن ورتمبرگ (Baden-Wuerttemberg) کے وزیر ثقافت، پروفیسر ولہلم ہان (Wilhelm Hahn) استادہ ہیں اور دائیں طرف (بالا قد) سفیر پاکستان، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان دیکھے جا سکتے ہیں (اور اُن کے پہلو میں شاید اُن کی بیگم صاحبہ بھی۔ ساڑھی میں ملبوس)۔ بالکل بائیں ہاتھ (نسبتاً پستہ قد)، ''انجمن دانش جویانِ پاکستان'' کے صدر جناب Boikhan کھڑے ہیں۔ جن کے نزدیک یونی ورسٹی کی رئیسۂ جامعہ (Rcktor) پروفیسر مارگو بیکے (Margot Becke) مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ یاد رہے کہ بقول ہنس سوئسلر صاحب، اس مکان کی نشان دہی محترمہ صوفی وےگے ناسٹ نے کی تھی، مگر وہ بنائے ضعیف العمری اس تقریب میں شرکت نہ فرما سکیں۔ اُن کی عمر اس وقت نوے سال کی تھی۔ (ویسے جناب وزیر اور جناب سفیر کے درمیان جو عمر رسیدہ خاتون استادہ ہیں، وہ صوفی وےگے ناسٹ سے کافی مشابہت رکھتی ہیں!)

(نوٹ بہ شکریہ جناب ہنس ہیلمتھ سوئسلر (Hans-Hellmuth Zwissler)۔ مالک مکان)

ہائیڈل برگ میں علامہ کی قدیم قیام گاہ پر یادگاری تختی کی تنصیب کے دو مناظر

ہائیڈل برگ میں یادگاری تختی کی تنصیب کا دوسرا منظر

تصویر نمبر ۹: علامہ اقبال کی قدیم قیام گاہ (58 Neuenheimer Landstrasse Heidelberg) پر یادگاری تختی کی تنصیب مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کا دوسرا منظر۔ (دائیں سے بائیں) عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان، سفیر کبیر پاکستان (جن کے مختصر سوانح حیات اس کتاب کی طبع ثانی میں درج کیے جا رہے ہیں)۔ انجمن طلبۂ پاکستان کے صدر Mr. M.S. Boikhan (جناب بھائی خان؟) اور ریاست بادن ورتم برگ (جس میں ہائیڈل برگ کا شہر واقع ہے) اُس کے وزیر ثقافت، پروفیسر ولہلم ہان (Wilhelm Hahn)۔

واضح رہے کہ اس تنصیب کے کچھ عرصے بعد (یعنی ۱۹۶۸ء میں)، اس تصویر میں نظر آنے والی دھات کی تختی کے بجائے پتھر کی بنی ہوئی ایک کلاں تر تختی (دیکھیے تصویر نمبر ۷) اس مکان پر نصب کر دی گئی۔ موجودہ تصویر والی تختی میں علامہ کی تاریخ ولادت جو بطور ۱۸۷۶ء ثبت ہے، وہ نئی تختی میں بدل کر ۱۸۷۷ء کر دی گئی۔ اگرچہ لفظ ''محمدؐ'' کے رومن ہجے Mohammad ہی رہنے دیے گئے ہیں، بجائے علامہ کے مرجع Muhammad ہجوں کے۔

(تصویر: عطیہ از جناب ہنس سوئسلر Hans-Hellmuth Zwissler) جو اس مکان کے موجودہ مالک ہیں۔)

ہائیڈل برگ میں علامہ کی قدیم قیام گاہ پر یادگاری تختی کی تنصیب کا دوسرا منظر

پروفیسر ہیلا کرش ہوف

پروفیسر ہیلا کرش ہوف (Hella (Helene) Kirchhoff)، جنھوں نے مصنف کتاب کو خانوادہ ویگے ناسٹ کے بارے میں بہت سی قیمتی معلومات بہم پہنچائیں۔ وہ ایما ویگے ناسٹ کی رشتے کی بھتیجی تھیں۔ اُن کے والدِ محترم، آٹو ویگے ناسٹ (Otto Wegenast)، ایما کے عم زاد بھائی تھے۔

تصویر نمبر ۱۰

پروفیسر ہیلا کرش ہوف

یہ تصویر ۲۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کو موصوفہ کے دولت خانے Ziegelhauser Landstrasse, 17A ہائیڈل برگ) میں لی گئی، جو اقبال کی قدیم اقامت گاہ 'شیرر منزل' سے تھوڑے ہی فاصلے پر، دریائے نیکر کے کنارے واقع ہے۔ اُن دنوں موصوفہ کی عمر قریباً چھیاسٹھ (۶۶) برس تھی۔

[خاندانی شجرۂ نسب کے مطابق (دیکھیے دستاویز نمبر ۳۳) اُن کی تاریخ ولادت ۳ راگست ۱۹۱۸ء تھی] اور وہ ہائیڈل برگ یونی ورسٹی سے اطالوی زبان کی پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئی تھیں۔ جنگ عظیم دوم سے پیشتر جب ہیلا ویگے ناسٹ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں Trieste (اٹلی) سے بطور طالبہ علم ہائیڈل برگ پہنچیں، تو وہ اس شہر میں مقیم اپنی پھوپیوں ایما اور صوفی سے بہت ملتی ملاتی رہتی تھیں۔

صوفی وِیگے ناسٹ کی صد سالہ (100^{th}) سالگرہ کی پارٹی

ایما کی بڑی بہن صوفی کی صد سالہ (100^{th}) سالگرہ کی پارٹی ہائیڈل برگ میں ۱۹۷۶ء میں منعقد ہوئی۔ صوفی وِیگے ناسٹ مورخہ ۳/اپریل ۱۸۷۶ء ہائیل برون میں پیدا ہوئی تھیں، اور ۱۰۲ سال کی عمر پا کر مئی ۱۹۷۸ء میں فوت ہونے کے بعد اُسی شہر میں اپنے والدین اور ایما کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔ اس تصویر میں، جو پروفیسر کرش ہوف صاحبہ کے ہونے والے داماد Dr. Wolfgang Hemmerich نے کھینچی تھی، محترمہ صوفی وِیگے ناسٹ ہاتھوں میں پھول تھامے، کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ اُن کے سامنے ہائیڈل برگ کے نائٹ میئر، شہر کی جانب سے پیش کیے جانے والے مبارک نامے کی تحریر پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خاتون موصوفہ کے دائیں جانب پروفیسر کرش ہوف کی صاحب زادی Bettina ہاتھوں میں گل دستہ اُٹھائے ہوئے دکھائی دے رہی ہیں۔ نائب میئر کے بائیں ہاتھ پر عقب میں محترمہ ایڈتھ شمٹ وِیگے ناسٹ کے چہرے کی جھلک نظر آ رہی ہے۔ کچھ اور اہلِ خانہ بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

(تصویر، عطیۂ پروفیسر ہیلا کرش ہوف، ستمبر ۱۹۸۴ء)

تصویر نمبر ۱۱

صوفی وِیگے ناسٹ کی صد سالہ سالگرہ کی پارٹی

دریائے نیکر کا کنارۂ اقبال

جیسا کہ کتاب کے متن میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، وسطِ فروری ۱۹۶۹ء میں دریائے نیکر (Neckar) کے جنوبی کنارے پر ایک کلومیٹر لمبے ٹکڑے کو ''کنارۂ اقبال'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ سفیر

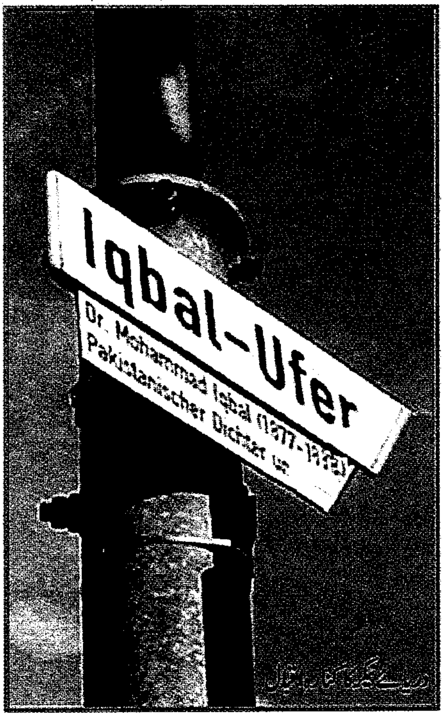

پاکستان، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان نے صدرِ ریاست اور ہائیڈل برگ کے لارڈ میئر کی موجودگی میں (Iqbal-Ufer) (کنارۂ اقبال) کی تختی کی نقاب کشائی کی۔

اس تصویر میں نظر آنے والی ''کنارۂ اقبال'' کی تختی ٹریفک کے ایک کھمبے پر نصب ہے۔ مصنف کتاب کی استدعاء پر ان کی میری بہن، شہناز درانی برن ہارٹ Durrani-Bernhadt نے دسمبر ۲۰۰۷ء میں اس کی تصویر اُتاری۔ تختی کے عنوان کے نیچے دو سطروں میں یہ عبارت تحریر ہے: ڈاکٹر محمد اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) پاکستانی شاعر اور (فلسفی)۔ لیکن اس کھمبے پر جو Traffic Lights جڑی ہوئی تھیں اُن کی وجہ سے ''فلسفی'' (Philosoph) کا لفظ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ مصنف کے دیرینہ دوست پروفیسر ظفر اسمٰعیل (حال مقیم امریکا) نے بڑی مہارت اور چابک دستی سے ان دھاتی شمعوں کو تو تصویر سے ہٹا دیا، لیکن وہ پنہاں شدہ حروف کو بحال نہ کر سکے۔ نوٹ کیجئے کہ (تصاویر نمبر ۷، ۹ ہی کی طرح) یہاں بھی علامہ کے نام میں لفظ ''محمد'' کو بطور Mohammad کے Spell کیا گیا ہے، بجائے Muhammad کے۔ (درانی۔ ۲۵ ستمبر ۲۰۰۸ء)

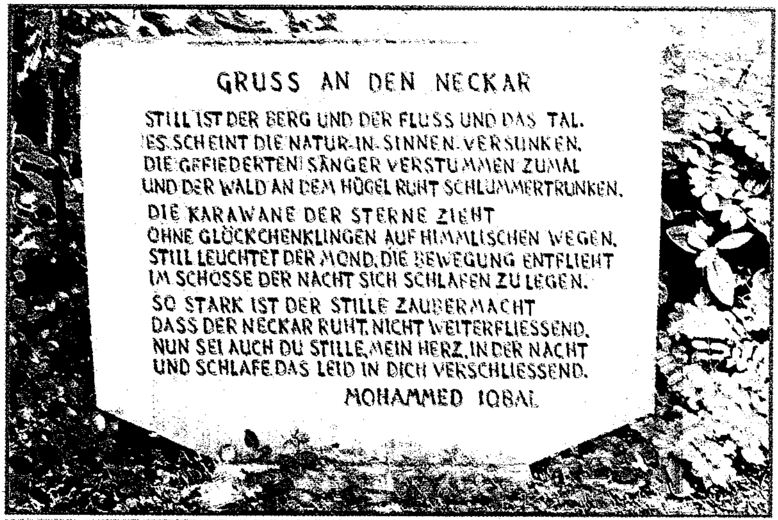

دریائے نیکر کے کنارے سنگِ یادگارِ اقبال

دریائے نیکر کے کنارے سنگِ یادگارِ اقبال

بروز جمعہ، ۱۹۔ دسمبر ۱۹۶۹ء، سفیرِ کبیر پاکستان در المانیہ، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان نے کئی اہم قومی اور ریاستی شخصیات کی موجودگی میں ''کنارۂ اقبال'' (ر۔ک عنوانِ تصویر نمبر ۱۲) پر نصب اس یادگاری پتھر کی نقاب کشائی کی۔ اس سنگ یادگار پر علامہ کی مشہور نظم ''ایک شام'' (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ، کے کنارے پر) کا جرمن ترجمہ کندہ ہے۔ (اگرچہ اس میں اشعار کی وہ ترتیب نہیں ہے جو بانگ درا میں طبع ہوئی ہے) یادگاری نظم کا عنوان یوں دیا گیا ہے: ''نیکر کو سلام'' (Greetings)۔

یہ تصویر ہائیڈل برگ یونی ورسٹی میں شعبہ تاریخ کی صدر نشین محترمہ پروفیسر گیتا دھرم پال۔ فرِک (Prof. Gita Dharampal-Frick) نے مجھے دسمبر ۲۰۰۷ء میں بہم پہنچائی۔ لیکن پتھر پر کندہ تحریر خاصی دھندلی اور ''کائی زدہ'' ہوگئی تھی۔ اس عبارت کو میرے قدیم دوست، پروفیسر ظفر اسمٰعیل (حال مقیم Buffalo، ریاست نیویارک) نے جدید تکنولوجی کی مدد سے، مصنف کتاب کی المانوی بہو، قاطیہ درانی کی زیرِ نگرانی، بہت عمدہ طور سے اجاگر کیا ہے۔

(تصویر کش: ڈاکٹر پیٹر تسنگل (Dr. Peter Zingel)، ۲۰۰۷ء) [درّانی۔ ۲۵۔ ستمبر ۲۰۰۸ء]

مسز ایلسا ویگے ناسٹ کے درِدولت پر

مسز ایلسا ویگے کے درِ دولت پر

مسز ایلسا ویگے ناسٹ(Elsa Wegenast) کے ساتھ ملاقات کا الوداعی منظر۔یہ ملاقات مورخہ ۱۹راگست ۱۹۸۸ء اُن کے دولت خانے(Bluecher Strsse 26, Heilbronn) پر ہوئی۔بیگم ایلسا کی عمر اس وقت ۸۲ سال کی تھی (تاریخ ولادت:۲۴راپریل ۱۹۰۶ء۔ پیدائشی نام : Zillert)۔ ایما ویگے ناسٹ اُن کے مرحوم شوہر لڈوِگ(Ludwin Wegenast) کی رشتے کی پھوپی تھیں۔دیکھیے شجرۂ نسب (دستاویز نمبر ۲۳)

تصویر میں (دائیں سے بائیں) بیگم ایلسا ویگے ناسٹ کے صاحبزادے، ہنس ویگے ناسٹ۔ بیگم انگے بورگ درانی۔ بیگم ایلسا ویگے ناسٹ۔ ان کی بہوانیی فرانس اور مصنف کتاب کی صاحب زادی نادیہ گیتی آرا دُرّانی (جن کی سولہویں سالگرہ چند روز پیشتر، مورخہ ۱۴راگست ۱۹۸۸ء، ویانا میں منائی گئی تھی۔اور جو یہاں ہاتھ میں ویگے ناسٹ خاندان کا وہ شجرۂ نسب تھامے ہوئے نظر آتی ہیں جو جناب ہنس ویگے ناسٹ نے مصنف کو عاریۃً مرحمت فرمایا تھا۔)

(تصویر از مصنف۔۱۹راگست ۱۹۸۸ء)

مسز ایلسا و یگے ناسٹ کے یہاں مشروبات و ماکولات

بیگم ایلسا و یگے ناسٹ بڑی مہمان نواز خاتون تھیں۔ ہماری ستمبر۱۹۸۴ء والی ملاقات کی طرح اب کے بھی، اُن کے دولت خانے میں آمد کے ذرا دیر بعد ہی، انھوں نے اصرار کیا کہ ہم سہ پہر کی کچھ ہلکی پھلکی چیزیں کھا پی کر تازہ دم ہو لیں۔ یہ Afternoon Snacks انھوں نے اور اُن کی بہو Annie-France نے پہلے سے تیار کر رکھے تھے۔ ان تکلفات میں چائے، کیک، سینڈوچ اور کباب شامل تھے۔

تصویر میں (دائیں سے بائیں) بیگم اِنگے بورگ دُرّانی۔ اپنی فرانس و یگے ناسٹ اور مصنف نظر آ رہے ہیں۔

(تصویر از نادیہ دُرّانی۔ ۱۹؍اگست ۱۹۸۸ء)

تصویر نمبر ۱۵

مسز ایلسا و یگے ناسٹ کے یہاں مشروبات و ماکولات

جنابِ ہنس ویگے ناسٹ کے یہاں چائے

مسز ایلسا ویگے ناسٹ کے صاحب زادے Hans Wegenast اپنی والدۂ ماجدہ سے کچھ کم مہمان نواز نہ تھے۔ اُن کا مکان اپنی والدہ کے گھر کے پچھواڑے میں واقع ہے (Bluecher Strasse)

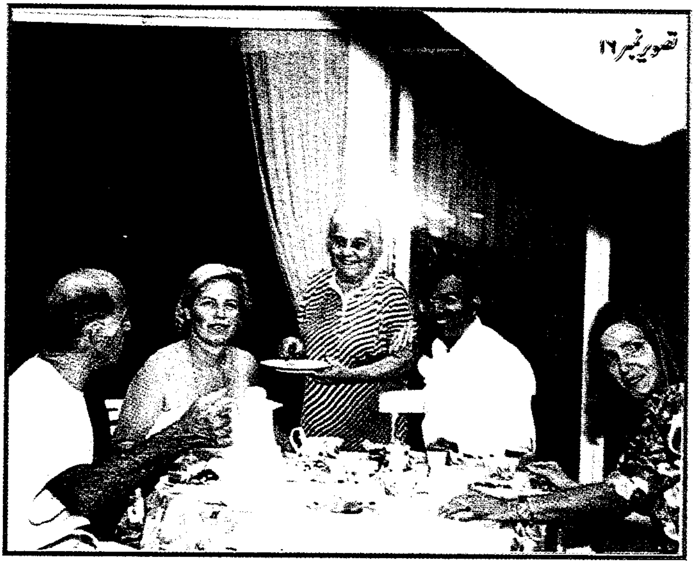

جنابِ ہنس ویگے ناسٹ کے یہاں چائے

(26-I۔ انھوں نے اصرار کیا کہ بیگم ایلسا کے یہاں سے فارغ ہونے پر ہم اُن کے دولت خانے میں قدم رنجہ کریں، تاکہ وہ بھی ہماری کچھ خاطر تواضع کر سکیں۔ ہنس صاحب کی بیگم، رائن ہلڈے (Reinhilde) بڑی نستعلیق خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے پائین باغ میں ایک شامیانے تلے بڑی پُر تکلف چائے اور ماکولات کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایلسا خاتون بھی اپنے بنائے ہوئے کیک سمیت اس گرم جوش پارٹی میں شریک ہوگئیں۔

تصویر میں (دائیں سے بائیں) مسز اِنگے دُرّانی۔ مصنف۔ مسز ایلسا ویگے ناسٹ۔ مسز رائن ہلڈے ویگے ناسٹ اور جنابِ ہنس ویگے ناسٹ۔

(تصویر از نادیہ دُرّانی، ۱۹/اگست ۱۹۸۸ء)

ہائیل برون میں ایما ویگے ناسٹ کی قبر

ہائیل برون میں ایما ویگے ناسٹ کی قبر

ہائیل برون میں ایما ویگے ناسٹ اور اُن کے چند اقارب کا مزار۔ سنگ لحد پر کندہ اُوپر کے دونام ایما کے والدین کے ہیں۔ اُن کے نیچے ایما کے سب سے چھوٹے بھائی Fritz کا نام ہے (جو Friedrich کا مخفف ہے)۔ سنگِ مزار کے قدموں میں ایما کا نام کندہ ہے (مُدتِ حیات: ۲۶/اگست ۱۸۷۹ء تا ۱۶/اکتوبر ۱۹۶۴ء)۔ بقول ایلسا اور بیگم شمٹ۔ ویگے ناسٹ، ایما کی بڑی بہن صوفی ویگے ناسٹ (Sofie Wegenast) بھی اسی قبر میں دفن ہیں، اگرچہ کتبے میں اُن کا نام مرقوم نہیں ہے۔ [حوالے کے لیے اس قبر کا نمبر درج ذیل ہے: ABT.4, REIHE: 9;GRAB 23-24] قبر خوب صورت جھاڑیوں اور پودوں میں گھری ہوئی تھی اور اس کے قدموں میں سُرخ، سفید، پیازی اور کاسنی رنگ کے پھولوں کی ایک جذبہ آفرین چادر بچھی ہوئی تھی۔

(تصویر از مصنف، ۱۹/اگست ۱۹۸۸ء)

ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت

ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت

ہائیل برون میں ایما ویگے ناسٹ کے مزار کی، مصنف کتاب کے تئیں یہ دوسری زیارت تھی، جو بروز جمعہ ۱۹/اگست ۱۹۸۸ء قرار پائی۔ پہلی مرتبہ راقم الحروف یہاں اتوار ۳۰/ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز حاضر ہوا تھا۔ تصویر میں راقم، ایما ویگے ناسٹ مرحومہ کے لیے دُعائے مغفرت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، جنھوں نے کئی طرح سے نوجوان اقبال کی مدد فرمائی تھی، اور جن کے لیے اقبال کے دل میں تا عمر ایک محبت بھرا گوشہ جاگزیں رہا۔ ایما کے ساتھ اقبال کی خط کتابت ۱۶/اکتوبر ۱۹۰۷ء (از میونک) سے ۳۱/جنوری ۱۹۳۳ء (از میڈرڈ) تک جاری رہی۔ دیکھیے تمام دست یاب خطوط کے متون اور عکوس کے لیے مصنف کی کتاب اقبال یورپ میں (مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔ ۱۹۹۹ء اور انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی۔ ۲۰۰۴ء)

(تصویر از جناب ہنس ویگے ناسٹ۔ ۱۹/اگست ۱۹۸۸ء)

ایک ہم عصر نشانی

ہائیل برون میں ایماؤ یگے ناسٹ کا آبائی مکان 16 Luisen strasse (جنگ ہائے عظیم کی تباہیوں کے بعد) اب معدوم ہو چکا ہے۔ لیکن ستمبر ۱۹۸۴ء کے دورۂ ہائیل برون کے دوران میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اگر وہ مکان اب باقی نہیں، تو کم از کم کسی ایسی چیز کی تصویر لے لی جائے جو ایما کے وہاں پر قیام کی ہم عصر رہ چکی ہو۔ چنانچہ جب اس مکان کے محل وقوع سے چند گز کے فاصلے پر مجھے گلی کے نیچے سے گذرتی ہوئی بدررو کا ایک ”مدوّر ڈھکنا“ نظر آیا، جس پر Heilbronn 1881 کی تاریخ تحریر تھی، تو میں نے اس کی ایک تصویر کھینچ لی☆ بمصداق ”گندم اگر بہم نہ رسد، بھس غنیمت است“ لیکن اگست ۱۹۸۷ء میں دورۂ ہسپانیہ کے دوران یہ تصویر، مع کئی ایک اہم دستاویزات کے چوری ہو گئی، اس سانحے کا مفصل ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔ مندرجہ بالا تصویر ایک مختلف، مستطیل ڈھکنے کی ہے، جس پر Heilbronn 1895 تحریر ہے۔ یہ مصنف کے دورۂ ثانی ہائیل برون (اگست ۱۹۸۸ء) کے دوران میں اُتاری گئی تھی۔

☆ میری اس تصویر کشی کا ذکر جناب مشفق خواجہ مرحوم نے اپنی کتاب خامہ بگوش کے قلم سے (پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور ۱۹۹۵ء مرتبہ مظفر علی سید۔ ص ۴۹ تا ۵۴) میں اپنے معروف طنزیہ اور ہلکے پھلکے انداز میں چٹکیاں لیتے ہوئے فرمایا ہے۔ (دُرّانی۔ ۲۱ ستمبر ۲۰۰۷ء)

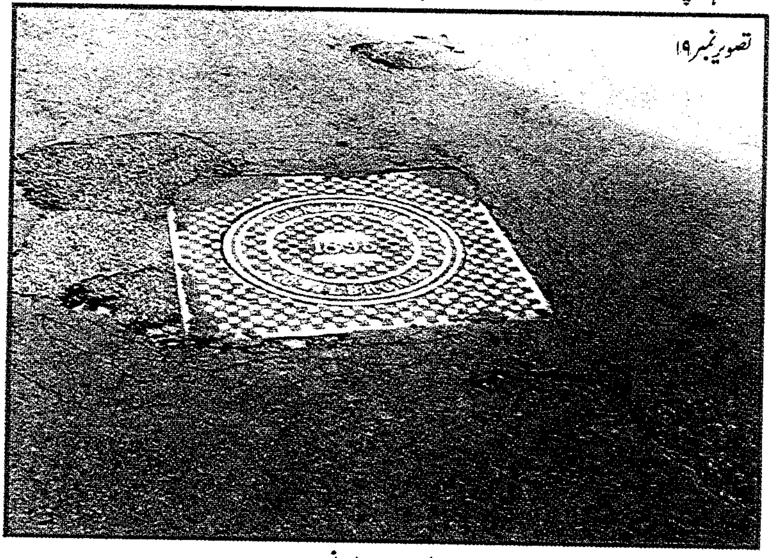

تصویر نمبر ۱۹

ایک ہم عصر نشانی

مسز ایڈتھ شمٹ ۔ ویگے ناسٹ کے ساتھ ملاقات

مسز ایڈتھ شمٹ ۔ ویگے ناسٹ کے ساتھ ملاقات

مسز ایڈتھ شمٹ ۔ ویگے ناسٹ (Edith Schmidt-Wegenast) اور ڈاکٹر سعید اختر درانی ڈسل ڈورف (جرمنی) میں خاتونِ موصوفہ کے خوب صورت اور مزین فلیٹ میں، جہاں مورخہ ۲۸/جولائی ۱۹۸۸ء ڈاکٹر درانی اور مسز انگے درانی نے اُن سے ملاقات کی۔ ''شمٹ'' خاتون محترمہ کے شوہر کا اور ویگے ناسٹ خود اُن کا موروثی نام تھا۔ ایما ویگے ناسٹ، ایڈتھ خاتون کی پھوپی تھیں اور ایڈتھ [تاریخ ولادت ۱۱/مارچ ۱۹۱۰ء] اُن کو بہت اچھی طرح سے جانتی تھیں۔ انھوں نے ہی مصنف کتاب کو دورمان ویگے ناسٹ کی کئی ایک تاریخی تصاویر عطا کی تھیں، اور دیگر قیمتی معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ تصویر نمبر ۲۱ والا بروچ بھی مذکورہ ملاقات کے دوران انھوں نے دکھلایا۔

(تصویر از مسز انگے بورگ دُرّانی)

تصویر نمبر۲۱

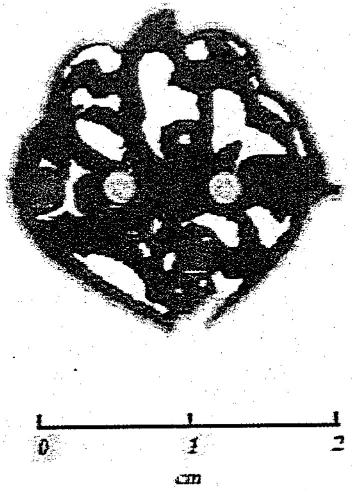

اقبال کا فرستادہ بروچ

اقبال کا فرستادہ بروچ (؟)

۲۸/جولائی ۱۹۸۸ء کو ڈسل ڈورف میں بیگم ایڈتھ شمٹ۔ ونگیے ناسٹ کے ساتھ ملاقات کے دوران خاتون موصوفہ نے ڈاکٹر اور بیگم دُرّانی کو ایک خوش نما مرصع بروچ (Brooch) یعنی بلاؤز پر ٹانکنے کا زیور بھی دکھایا، جس کے بارے میں انھوں نے یہ خاندانی روایت بیان کی کہ حضرت علامہ نے یہ، اور اس جوڑی کا ایک دوسرا نگ، ایما ونگیے ناسٹ کو (لاہور سے) تحفۃً بھیجا تھا۔ یہ دونوں بروچ نازک ہندوستانی کام کا مرقع تھے، اور طلائی رنگ کے تھے۔ اُن کے اندر ننھے ننھے موتی جڑے ہوئے تھے، جن کے اردگرد سنہری پتیاں سی بل کھاتی ہوئی بیلوں کی صورت میں حلقہ کیے ہوئے تھیں۔ اس معین نما (Rhomboid) مرقع کا ہر پہلو ڈیڑھ سینٹی میٹر کے لگ بھگ تھا۔

اس بروچ کی رنگین تصویر اب مصنف کے پاس موجود نہیں۔ چنانچہ 'افکار' کراچی، بابت مئی ۱۹۸۹ء (؟) میں اپنے شائع کردہ مضمون میں شامل سیاہ وسفید تصویر کی ایک کاپی مصنف نے اپنے قدیمی دوست، پروفیسر ظفر اسمٰعیل (حال مقیم Buffalo، ریاست نیویارک)، کو ارسال کی۔ جنھوں نے جدید ترین ٹیکنولوجی استعمال کرتے ہوئے اسے رنگین صورت میں ڈھال دیا۔ (دُرّانی۔ ستمبر ۲۰۰۸ء)

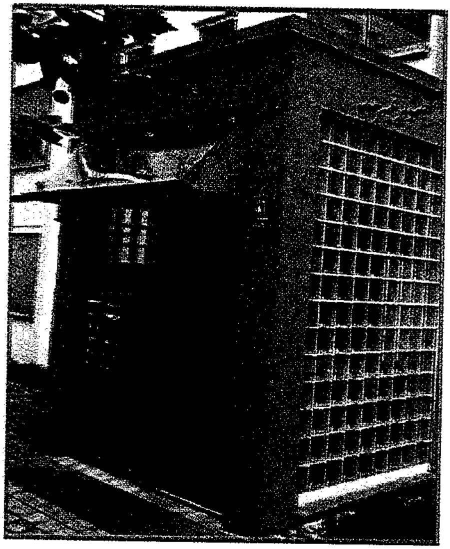

میونخ میں اقبال کی قیام گاہ

میونک میں اقبال کی قیام گاہ (۱۹۰۷ء)

جنابِ اقبال، میونک میں اقامت خانہ تھرنر (Pension Thurner, Schelling Strasse 41) میں ۱۵راکتوبر ۱۹۰۷ء سے غالباً ۵رنومبر ۱۹۰۷ء تک مقیم رہے (دیکھیے دستاویز نمبر ۳) یہ اقامت خانہ میونک یونیورسٹی (Ludwig-Maximilians Universitaet) کے بالکل پہلو میں واقع تھا۔ یہیں سے اقبال نے ایما ویگے ناسٹ کو اپنا پہلا خط مورخہ ۱۶راکتوبر ۱۹۰۷ء تحریر کیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں جب مصنف کتاب نے ڈاکٹر ہنس ماسٹ کی معیت میں یہاں ورود کیا تو یہ مکان ایک بہت بڑی عمارت (37-45 Schelling Str.) کے اندر محصور ہو چکا تھا جو ایک نو فسطائی اشاعتی ادارے Axel-Springer Verlag کی ملکیت تھی۔ غیر مجاز لوگوں کو روکنے کے لیے پہرے دار اور بیریئر قائم کیے گئے تھے۔ جب باہر سے عمارت کی تصویریں لینے کے بعد ہم نے گیٹ سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو ہمیں دھمکی دی گئی کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم پر خون خوار کتے چھوڑ دیے جائیں گے!

موجودہ تصویر ستمبر ۲۰۰۷ء میں لی گئی۔ اب داخلے کی قدغن ختم ہو چکی تھی اور پیش نظر مکان کے دروازے پر نمبر ۴۱ (شیلنگ اسٹراسے) کی نمبر پلیٹ دیکھی جا سکتی ہے۔ مکان کی یہ عمارت نو تعمیر شدہ ہے اور اب یہ کئی فلیٹوں پر مشتمل ہے۔

[تصویر از قاطیہ دُرّانی' (Katja Durrani) " ۸رستمبر ۲۰۰۷ء]

اقبال کی پارینہ یونیورسٹی کا ایک منظر

اقبال کی پارینہ یونیورسٹی کا ایک منظر

میونک میں علامہ اقبال کی قدیمی یونیورسٹی (Ludwig-Maximilians Universitaet) کا ایک منظر۔ اقبال نے اس یونیورسٹی سے، جو بویریا کے بادشاہ کے نام سے ملقب ہے، مورخہ دوشنبہ ۴؍نومبر ۱۹۰۷ء پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی (دیکھیے دستاویز نمبر ۲۲) ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان "The Development of Metaphysics in Persia" تھا جو انھوں نے (بادنیٰ تغیر) اپنے قیام کیمبرج (۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء) کے دوران تحریر کیا تھا۔

اس جامعہ کی عمارت بڑی خوب صورت اور پُر شکوہ ہے۔ تصویر میں (دائیں ہاتھ پر، بلند چوبی دروازے کے سامنے) مصنف کتاب استادہ ہیں۔

(تصویر، مصنف کی پی ایچ ڈی کی یونانی طالبہ علم، مس نینا پٹوسی (Nina Petoussi) کے شکریے کے ساتھ۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء)

مصنف کتاب کی ایک ہم عصر تصویر

زیرِ نظر کتاب کے باب سوم، معنونہ ''میونک (علامہ کی پی ایچ ڈی کے مراحل)'' میں بیان کردہ تحقیقات میں نے اُس شہر میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سائنس کانفرنس (Neutron Dosimetry) کے دُنبالے کے طور پر وسط اکتوبر ۱۹۸۷ء میں انجام دی تھیں۔ اسی کانفرنس کے دوران میونک شہر کے قرب و جوار میں واقع چند حسین و جمیل محلات، مرصع کلیساؤں، اور فطری مناظر کا ایک دورہ بھی تمدنی تموّل کی خاطر شامل برنامہ تھا۔ پیش نظر تصویر میونک کے قریب ایک خوش منظر جھیل (Ammersee) پر کشتی رانی کے دوران لی گئی، جس میں مصنف کتاب ایک خوش گوار Mood میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (یہ شبیہ، انتخاب تصاویر کے دوران ہاتھ آ گئی، اور مندرجات کتاب کے ہم عصر ہونے کے حیثیت سے نذرِ قارئین ہے۔ دُرّانی۔ برمنگھم۔
۲۶ر ستمبر ۲۰۰۸ء۔ جمعۃ الوداع، رمضان المبارک سنہ ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی کتاب کی ایک ہم عصر تصویر

میونک میں علامہ اقبال کی یادگاری لاٹھ

میونخ میں علامہ اقبال کی یادگاری لاٹھ

میونک شہر کے وسط میں نصب شدہ علامہ اقبال کی یادگاری لاٹھ، جو Habsburger Platz (ہابز برگ چوک) میں واقع ہے۔ ۲۴ (الف) میں اس لاٹھ کا سامنے کا رُخ دیکھا جا سکتا ہے، جس پر کندہ عبارت کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے: ''فلاسفر اور پاکستان کے قومی شاعر محمد اقبال۔ سنہ ولادت ۱۸۷۷ء☆ سنہ وفات ۱۹۳۸ء، جنھوں نے ۱۹۰۷ء میں میونک یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ حاصل کی''۔

لاٹھ کے برابر میں مصنف کے سابقہ طالب علم، ڈاکٹر ہنس ماسٹ (Dr. Hans Mast) استادہ ہیں۔ جنھوں نے علامہ اقبال کے بارے میں میونک یونیورسٹی سے بہت سی قیمتی معلومات کے حصول میں مصنف کی بہت مدد کی تھی۔

۲۴ (ب)۔ لاٹھ کی پشت پر جو تحریر کندہ ہے، اس کا ترجمہ یوں ہے: ''مورخہ ۲۲/اپریل ۱۹۶۸ء، ریاست بویریا (جس کا صدر مقام میونک ہے۔ دُرّانی) کے وزیر برائے تعلیم و تمدن، ڈاکٹر لڈوِگ ہُوبر (Dr. Ludwig Huber)، نے سفیر پاکستان، عزت مآب جناب عبدالرحمٰن خان کی موجودگی میں [اس لاٹھ کی] نقاب کشائی فرمائی''

(تصویر از مصنف، ۱۷/اکتوبر ۱۹۸۷ء)

میونخ میں علامہ اقبال کی یادگاری لاٹھ

☆۔ غور سے دیکھنے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً شاید یہ تاریخ ولادت بطور ۱۸۷۳ء کندہ کی گئی تھی (جیسا کہ اُن دنوں یہ مروج تھی)، مگر بعد ازاں یہ ۱۸۷۷ء میں بدل دی گئی ہے۔

(دُرّانی۔ ۲۱/ستمبر ۲۰۰۷ء)۔

ڈاکٹر بوزاش مصنف کتاب کے ساتھ محوِ گفتگو

ڈاکٹر بوزاش مصنف کتاب کے ساتھ محوِ گفتگو

ہنگیرئین نژاد ڈاکٹر بوزاش (Dr. Ladislaus Buzas) کے ساتھ مصنف کی پہلی ملاقات اکتوبر ۱۹۷۶ء میں ہوئی تھی، جب موصوف علامہ اقبال کی قدیمی تعلیم گاہ (Ludwig-Maximilians Universitat) کے چیف لائبریرین تھے، اور میں علامہ کے پی ایچ ڈی تھیسس معنونہ "The Development of Metaphysics in Persia" (داخل کردہ ۱۹۰۷ء) کے اصل نسخے کی اُس لائبریری میں تلاش کر رہا تھا۔ (جس کے متعلق ڈاکٹر بُوزاش نے بتایا کہ یہ چند سال قبل، علامہ اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلے میں حکومت ہند کی درخواست پر تحفۃً ہندوستان کو دے دیا گیا تھا۔ تفاصیل کے لیے دیکھئے مصنف کی کتاب اقبال یورپ میں) اب ڈاکٹر بوزاش اس عہدے سے ریٹائر ہو کر Unterschleissheim نامی گاؤں میں، جو میونک کے مصافات میں واقع ہے، رہائش رکھتے ہیں۔ یہ ملاقات وہیں اُن کے دولت خانے میں بروز جمعہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۷ء انجام پائی۔ اس کے دوران میں ڈاکٹر بوزاش نے مصنف کو اقبال کے زبانی امتحان (مورخہ ۴/نومبر ۱۹۰۷ء) کے پس منظر کے بارے میں بہت سی دلچسپ معلومات بہم پہنچائیں۔

(تصویر از ڈاکٹر ہنس ماسٹ، بروز ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۷ء۔ یعنی ایما ویگے ناسٹ کے نام میونک سے اقبال کے تحریر کردہ اوّلیں خط کے ٹھیک ستر (۷۰) سال کے بعد، اور ایما کی وفات مورخہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۶۴ء کے عین تئیس (۲۳) برس کے بعد)

ٹرنٹی کالج کیمبرج کا ایک منظر

شیخ محمد اقبال اواخر ستمبر ۱۹۰۵ء میں کیمبرج پہنچے، اور مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء انھوں نے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں بطور Advanced Student داخلہ لیا۔ اولاً وہ 17 Portugal Place میں اقامت پزیر ہوئے جو ٹرنٹی کالج

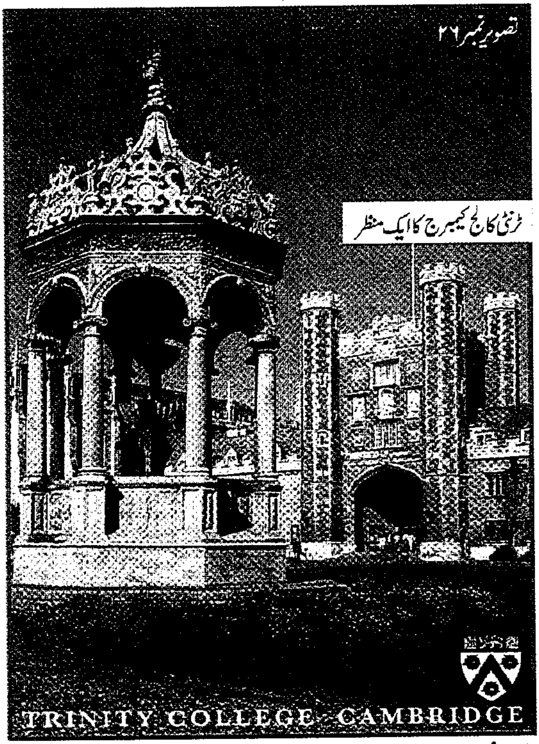

ٹرنٹی کالج کیمبرج کا ایک منظر

کے نزدیک ہی واقع ہے۔ جون ۱۹۰۷ء میں انھیں اپنے تحقیقی مقالے "The Development of Metaphysics in Persia" کی بنیاد پر کیمبرج یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری ملی۔ ٹرنٹی کالج، کیمبرج کا سب سے بڑا کالج ہے، اور Lings College کے بعد وہاں کا غالباً حسین ترین کالج بھی ہے۔ اس کی بنیاد بادشاہ ہنری ہشتم کے عہد میں رکھی گئی (۱۵۵۵ء)۔ تصویر کے پیش منظر میں ایک خوب صورت فوارے کا چھتری نما "قبہ" (۱۶۰۲ء) نظر آ رہا ہے۔ پس منظر میں کالج کا "عالی قوپو" (Great Gate) دکھائی دیتا ہے۔

کالج کے عقب میں دریائے کیم (Cam) بکمال رعنائی محوِ خوابِ خوش، ہلکورے لے رہا ہے۔ جس کے اس پار "خیابانِ فلسفیان" (Philosopher's Walk) جلوہ گر ہے، جہاں نوجوان اقبال، غرقِ اندیشہ ہائے دور و دراز، چہل قدمی کیا کرتے ہوں گے۔

ٹرنٹی کالج کیمبرج کا ایک منظر

علامہ اقبال کی 'مادرِ علمی' (Alma Mater)، یعنی ٹرنٹی کالج کیمبرج کا ایک اور منظر۔ دائیں ہاتھ پر کالج کا Great Gate (عالی قاپو) نظر آتا ہے۔ بائیں ہاتھ پر ٹرنٹی کالج کا خوب صورت Chapel (نماز خانہ کو چک) ہے۔(۱۵۵۵ء) جس کے Ante-Chapel (اطاق داخلہ) میں نیوٹن کا مجسمہ استادہ ہے (۱۷۵۵ء)۔ علامہ اقبال اور نیوٹن کے علاوہ اس کالج میں جن مشاہیر نے تعلیم پائی ان میں فرانسس بیکن، لارڈ بائرن، میکالے، ٹینی سن، برٹرینڈ رسل اور پنڈت نہرو شامل ہیں۔ کالج کی قشنگ و پرشکوہ لائبریری، جو سر کرسٹوفر Wren کی تعمیر کردہ ہے (۱۶۷۶ء تا ۱۶۹۵ء)، اس میں وہ رجسٹر داخلہ (برائے ۱۸۸۲ء تا ۱۹۱۳ء) اب بھی موجود ہے، جس میں علامہ نے اپنی تاریخ ولادت "محرم ۱۸۷۶ء" بدست خود تحریر کی ہے۔ اس کالج کے Great Hall کے اندر نومبر ۱۹۹۳ء میں راقم الحروف کی کوششوں کے نتیجے میں علامہ اقبال کی وہ شبیہہ آویزاں کی گئی جو اقبال اکیڈمی برطانیہ نے پاکستان کے مایہ ناز مصور گل جی سے بنوائی تھی۔ کالج کے استاذِ اعظم، سر مائیکل عطیہ (OM۔ صدر نشین رائل سوسائٹی لندن)، کی موجودگی میں، شبیہہ اقبال کی نقاب کشائی کے بعد اس عالی شان ہال میں ایک زرق برق اور یادگار ڈنر آراستہ کیا گیا، جس کا آغاز (کالج کی ساڑھے چار سو سالہ تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ) راقم الحروف نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کیا۔ ڈنر کے بعد کلامِ اقبال ترنم کے ساتھ سنایا گیا، اور علامہ کے بارے میں تقاریر ہوئیں۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس جذبہ آفریں تقریب کے دوران ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے گویا سالہا سال کے بعد آج شام اقبال مرحوم کی روح یہاں ہمارے درمیان موجود ہے۔ (دُرّانی۔ ۲۶ر ستمبر ۲۰۰۸ء)

تصویر نمبر ۲۷

ٹرنٹی کالج کیمبرج کا ایک منظر